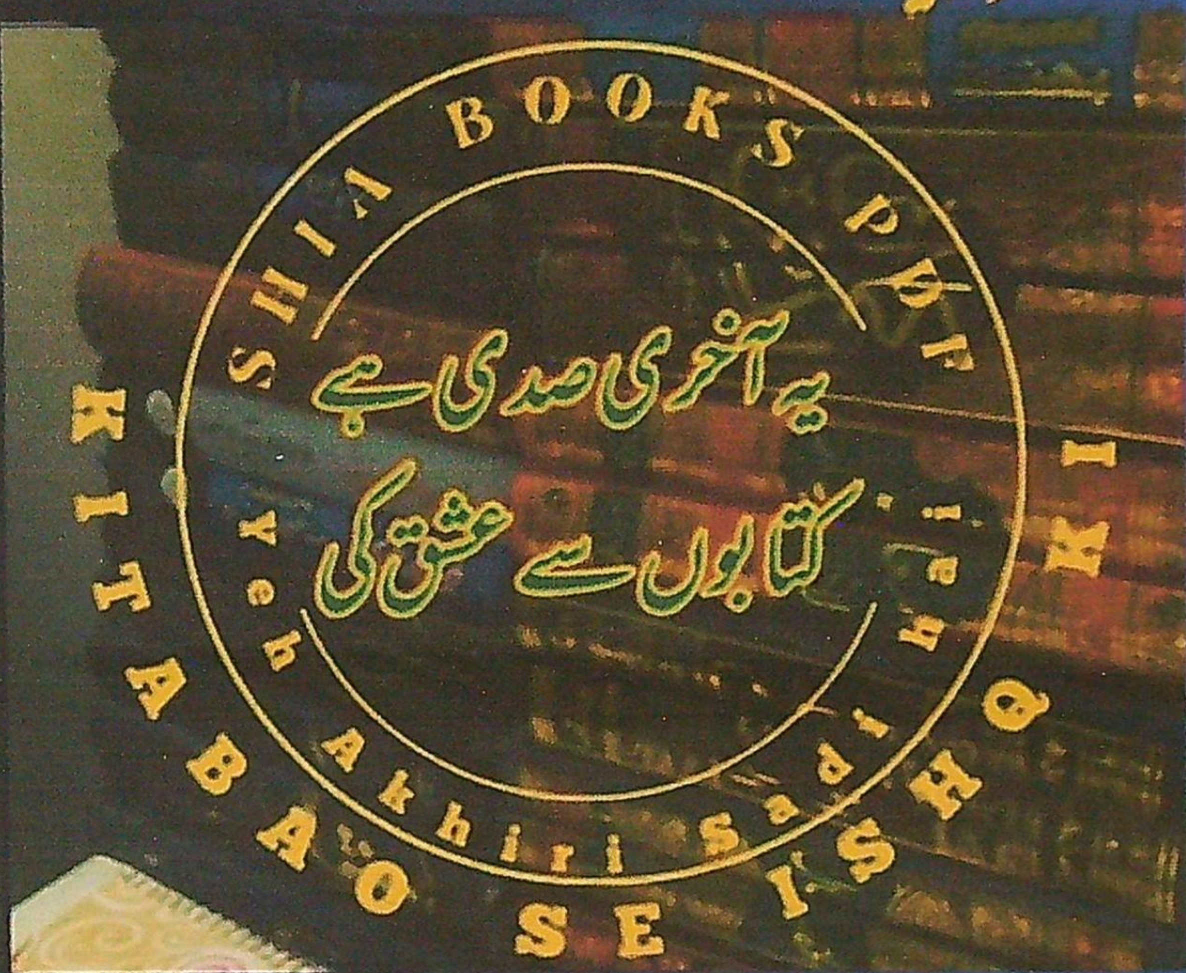

SHIA BOOKS PDF
یہ آخری صدی ہے
کتابوں سے عشق کی
Yeh Akhiri Sadi hai!
KITABAO SE ISHQ KI

علی ولی اللہ

علی علیہ السلام از زبان علی علیہ السلام

امیر المومنین علیہ السلام کی سیرت اور زندگانی خود ان کی زبانی

تالیف
محمد محمدیان
ترجمہ
سید سبطین علی نقوی
امروہوی

علی علیہ السلام

از زبانِ

علی علیہ السلام

امیر المومنین علی علیہ السلام کی سیرت اور زندگانی خود ان کی زبانی

رحمت اللہ بک ایجنسی
کاغذی بازار، میٹھادر، کراچی 74000
فون: 32431577, 0341-7234330
موبائل: 0314-2056416, 0332-3670828

تالیف:
حجۃ الاسلام والمسلمین محمد محمدیان

ترجمہ:
سید بطین علی نقوی امروہوی

انتساب

حسین علیہ السلام کے اس جوان کے نام جس کی جوانی کے طفیل شجر اسلام کی شاخیں آج بھی تر و تازہ ہیں، جو ہم شکل و ہم سیرت پیغمبر، ہم نام علی علیہ السلام نیز حسین علیہ السلام کی آنکھوں کا نور ہے۔

ہم صورتِ محبوبِ خدا تھے علیؑ اکبر
شوکت میں شہِ عقدہ کشا تھے علیؑ اکبر
شبیر کی پیری کے عصا تھے علیؑ اکبر
اور بانو کی آنکھوں کی ضیا تھے علیؑ اکبر
جلوہ رخ پرنور پہ تھا نورِ نبی کا
روشن تھا گھر اس ماہ سے زہرا و علیؑ کا

(انیس)

التماسِ سورۂ فاتحہ مع سورۂ اخلاص

برائے ایصالِ ثواب والدۂ مرحومہ مولانا سید سبطین علی نقوی امروہوی؛
سیدہ عذرا بتول بنت سید حیدر رضا نقوی امروہوی
و جملہ مرحوم مومنین و مومنات.

انتساب

حسین علیہ السلام کے اس جوان کے نام جس کی جوانی کے طفیل شجر اسلام کی شاخیں آج بھی تر و تازہ ہیں، جو ہم شکل و ہم سیرت پیغمبر، ہم نام علی علیہ السلام نیز حسین علیہ السلام کی آنکھوں کا نور ہے۔

ہم صورتِ محبوبِ خدا تھے علیؑ اکبر
شوکت میں شہِ عقدہ کشا تھے علیؑ اکبر
شبیر کی پیری کے عصا تھے علیؑ اکبر
اور بانو کی آنکھوں کی ضیا تھے علیؑ اکبر
جلوہ رخِ پرنور پہ تھا نورِ نبی کا
روشن تھا گھر اس ماہ سے زہرا و علیؑ کا

(انیس)

التماسِ سورۂ فاتحہ مع سورۂ اخلاص

برائے ایصالِ ثواب والدۂ مرحومہ مولانا سید سبطین علی نقوی امروہوی؛

سیدہ عذرا بتول بنت سید حیدر رضا نقوی امروہوی

و جملہ مرحوم مومنین و مومنات۔

عرضِ مترجم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و صلی اللہ علی ابی القاسم المصطفی محمد و آلہ الطیبین الطاہرین و لعنۃ اللہ علی اعدائھم اجمعین۔

سیرت و زندگیء معصومین علیہم السلام پر بے شمار کتب لکھی جا چکی ہیں۔ ان میں سے کچھ مُفصّل ہیں تو کچھ اختصار کو ملحوظِ خاطر رکھتی ہیں۔ ان کتب میں بیان شدہ سیرت کی روش بھی مختلف رہی ہے۔ کوئی مطالب کو احادیث کی صورت میں بیان کرتی ہے تو کوئی مورخین کے اقوال نقل کرنے پر اکتفا کرتی ہے۔ کوئی تحلیل و تجزیے کی روش اپناتی ہے تو کسی کا طریقہ فقط واقعات کو نقل کرنا ہوتا ہے۔ انہی روشوں میں سے ایک روش خود صاحبِ سیرت کے کلام سے اس کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنا ہے۔ زیر نظر کتاب میں اسی روش کو اپنایا گیا ہے۔

چونکہ اہلِ تشیع کا عقیدہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام معصوم عن الخطا ہیں نیز ان کی ذات کا کامل عرفان خود ان کے سوا کسی کو میسر نہیں۔ لہٰذا ہم ان کی معرفت کے سلسلے میں خود انہی کے نیاز مند ہیں۔ جب تک یہ اپنی شخصیت کے مختلف پہلوؤں سے خود پردہ نہیں اٹھائیں گے، ہم جیسے خاطی ان کی کما حقہ معرفت حاصل کرنے سے قاصر رہیں گے۔ چونکہ ان کے علاوہ کوئی اور معصوم عن الخطا نہیں لہٰذا بہترین معرفت وہی ہو سکتی ہے جس کے دریچے خود ان کے ہاتھوں وا ہوں۔

اہلِ بیت علیہم السلام کی شخصیات میں سے ایک عالمی امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب علیہما السلام کا ہے۔ گو کہ امامِ عالی مقام کی سیرت پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لیکن جتنا بھی لکھا گیا ہے وہ امام کی شخصیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی کثرت کے باوجود بھی قلیل و ناچیز ہے۔

سرِ دست کتاب میں امام کی شخصیت کا تعارف خود امام کی زبانی کروانے کی ایک ادنیٰ سی سعی کی گئی ہے۔ مُفسّرین کے نزدیک قرآنِ مجید کی تفسیر کی مختلف رَوِشوں میں ایک بہترین رَوِش قرآن کی خود قرآن کے ذریعے سے تفسیر ہے۔ دوسری جانب ائمہء معصومین علیہم السلام قرآنِ ناطق ہیں، اس اعتبار

سے ان کا بہترین تعارف وہی ہے جو یہ خود کروائیں۔

گو کہ مؤلفِ محترم نے مقدمے میں اس جانب اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے کتاب کی تالیف میں مُستند روایات سے استفادہ کیا ہے، لیکن بہر کیف انسان خطا کا پتلا ہے جس کی وجہ سے اس کا قلم کہیں نہ کہیں چُوک جاتا ہے اور یوں وہ انتخابِ روایات کے سلسلے میں کسی مقام پر لغزش کا شکار ہو سکتا ہے۔ چونکہ کتاب میں اہلِ تشیّع کی کتب کے ساتھ ساتھ اہلِ سُنّت کی کتب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، لہٰذا مترجم کی جانب سے کوشش کی گئی ہے کہ اگر کوئی روایت مقام و منزلتِ امام و امامت نیز عقائدِ امامیہ سے میل نہ کھاتی ہو یا اس میں بنو اُمیّہ کی سازشوں کی بُو محسوس ہوتی ہو تو اس کی جانب حاشیے میں اشارہ کر دیا جائے۔

اب آپ کے سامنے علی علیہ السلام جیسے قرآنِ ناطق کا تعارف خود اُن کی زبانی پیشِ خدمت ہے، اس اعتراف کے ساتھ کہ یہ اس سلسلے میں پہلا قدم ہے اور اس ضمن میں مزید بہتر قدم بھی اٹھائے جا سکتے ہیں۔ اس اُمید کے ساتھ کہ مومنین اس کتاب سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے اور یہ کتاب ان کی عملی زندگی میں امام علی علیہ السلام کی سیرت کو اپنانے میں مددگار ثابت ہو گی، حقیر یہ کتاب آپ کے حوالے کرتا ہے۔

عبد العلیؑ: سید سبطین علی نقوی امروہوی۔

۲۴ ذوالحجہ، روز عید مباہلہ، ۱۴۴۱ ہجری

بمطابق ۱۵ اگست ۲۰۲۰، قم المقدس۔

مقدمۂ مؤلف

تمام حمد اُس اللہ کے لیے ہے جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں، جس کی نعمتوں کو گننے والے گن نہیں سکتے۔ نہ کوشش کرنے والے اس کا حق ادا کر سکتے ہیں، نہ بلند پرواز ہمتّیں اسے پا سکتی ہیں نہ عقل و فہم کی گہرائیاں اس کی تہہ تک پہنچ سکتی ہیں۔[1]

خدا کا سلام ہو محمد ﷺ پر جنہوں نے شریف ترین خاندان میں آنکھ کھولی اور کرامت و پاکیزگی کی آغوش میں پرورش پائی۔ نیک سرشت لوگ اُن کے شیفتہ ہو گئے اور اُن کے نگاہیں آپؐ کے فضائل کو دیکھ کر خیرہ ہو گئیں۔ خدا نے ان کے وجود کی برکت سے سینوں سے کینوں اور کدورتوں کو دُور کیا، دشمنی کی آگ کو بجھا دیا، دلوں کی وسعت کو محبت و الفت کی اماج گاہ بنایا، کمزوروں کو مسندِ عزّت پر بٹھایا اور مغرور حاکموں کو ذلیل و خوار کیا![2]

اور سلام ہو اہل بیت پیغمبر پر، جن کا امت اسلامیہ کے درمیان موجود رہنا علم کے لیے باعث حیات اور جہالت کے لیے باعث مرگ ہے۔ وہ اسلام کے ستون اور بچاؤ کا ٹھکانہ ہیں ان کی کوششوں سے حق اپنے اصل مقام پر پلٹ آیا اور باطل اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔[3]

علم نے انہیں ایک دم حقیقت و بصیرت کے انکشافات تک پہنچا دیا ہے، وہ یقین و اعتماد کی روح سے گھل مل گئے ہیں اور ان چیزوں کو جنہیں آرام پسند لوگوں نے دشوار قرار دے رکھا تھا، اپنے لیے سہل و آسان سمجھ لیا ہے اور جن چیزوں سے جاہل بھڑک اُٹھتے ہیں، وہ اس سے جی لگائے بیٹھے ہیں۔ اُن کے بدن دوسروں کی طرح خاک سے ہی تھے لیکن اُن کی ارواح عالمِ ملکوت سے متصّل تھیں۔ یہ زمین میں خدا کے جانشین اور لوگوں کو دینِ خدا کی جانب دعوت دینے والے ہیں۔[1]

---

[1] نہج البلاغہ: خطبہ ا، ص ۳۹.

[2] نہج البلاغہ: خطبہ ۹۶، ص ۱۴۱.

[3] نہج البلاغہ: خطبہ ۲۳۹، ص ۳۵۷.

❀❀❀

اسلام کے ظہور پذیر ہونے کے چودہ صدیاں گزرنے کے بعد، مسلمانوں کے حالات اور ان کے نشیب و فراز نیز ان کے درمیان پائے جانے والے افسوس آور اختلافات جیسے معاملات دیکھنے کے بعد آج ہمیں خالص اسلام کی شناخت کی تجدید کی، گزشتہ ہر زمانے سے زیادہ ضرورت ہے۔

لیکن اس شناخت کو درج ذیل خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے:

سرچشمہ ءصافی سے حاصل کی گئی ہو؛

مسلمانوں کے دلوں کو ایک دوسرے سے جوڑنے کا موجب بنے؛

اسلامی معاشرے میں اُلفت اور وحدت کو واپس لوٹادے؛

محکماتِ اسلام پر تکیہ کرے اور روشن وواضح دلائل سے مُستند ہو؛

تشابہات اور شبہات کا جواب دینے کی صلاحیت رکھتی ہو؛

مسلمانوں کو اطمینان اور سکون سے نوازے؛

ایک طرف ماضی کو درست انداز میں بیان کرے اور دوسری جانب مسلمانوں کے مستقبل کے لیے چراغِ راہ ثابت ہو؛

اسلام کے باعظمت تمدّن کے احیاکے لیے زمینہ فراہم کرے؛

اصول اور مبانیات کو مدِ نظر رکھے؛

اصلی اور حقیقی اہداف کو ظاہر کرے نیز ساتھ کے ساتھ خرافات، بدعات اور انحرافات سے محفوظ رہنے کی راہ بھی دکھائے۔

ان خصوصیات کی حامل شناخت تک رسائی کے لیے، ایک جدید راہ وجود رکھتی ہے جس کا تجربہ اسلامی معاشرے کے لیے مفید اور تعمیری ثابت ہو گا۔ یہ راہِ جدید، اس شخص کی پکار اور سرگوشیوں پر کان دھرنا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے شہر علم کا در کہا تھا: ''انا مدینة العلم و علیؑ بابہا'' اور ایسے ہی اسے محور و قطبِ حق کے طور پر متعارف کروایا تھا اور اُمّت سے اِس محور کے گرد حرکت کرنا اور اس سے دُور نہ ہونا طلب کیا تھا کیونکہ ''علیؑ مع الحق و الحق مع علیؑ،

---

[1] نہج البلاغہ: حکمت ۱۴۷، ص ۴۹۷.

یدور معه حیث دار''۔ یہ ایک ایسی شخصیت ہے کہ اگر اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے تمام فرمودات اور سفارشات کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی اور یہ مقدمہ ان سب کو خود میں سمانے کی گنجائش نہیں رکھتا۔

تاریخ اس شخصیت کے حق میں روا رکھی گئی تنگ نظریوں کے باوجود بھی اس کے روشن اور ممتاز چہرے کو عقلاء اور منصفین کی نگاہ سے چھپا نہیں سکی؛ بلکہ تاریخ کی کہی یہی باتیں اس بات پر بہترین گواہ ہیں کہ بعد رسول ﷺ اُستواریِ فکر، وسعتِ علم، ایمان میں پائیداری اور گفتار میں صداقت میں کوئی بھی اس کی برابری نہیں کرسکا۔

رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اور شاگردوں میں امیر المومنین علیہ السلام آپؐ کے قریبی ترین فرد تھے۔ ایامِ طفلی سے ہی دامن رسول ﷺ میں پرورش پائی اور آپؐ کے دنیا سے رخصت ہونے تک ان کے ساتھ رہے۔ انہوں نے آپؐ کے بعد ۳۰ سال تک اُن تمام اجتماعی، ثقافتی اور سیاسی میدانوں میں جن میں وہ موجود رہے، رسول اللہ ﷺ کا کردار ادا کیا۔

امیر المومنین علیہ السلام کی ذات میں موجود خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ولادت سے شہادت تک خود ہی اپنے حالاتِ زندگی بڑی دقّت اور جامعیت کے ساتھ بیان کیے ہیں نیز تازہ قائم ہوئے اسلامی معاشرے کے اہم مسائل پر نگاہ ڈال کر ان کی حقیقت سے قریب ترین تحلیل پیش کی ہے۔

ان سب اوصاف کے ساتھ جس بہترین معرفت کی تلاش میں تمام مسلمان ہیں، وہ انہیں اس وقت تک حاصل ہوسکتی تھی اگر علی علیہ السلام جیسی شخصیت (اسلام) کے ساٹھ سال کی تاریخ روایت نہ کرتی!؟ یعنی وہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور مکی زندگی کے سخت اور طاقتور سا تیرہ سالہ دور کو بیان کرے، مدینے کی جانب ہجرت اور دس سال تک رکاب رسول ﷺ میں جہاد و استقامت کو بیان کرے، رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد پیش آنے والے تلخ حوادث کی تفصیل بیان کرے، ۲۵ سالہ حکومت خلفاء کا حال سنائے، خلافت قبول کرنے اور اپنی حکومت کے طریقۂ کار کی تفصیلات سے آگاہ کرے نیز جمل، صفین اور نہروان جیسی تین جنگوں میں اپنے مخالفین سے

مقابلہ کرنے کی روش بتائے۔ اس کے علاوہ دسیوں بلکہ سینکڑوں قرآنی و نبوی تعلیمات ہم تک منتقل کرے اور ہمیں اپنے کردار ورفتار سے حقیقی اسلام کی تعلیم دے...

رسول اللہ ﷺ کے مکتب میں بہت بلند مرتبہ شخصیات نے تربیت پائی، ان میں سے ہر ایک اسلام کی حفاظت اور اس کے استمرار کے لیے مشعل ہدایت اور مستحکم ستون ہے؛ لیکن فی الزمانہ ان کی زندگی اور سیرت میں سے بہت ہی کم آثار ہم تک پہنچے ہیں، لہٰذا افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اصلی اور خالص اسلام کے تعارف کے لیے ان قلیل آثار پر اکتفاء نہیں کیا جاسکتا۔

امیر المومنین علیہ السلام وہ واحد شخصیت ہیں جن کے کثیر آثار نہ فقط دسترس میں ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ متیقن و جامع بھی ہیں نیز ان پر بھروسہ کرتے ہوئے استناد بھی کیا جاسکتا ہے۔ درحقیقت اس بزرگ ہستی کے اس قدر آثار کا باقی رہ جانا معجزے سے کم نہیں، یہ خدا کی خاص عنایت ہے تاکہ حقیقت جو مسلمانوں کا ہاتھ خالی نہ رہے۔

❀❀❀

میں نے چاہا کہ امیر المومنین علیہ السلام کی زندگی خود ان کی زبانی مرتب کروں، خیال تھا کہ تمام مطالب کی جمع آوری کے بعد بھی بہت ہوا تو ایک جلد مرتب ہوگی؛ لیکن جیسے جیسے کام آگے بڑھتا گیا، مطالب کا اضافہ ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ سات جلدی کتاب تالیف ہوگئی اور اس کام میں دس سال سے زائد کا عرصہ لگا۔ یہ سات جلدیں عربی زبان میں "حیاۃ امیر المومنین علیہ السلام عن لسانہ" کے نام سے سات عناوین کے تحت شائع ہوچکی ہیں۔ یہ عناویں درج ذیل ہیں: عصرِ رسول اللہ ﷺ؛ امامتِ جناب امیر علیہ السلام؛ دورِ خلفاء؛ قبولیتِ خلافت؛ جنگِ جمل؛ جنگِ صفین؛ جنگِ نہروان اور شہادتِ حضرتؑ۔

اس مجموعے کو مرتب کرنے کی غرض سے صدر اسلام سے قریب ترین میسر تمام شیعہ سنی معتبر کتب کا مطالعہ کیا۔ ان میں تاریخی کتب بھی تھیں اور روایات و تفاسیر پر مبنی کتب بھی۔ میں نے ان میں سے مُستند اور قابلِ اطمینان مطالب کا انتخاب کیا جو اعتقادی محکمات اور تاریخی حقیقتوں سے ساز گار تھے۔

چونکہ یہ ایک تفصیلی مجموعہ تھا، نیز عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے جناب امیر المومنینؑ

کی ذات والہ صفات سے ارادت رکھنے والے عام قارئین کے لیے قابل استفادہ نہیں تھا؛ اس لیے ہمیشہ اس مجموعے کے خلاصے اور سلیس فارسی زبان میں ترجمے کی فرصت کا منتظر رہا تاکہ اسے امامؑ کے مُحبّین کی خدمت میں پیش کر سکوں۔ خدا کے لطف و عنایت سے یہ توفیق نصیب ہوئی اور کتاب حاضر مرتب ہو گئی۔

❁❁❁

کتاب کے بارے میں چند نکات

۱۔ اس کتاب کی تلخیص اور ترجمے میں پیش آنے والا وہ اتفاق جس نے اسے اصل مجموعے سے مختلف کر دیا، یہ تھا کہ شروع سے آخر تک کتاب براہ راست امیر المومنین علیہ السلام کی زبانی بیان ہوئی ہے۔ کتاب "حیاۃ امیر المومنین علیہ السلام عن لسانہ" میں مطالب کو تاریخی اور بیانیہ کتب سے منتخب کر کے بغیر کسی تغیر کے تاریخی اور حدیثی کتب میں رائج طریقہ کار کے مطابق نقل کیا گیا تھا۔ اس کتاب کی روش یہ ہے کہ مثلاً اگر تاریخ یا حدیث کا راوی کہتا ہے: میں وہیں موجود تھا جب یہ واقعہ پیش آیا اور جناب امیر علیہ السلام نے اس واقعے کے وقت یہ فرمایا یا اس ردعمل کا اظہار فرمایا یا یہ ارادہ کیا لیکن موجودہ کتاب میں جنابِ امیر علیہ السلام کے بیانات کے مقدّمات جو اصلی منبع ہیں ان میں راوی کی زبان سے نقل ہوئے ہیں انہیں بھی کچھ تغیر اور تبدل کے بعد خود جنابِ امیر علیہ السلام کی زبان سے نقل کیا گیا ہے، لہٰذا اس کتاب کے آغاز سے اختتام تک کوئی دوسرا راوی موجود نہیں۔ البتہ اس بات کا دھیان رکھا گیا ہے کہ ہمارے اضافات جناب امیر علیہ السلام کے کلام سے خلط ملط نہ ہونے پائیں اس وجہ سے اضافات کو قوسین [...] میں نقل کیا گیا ہے تاکہ قاری جنابِ امیر علیہ السلام کے کلام کو راوی کے کلام سے جدا کر سکے۔

۲۔ یہ کتاب میں تاریخی اور بیان کردہ واقعات پر مشتمل ہے جو اجتماعی اور سیاسی واقعات کو ان کے رونما ہونے کی اساس پر بیان کرتی ہے نہ کہ عمیق توحیدی معارف، آیات قرآن کی تفسیر اور امام کے اخلاقی مواعظ کو بیان کرتی ہے؛ کیونکہ ان معارف کی تشریح و تفصیل ایک دوسری اور کہیں وسیع تر فرصت کی طالب ہے۔

۳۔ امیر المومنین علیہ السلام جیسی ذہین ہستی جو کہ صحیح معنوں میں امیر تقرّر و بیان، نمونۂ دیانت و

سیاست نیز امامِ رحمت وصلابت تھے، ان کے موزوں اور ادیبانہ کلام کا ترجمہ بہت مشکل اور دشوار کام ہے، امام کی مراد کے ادرک کے حوالے سے بھی ان کے کلام کے دوسروں تک منتقل کرنے کے حوالے سے بھی۔ لہذا مقامِ اعتراف ہے کہ جس قدر بھی کوشش اور دقّت سے کام لیا گیا وہ بارگاہِ علوی کے شایانِ شان نہیں تھا اور ہم اپنی ذمہ داری (کا حق) ادا نہیں کر سکے؛ اس پر امام اور ان کے ارادت مندوں سے معذرت طلب کرتے ہیں۔

۴۔ اس کتاب کے ترجمے میں نہج البلاغہ اور دیگر تاریخی بیانیہ کتب کے متعدد اور میسر تراجم سے استفادہ کیا گیا ہے؛ لیکن ان میں سے کسی ایک پر بھی اکتفا نہیں کیا بلکہ حتی الامکان اسے جوان مخاطبین کے لیے رواں اور قابل استفادہ ترجمہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کام میں مجھے کس حد تک توفیق حاصل رہی، میں نہیں جانتا۔ اُمیدوار ہوں کہ صاحبانِ علم و قلم کی رہنمائی سے بہرہ مند رہوں گا۔

آخر میں خود پر ان دوستوں کا شکریہ ادا کرنا لازم سمجھتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کے ترجمے یا ترتیب میں میری مدد کی؛ بالخصوص جناب حجۃ الاسلام والمسلمین آقائے ترابی، جناب آقائے مختار پور اور جناب آقائے حمید زادہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے بقیہ افراد کے مقابل میری زیادہ معاونت اور ہمراہی فرمائی۔ خدا سے ان عزیز افراد کے لیے بہترین اجزا و پاداش کا خواستگار ہوں جو کہ شہدِ کوثر کا جناب امیر علیہ السلام کے ہاتھ نوش کرنا ہے۔

اللهم اجعلنا من اهل اليقين و من شيعة اميرالمومنين عليه افضل صلوات المصلين.

محمد محمدیان

۱۳ رجب ۱۴۳۸ ۔

فصل اول:

مکی زندگی

۱۔ زمانۂ طفلی۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والا۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک محبوب ترین شخص۔

۴۔ مکّے کی کچھ یادیں۔

۱۔ زمانۂ طفلی

❁ دامنِ رسالت مآب ﷺ میں

[میں علیؑ ہوں ابو طالب اور فاطمہ بنت اسد کا بیٹا، ۱۳ رجب ۳۰ عام الفیل کو شہر مکّہ، عین جوفِ خانۂ کعبہ میں متوّلد ہوا۔ میرے والد ابو طالبؑ عیال دار شخص تھے اور مالی طور پر مشکلات کا شکار تھے۔[1] قریبی رشتہ داروں نے ان کی مدد کو ہاتھ بڑھائے۔ ان میں سے ہر ایک نے ان کی اولاد میں سے کسی ایک کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے منتخب فرمایا تاکہ میں ان کے گھر کے افراد کی طرح ان کے ساتھ زندگی گزاروں۔

رسول اللہ ﷺ کے کوئی بیٹا نہیں تھا؛ تقدیرِ الٰہیٰ تھی کہ وہ مجھے بیٹوں کی طرح پروان چڑھائیں اور میری تربیت میں کسی قسم کی کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں نیز ایک باپ اپنے بیٹے کے لیے جس قدر محبت و رافت سے کام لیتا ہے، اس محبت کا مجھ سے اظہار فرمائیں: یہاں تک کہ]

رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے دامن میں بٹھاتے، آغوش میں لیتے اور اپنے خاص بستر پر جگہ دیتے۔ مجھے ان کے ساتھ آرام ملتا، میں ان کی خوش بو اپنے مشاموں میں محسوس کرتا۔ وہ بعض اوقات نوالوں کو چبا چبا کر میرے منہ میں ڈالتے۔ انہوں نے کبھی بھی کلام میں جھوٹ اور میرے عمل میں خطا کا مشاہدہ نہیں کیا۔

جب سے رسول اللہ ﷺ کا دودھ چھوٹا تھا، خدا نے اپنے بزرگ ترین فرشتے کو ان کی تربیت پر مامور کر دیا تھا تاکہ وہ ہمیشہ ان کی کرامت، سچائی اور نیک اخلاق کی جانب رہنمائی کرے۔ میں بھی ہمیشہ اس طرح رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہتا جیسے ایک بچہ ماں کے ساتھ رہتا ہے۔ آپؐ ہر روز مجھے

---

[1] مترجم عرض کرتا ہے: بعض محققین کے مطابق جناب ابو طالبؑ کی مالی مشکلات کا بہانا بنانا ٹکسالی تاریخ کی پیدوار ہے۔ اس بات کو گھڑنے سے جہاں اور بہت سے عزائم تھے وہاں علیؑ علیہ السلام کی خانۂ رسول ﷺ میں پرورش کو ایک حادثے کی مرہونِ منّت ظاہر کرنا تھا۔ تفصیل کے لیے متعلقہ کتب کی جانب رجوع کیا جائے۔

اخلاق حسنہ کا نیا درس دیتے اور مُجھ سے اپنی گفتار و کردار میں پیروی کا تقاضا فرماتے۔[1]

رسول اللہ ﷺ ہر سال چند ماہ غارِ حرا میں گزارا کرتے تھے۔ ان ایّام میں فقط میں تھا جو آپ سے ملاقات کرتا اور اس تمام مُدّت میں میرے سوا کوئی دوسرا حضرت کا دیدار نہیں کرتا تھا۔[2]

والد سے زیادہ مہربان

رسول اللہ ﷺ نے بچپن سے ہی میری اپنے دامن میں تربیت فرمائی اور میرے سر پر اپنی محبت کا سایہ رکھا۔ آپ کی بے تحاشا مدد ہمیشہ میرے لیے کارگشا ثابت ہوتی۔ میرے والد ابو طالب کی وفات کے بعد آپؐ نے مجھے یتیمی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ ایک شفیق والد کی طرح میری سرپرستی اپنے ذمہ لی۔ رسولِ خدا ﷺ کی میرے اور میرے گھر والوں کے لیے محبت اس قدر تھی کہ نہ تو کسی کمی کا احساس ہُوا اور نہ کسی کمی کا ہی کا شکار ہوا!

لیکن یہ، وہ سب کچھ نہیں (جو میں کہنا چاہتا ہوں)؛ بلکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے علمی اور معنوی طور پر جو بھی استفادہ کیا اور اس راہ سے بارگاہ خدا میں جو بلند مقام حاصل کیا، وہ اس سے کہیں بالا تر ہے کہ بیان کیا جا سکے۔[3]

---

[1] مترجم عرض کرتا ہے: جس فرشتے کی جانب اشارہ کیا جارہا ہے وہ روح القدس ہے. بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مخلوق تمام فرشتوں سے افضل ہے نیز خود وجود معصومؑ کا حصّہ ہے. جیسا کہ شیخ صدوقؒ نے بھی اپنی کتاب الاعتقادات میں معصومین علیہم السلام کے لیے پانچ ارواح کے بارے میں بیان کیا ہے اور روح القدس کو خود وجود معصومؑ کا حصّہ جانا ہے نہ کہ کوئی بیرونی اور خارجی مخلوق. لہذا اس اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی کہ ایک فرشتہ جو رسول اللہ ﷺ سے کمتر ہے کس طرح افضل الخلق کی تربیت کا ذمہ دار ہو سکتا ہے. نیز جس رسول ﷺ کی خدا نے اپنی محبت پر پرورش کی ہُو اسے کسی ایسے فرشتے کی تربیت کی کیا ضرورت پیش آئی جو اس کے وجود سے خارج ہو. البتہ اگر ہم اسے وجودِ معصومؑ کا حصّہ مانیں تو یہ مشکل حل ہو جاتی ہے. تفصیل کے لیے متعلقہ کتب کی جانب رجوع فرمائیے.

[2] نہج البلاغہ: خطبہ ۱۹۲، ص ۳۰۰؛ مناقبِ آلِ ابی طالب: ج ۲، ص ۱۸۰؛ الطرائف: ج ۲، ص ۴۱۵.

[3] الخصال: ج ۲، ص ۳۰۷؛ الاختصاص: ص ۱۶۹؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۴.

۲۔ رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والا

ایمان لانے کا واقعہ

[میرا بچپنا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گزرا۔ نوجوانی بھی آپ ہی کے ساتھ گزر رہی تھی کہ چالیس سال کی عمر میں خداوندِ متعال نے آپ کو مبعوث بر رسالت فرمایا۔]

جن دنوں میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے کندھوں پر بارِ رسالت اٹھایا، میں اُنؑ کے خاندان میں جوان ترین فرد تھا نیز رسول اللہ ﷺ کے گھر میں ان کے تحت تربیت زندگی گزار رہا تھا اور ہمیشہ ان کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے تمام بنی عبد المطلب کو توحید اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دی اور ہر چھوٹے بڑے کو مدعو کیا؛ لیکن انہوں نے منہ موڑ لیا اور آپ کی رسالت کا انکار کیا۔ انہوں نے فقط انکار پر اکتفا نہ کیا بلکہ دشمنی میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ رسول اللہ ﷺ کے مقابل کھڑے ہو گئے اور سنجیدہ طور پر مزاحمت اور مقابلے پر اتر آئے؛ انہوں نے میل جول چھوڑ دیا، رسول اللہ ﷺ سے دُوری اختیار کر لی اور ہر قسم کی مودّت و محبت سے ہاتھ اُٹھا لیا۔

آپ کے قریب ترین رشتے داروں کے اس سلوک اور رویے کی دیکھا دیکھی بقیہ وہ گروہ جو آپ کی دعوت کو برداشت نہیں کر پا رہا تھا، آپ کے پیغام کی حقیقت کے ادراک کے لیے اپنی عقل استعمال نہیں کرتا تھا اور جن کے لیے آپ کی دعوت کو قبول کرنا سنگین تھا، آپ کی مخالفت پر تل گئے اور آپ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ایسے مشکل حالات میں، مَیں اکیلا تھا جس نے بغیر تأمل کے ذوق و شوق سے رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور اطاعت قبول کی۔ مجھے آپ کی حقانیت پر اس قدر یقین تھا کہ میرے دل میں رتی برابر شک و تردید کا گزر نہ ہوتا تھا۔ میں تین سال تک رسول اللہ ﷺ اور خدیجہؑ کے ہمراہ رہا اور ہم ایک ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ خدیجہؑ نے بھی دل و جان سے رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول فرمائی تھی۔ تاکید

کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ اُس وقت ہم تین افراد کے علاوہ روئے زمین پر اور کوئی نماز پڑھنے والا نہیں تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں میں سرفہرست

سوموار کا دن تھا جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور میں نے منگل کے دن صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ اس دن کے بعد سے جب بھی رسول اللہ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوتے میں ان کے ساتھ دائیں جانب کھڑا ہوتا اور آپ کے ساتھ نماز پڑھتا۔ ان دنوں میرے سوا کوئی دوسرا مرد آپ کے ہمراہ نہیں تھا۔[2]

میں نورِ وحی کا مشاہدہ کرتا تھا

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے اولین ایام میں سوائے خانۂ رسول خدا علیہ السلام کے اسلام کسی گھر میں داخل نہیں ہوا تھا۔ اس گھر میں بھی بس تین افراد موجود تھے: رسول اللہ ﷺ، ان کی زوجہ محترمہ خدیجہؑ اور میں۔ اس وقت بس ہم دو ہی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے۔

ان ایام میں نورِ وحی کا مشاہدہ کرتا اور نبوّت کی بُو سونگھتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوئی میں نے شیطان کے نالہ و شیون کی آواز سنی۔ لہذا رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ یہ نالہ و شیون کی آواز کیسی ہے؟

فرمایا: یہ شیطان کی آواز ہے۔ مجھ پر وحی کے نزول کی وجہ سے وہ لوگوں سے اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کروانے سے مایوس ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا: جو میں سُنتا ہوں تو بھی سُنتا ہے اور جو میں دیکھتا ہوں تو بھی دیکھتا ہے؛ لیکن تو نبی نہیں ہے بلکہ میرا مددگار ہے اور راہ خیر پر رہے گا۔[3]

---

1. الخصال: ج ۲، ص ۳۶۶؛ الاختصاص: ص ۱۶۵؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۴۴.
2. شواہد التنزیل: ج ۲، ص ۳۰۰، رقم ۹۳۶: تاریخ دمشق: ج ۱، ص ۵۲؛ مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۰۳.
3. نہج البلاغہ: خطبہ ۱۹۲؛ الطرائف: ج ۲، ص ۴۱۵؛ الصراط المستقیم: ج ۲، ص ۶۵.

❁ میں پہلا شخص ہوں

تم اصحابِ رسول ﷺ اچھے سے جانتے ہو کہ تمہارے درمیان میں پہلا شخص ہوں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لایا تھا اور تم لوگ میرے بعد بتدریج دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔[1]

❁ سوائے رسول ﷺ کے کوئی شخص مجھ پر نماز قائم کرنے میں سبقت نہیں رکھتا

[وہ دن گزرے سالہا سال گزر چکے ہیں؛ لیکن آج بھی میرے لیے ان دنوں کی یاد بہت شیریں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی شخص بھی مجھ پر نماز قائم کرنے میں سبقت نہیں رکھتا۔ اس بات کا یاد کرنا خدا کی بارگاہ کی جانب رجوع کرنے اور اس کے لطف و رحمت کی اُمید رکھتے ہوئے یہ کہنے کا باعث بنتا ہے کہ:]

بارِ الہا! میں پہلا شخص ہوں جس نے تیری جانب رجوع کیا اور تیرے رسول ﷺ کی دعوت سن کر اس پر لبّیک کہا اور نماز قائم کرنے میں تیرے رسول ﷺ کے سوا کوئی دوسرا مجھ پر سبقت نہیں رکھتا![2]

❁ میرے والد ابو طالبؑ کا ایک واقعہ

[جیسا کہ میں نے بیان کیا، امت اسلامیہ کے درمیان]

رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی شخص نے مجھ سے قبل خدا کی عبادت نہیں کی۔ بعثت کے اولین دنوں میں ہی جب میں نوجوان تھا، ایک دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عبادت میں مشغول تھا۔ ہم دونوں سجدے میں تھے کہ میرے والد ابو طالبؑ ہمارے پاس آئے اور ہمیں اس طرح عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔ تعجب کے ساتھ کہنے لگے: بالاخر تو نے وہ راہ اپنالی جسے تجھے اپنانا چاہیے تھا!

اس کے بعد مجھ سے فرمایا: اپنے حواس جمع رکھنا، اپنے تمام وجود کے ساتھ اپنے چچازاد محمد ﷺ کی مدد کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تو اسے تنہا چھوڑ دے یا اس کی ہمراہی کرنے سے دریغ کرے! میرے والد نے ان الفاظ کے ساتھ مجھے رسول اللہ ﷺ کی مدد، ہمراہی اور حمایت کرنے کی تشویق دلائی۔[1]

---

[1] ابن مغازلی، مناقب: ص ۱۱۱، رقم ۱۵۴؛ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۸۰.

[2] نہج البلاغہ: خطبہ: ۱۳۱، ص ۱۸۹.

شرح نہج البلاغہ: ج۴، ص ۱۰۴؛ الغارات: ج ۲، ص ۴۰۰.

مترجم عرض کرتا ہے: شاید یہ سوال اٹھے: اگر جناب ابو طالبؑ رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتے تھے تو آپ نے نماز پڑھنے میں رسول اللہ ﷺ کی ہمراہی کیوں نہ کی؟ اس کے جواب میں عرض خدمت ہے: جناب ابو طالبؑ کا اس وقت نماز نہ پڑھنا ان کے ایمان کے منافی نہیں کیونکہ اس وقت تک نماز کے وجوب کا حکم نہیں آیا تھا. مذکورہ تین افراد نماز واجب نہیں پڑھتے تھے جو بقیہ تمام افراد کے لیے بھی ان کی اقتداء لازم قرار پائے. لیکن اس کے باوجود بھی یہ ان کے لیے فضیلت شمار ہوتا ہے کہ جب کوئی نماز پڑھنے والا نہیں تھا اس وقت بھی یہ تین افراد خدا کی نماز قائم کرنے والے تھے. روایت کے اگلا حصّہ جس میں جناب ابو طالبؑ نے امام علیؑ علیہ السلام کو رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے اور ان کی مدد و نصرت کرنے کی تشویق دلائی وہ خود اس بات کا ثبوت ہے کہ ابو طالبؑ آپ کی حقانیت پر دل و جان سے ایمان رکھتے تھے. وہ ان حالات میں وہی انجام دے رہے تھے جو حالات اور مصلحت کے مطابق اور مطلوبِ خدا اور سول ﷺ تھا.

۱

۳۔ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک محبوب ترین شخص

۞ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ

شب و روز میں رسول اللہ ﷺ نے دو وقت مجھ سے خاص کر رکھے تھے: ایک دن کے وقت اور دوسرا رات میں، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا اور ہم مختلف موضوعات پر ایک دوسرے سے گفتگو کیا کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے تمام اصحاب اس حقیقت سے واقف تھے کہ میرے علاوہ رسول اللہ ﷺ کسی اور سے اس طرح کی ملاقات نہیں فرماتے۔ یہ ملاقاتیں زیادہ تر میرے گھر پر ہوتیں اور حضور میرے گھر تشریف لاتے۔ اگر میں ان سے ملاقات کرنے کی غرض سے ان کی ازواج میں سے کسی کے گھر جاتا تو رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کو کمرے سے باہر بھیج دیتے اور میرے ساتھ تنہا بیٹھتے اس صورت کہ وہاں میرے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ہوتا تھا۔ لیکن جب بھی رسول اللہ ﷺ میرے گھر مجھ سے تنہائی میں بات کرنے کی خاطر تشریف لاتے تو فاطمہ علیہا السلام اور میرے بچوں کو میرے پاس سے نہیں اٹھاتے تھے۔

ان ملاقاتوں میں مَیں حضور سے جو کچھ بھی پوچھتا آپ اس کا کافی و شافی جواب دیتے۔ اور جب میں خاموش ہو جاتا اور میرے سوالات ختم ہو جاتے تو رسول اللہ ﷺ خود سے آغاز فرماتے۔ رسول اللہ ﷺ پر کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ انہوں نے اسے میرے سامنے تلاوت فرمایا اور اسے لکھوایا تاکہ میں اسے اپنے خط میں لکھ لوں۔ رسول اللہ ﷺ اس کی تفسیر و تاویل، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، خاص و عام کی مجھے تعلیم دیتے۔ آپ نے خدا سے دعا کی کہ وہ مجھے قدرت فہم اور ان کے حفظ کرنے کی طاقت سے نوازے۔ رسول اللہ ﷺ کی اس دعا کے بعد میں نہ تو قرآن کی کوئی آیت بھولا اور نہ ان مطالب میں سے کچھ فراموش کیا جو آپ نے مجھے لکھوائے تھے۔

تمام اوامر و نواہی، حلال و حرام الٰہی، چاہے وہ زمانِ حال سے مربوط ہوں یا مستقبل سے، نیز جو کچھ گذشتہ انبیا پر ان کی کتب میں نازل ہُوا اور اطاعت و معصیت کے حوالے سے انہیں خدا نے جس چیز کا علم دیا تھا، رسول اللہ ﷺ مجھے اُن سب کی تعلیم دیتے، اور میں بھی ان سب کو یاد کر لیتا یہاں

تک کہ میں نے ان میں سے ایک حرف بھی فراموش نہیں کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھا اور خدا سے دعا کی کہ میرے قلب کو علم و حکمت و فہم و نور سے لبریز فرما دے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! جب سے آپ نے میرے حق میں دعا کی ہے میں نے کوئی چیز فراموش نہیں کی یہاں تک کہ جو مطالب نہیں بھی لکھے وہ بھی نہیں بھولا! کیا آپ کو لگتا ہے کہ اس کے بعد میں یہ باتیں بھول جاؤں گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں مجھے تیرے بھول جانے کا کوئی خوف نہیں۔[1]

صبح سویرے کی ملاقاتیں

رسول اللہ ﷺ نے صبح سویرے میرے لیے کچھ وقت مقرر کر رکھا تھا جس میں مَیں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ میں آپ سے خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کرتا، اگر آپ نماز پڑھ رہے ہوتے تو تسبیح و ذکر الٰہی پڑھ کر اشارتاً داخل ہونے کی اجازت دیتے اور اگر نماز میں نہ ہوتے تو براہ راست اندر آنے کی اجازت مرحمت فرماتے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا سب سے قریبی فرد

مسلمانوں کے درمیان، رسول اللہ ﷺ کے سوا میرا کوئی مونس نہیں تھا۔ میرا تمام تر انس رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ جس قدر میں ان سے نزدیک تھا کسی دوسرے کے قریب نہ ہوا اور جس قدر مجھے ان پر اعتماد تھا کسی دوسرے پر نہ تھا۔ میں ان کا سب سے قریبی فرد تھا اور فقط وہی میری پناہ گاہ اور سہارا تھے۔[3]

رسول اللہ ﷺ کا پارۂ تن

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جتنا وقت گزارا، مَیں اس میں رسول اللہ ﷺ کا پارۂ تن اور ان کا جز شمار ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ سے اس قرابت اور نزدیکی کی وجہ سے لوگ مجھے اس طرح دیکھتے جیسے افق پر ستاروں کو دیکھتے ہیں![4]

---

[1] کافی: ج۱، ص ۶۴؛ کتاب سلیم بن قیس: ص ۶۳؛ المسترشد: ص ۳۱؛ الغیبۃ نعمانی: ص ۸۰.

[2] خصائص نسائی: ص ۱۱۰ و ۱۱۱؛ مناقب آلِ ابی طالبؑ: ج ۲، ص ۶۶؛ مسند احمد بن حنبل: ج ۱، ص ۷۷.

[3] الخصال: ج ۲، ص ۳۷۰؛ الاختصاص: ص ۱۶۹؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۴۴.

[4] شرح نہج البلاغہ: ج ۲۰، ص ۳۲۶؛ رقم ۷۳۳.

رسول اللہ ﷺ کا سب سے نزدیکی مصاحب

میری رسول اللہ ﷺ سے قربت اور نزدیکی ایسی تھی جیسے بازو کی شانے سے یا کہنی کی بازو سے یا کُہنی کی ہاتھ سے۔ ایامِ طفلی میں رسول اللہ ﷺ نے میری تربیت اور پرورش کی، جب میں بڑا ہوا، مجھے اپنا بھائی بنایا، تم اچھے سے جانتے ہو کہ میں ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خصوصی گفتگو کیا کرتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب اور خاندان کے درمیان فقط وفقط مجھے وصیت فرمائی۔

آج جو بات بیان کرنے جا رہا ہوں وہ اب تک کسی دوسرے سے بیان نہیں کی: ایک دن میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: میرے لیے دعا اور خُدا سے طلبِ مغفرت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: میں تیرے لیے دعا کروں گا۔ اس کے بعد اٹھے اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جب آپ نے بارگاہِ خدا میں دستِ دعا بلند کیے تو سنا آپ یوں دعا فرما رہے تھے: بار الہا! اپنے بندے علیؑ کے حق کا واسطہ، علیؑ کو اپنی مغفرت سے نواز!

میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ، آپ نے اس طرح دُعا کیوں فرمائی؟!

فرمایا: کیا خدا کے نزدیک تجھ سے زیادہ کوئی مقرب ہے جو دعا کی قبولیت کے لیے اسے شفیع قرار دوں؟![1]

رسول ﷺ کا گھر میرا گھر

ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت مین حاضر ہوا۔ آپ اپنے گھر کے ایک حُجرے میں موجود تھے۔ میں نے اندر داخل ہونے کی اجازت طلب کی، اجازت دیتے ہوئے فرمایا: یا علیؑ! کیا تم نہیں جانتے کہ میرا گھر تمہارا گھر ہے؟ پھر داخل ہونے کے لیے اجازت کیوں طلب کرتے ہو؟!

میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اجازت لے کر داخل ہونا اچھا لگتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے میری تائید کرتے ہوئے فرمایا: یا علیؑ! آپ کا یہ عمل خدا کی محبت کی وجہ اور آدابِ الہیٰ میں سے ایک ادب ہے۔ اس کے بعد فرمایا: یا علیؑ! تم میرے بھائی ہو، میرا خالق ورازق خدا نہیں چاہتا کہ میں تجھ سے کوئی راز پنہاں رکھوں! یا علیؑ تم میرے جانشین ہو، تم میرے بعد مظلوم واقع ہو گے اور بہت سے صدمے اٹھاؤ گے۔ جو کوئی بھی تمہارے تیرے ساتھ ثابت قدم رہے گا وہ ایسا ہے جیسے اس نے میری ہمراہی کی ہے اور جو تجھ سے دور ہو کر جُدا ہو جائے گا، درحقیقت مجھ سے جدا

---

[1] شرح نہج البلاغہ: ج ۲۰، ص ۳۱۵، رقم ۶۲۵؛ الحکم المنثورۃ: ص ۴۰.

۞ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں

رسول ﷺ کا ایک صحابی آپ کے لیے کیلوں کا ایک گُھچا بطور ہدیہ لایا۔ آپ نے ان میں سے ایک کیلا چھیلا اور مجھے کھلانے لگے۔ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی مجھ سے یہ محبت دیکھ رہا تھا، تعجب سے پوچھنے لگا: لگتا ہے آپ علیؑ سے بہت محبّت کرتے ہیں!

رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا: کیا تجھے اب تک معلوم نہ ہو سکا کہ علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں؟![2]

۞ رسول اللہ ﷺ کی مجھ سے محبت کی وجہ

مجھے رسول اللہ ﷺ کے یہاں ایک خاص مقام حاصل تھا، آپ مجھ سے محبت فرماتے اور اپنا نزدیکی اور قابل اعتماد شخص سمجھتے تھے، یہ سب کچھ میرے اور ان کے درمیان پائی جانے والی رشتے داری کی وجہ سے نہیں تھا؛ بلکہ اس تمام لطف و محبت کی وجہ فقط وفقط ایک طرف راہِ خدا میں جہاد اور کوشش کرنا اور دوسری جانب میری خیر خواہی اور دل سوزی تھی۔[3]

---

[1] امالی طوسی: مجلس ۱۶، ح ۱۳، ص ۴۵۲.

[2] المناقب: ج ۲، ص ۲۲۰؛ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۹۶.

[3] ابن ابی الحدید، الحکم المنثورۃ: ص ۳۱؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۲۰، ص ۲۹۹.

۴۔ مکّے کی کچھ یادیں

✽ رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ

میں رسول اللہ کے ساتھ تھا۔ قریش کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی۔ انہوں نے آپ سے کہا: اے محمد ﷺ آپ نے ایک بہت بڑا دعویٰ کیا ہے۔ ایسا دعویٰ نہ تو آپ کے باپ دادا نے کیا نہ آپ کے خاندان والوں میں سے کسی اور نے کیا۔ ہم آپ سے ایک امر کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر آپ نے اسے پورا کر دکھایا تو پھر ہم بھی یقین کرلیں گے کہ آپ نبی ورسول ہیں لیکن اگر نہ کرسکے تو ہم جان لیں گے کہ (معاذاللہ) آپ جادو گر اور جھوٹے ہیں۔

حضرت نے فرمایا: تمہارا مطالبہ کیا ہے؟

انہوں نے کہا: آپ ہمارے لیے اس درخت کو پکاریں اور یہ جڑ سمیت اکھڑے اور آپ کے سامنے آکر ٹھہر جائے۔

آپ نے فرمایا بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اگر اس نے تمہارے لیے ایسا کر دکھایا تو کیا تم ایمان لے آؤ گے۔ اور حق کی گواہی دو گے؟

انہوں نے کہا: ہاں!

آپ نے فرمایا: اچھا جو تم چاہتے ہو تمہیں دکھائے دیتا ہوں۔ البتہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم بھلائی کی طرف پلٹنے والے نہیں ہو۔ یقیناً تم میں سے کچھ لوگ تو وہ ہیں جنہیں چاہ (بدر) میں جھونک دیا جائے گا اور کچھ وہ ہیں جو (جنگ) احزاب میں جتھا بندی کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا: اے درخت اگر تو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو اپنی جڑ سمیت اُکھڑ آ یہاں تک کے تو بحکم خدا میرے سامنے آکر ٹھہر جائے۔

(رسول کا یہ فرمانا تھا کہ) اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا وہ درخت جڑ سمیت اکھڑ آیا اور اس طرح آیا کہ اس سے سخت کھڑکھڑاہٹ اور پرندوں کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ کی سی آواز آرہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ لچکتا جھومتا ہوا رسول اللہ کے روبرو آکر ٹھہر گیا اور بُلند شاخیں

ان پر اور کچھ شاخیں میرے کندھوں پر ڈال دیں۔ اُس وقت مَیں آپ کی دائیں جانب کھڑا تھا۔

جب قریش نے یہ دیکھا تو نخوت و غرور سے کہنے لگے: اسے کہیں کہ آدھا آپ کے پاس آئے اور آدھا اپنی جگہ پر رہے۔

چنانچہ آپ نے اسے حکم دیا تو اسکا ادھا حصّہ آپ کی طرف بڑھ آیا اِس طرح کہ اس کا آنا پہلے آنے سے زیادہ عجیب صورت سے زیادہ تیز آواز کے ساتھ تھا۔ اب کہ قریب تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے لپٹ جائے۔ انہوں نے کفر اور سرکشی سے کہا: اب اس آدھے کو حکم دیجیے کہ یہ اپنے دوسرے حصے کے پاس پلٹ جائے (اور ایسا ہو جائے) جیسا پہلے تھا۔ چنانچہ آپ نے حکم دیا اور وہ پلٹ گیا۔

میں نے (یہ دیکھ کر) کہا: لا الہ الا اللہ اے اللہ کے رسول میں آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں۔ سب سے پہلے اس کا اقرار کرنے والا ہوں کہ اس درخت نے بحکم خدا آپ کی نبوّت کی تصدیق اور آپ کے کلام کی عظمت و برتری دکھانے کے لیے جو کچھ کیا ہے وہ امر واقعی ہے۔ (کوئی آنکھ کا پھیر نہیں) یہ سن کر وہ ساری قوم کہنے لگی کہ یہ پرلے درجے کے جھوٹے اور جادوگر ہیں۔ ان کا سحر عجیب و غریب ہے اور یہ اس میں ہیں بھی چابکدست۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے: کیا آپ کی نبوّت پر علیؑ جیسوں کے علاوہ کوئی دوسرا اعتقاد رکھتا ہے؟[1]

۞ دعوتِ ذوالعشیرہ

جب آیہ اقربین: ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾[2] "اپنے قریبی رشتے داروں کو تنبیہ کرو" نازل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: یا علیؑ، خدا نے مجھے اپنے قریبی رشتے داروں کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم دیا ہے۔ یہ ایک بھاری اور دشوار ذمہ داری ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر انہیں دعوت دی تو یہ ناپسند روّیہ اپنائیں گے۔ اب تک میں سکوت اختیار کیے رہا کہ شاید کوئی راہِ حل نکل

---

[1] نہج البلاغہ: خطبہ ۱۹۲؛ اعلام الوریٰ: ص ۲۲؛ الطرائف: ج ۲، ص ۴۱۵۔

[2] شعراء: ۲۱۴۔

آئے لیکن جبرائیل نے نازل ہو کر کہا ہے: یا محمد، اگر آپ نے خدا کا کام انجام نہیں دیا تو وہ آپ سے اس بارے میں سوال کرے گا۔

اب تم اٹھو اور بھیڑ کے گوشت سے ہمارے لیے غذا اور کھانے کے بعد پینے کے لیے دودھ کا بندوبست کرو۔ بنی عبدالمطلب کو دعوت دو تاکہ ہم انہیں خدا کا پیغام پہنچا سکیں۔

میں نے کھانے کا بندوبست کیا اور تقریباً چالیس افراد کو دعوت دی۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کے چچا یعنی ابو طالب، حمزہ، عباس اور ابو لہب بھی موجود تھے۔ جب تمام مہمان آگئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کھانا لے آؤ۔ رسول اللہ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے گوشت کے ٹکڑے کر کر کے برتنوں میں رکھتے اور مہمانوں کو دیتے جاتے۔ تمام افراد نے اس غذا سے تناول کیا اور معجزانہ طور پر ایسے سیر ہوئے کہ کسی کو مزید کھانے کی حاجت نہیں رہی۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، جو غذا میں نے فراہم کی تھی عام حالات میں اس سے ایک شخص ہی سیر ہو سکتا تھا؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کی عنایت سے اس کھانے سے تمام مہمان سیر ہو گئے!

کھانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ دودھ سے مہمانوں کی پذیرائی کروں۔ میں دودھ کا برتن اٹھا لایا، سارے مہمانوں نے اس سے پیا اور سیراب ہو گئے! خدا کی قسم وہ دودھ بھی ان میں سے ایک شخص کی حاجت کے برابر تھا؛ لیکن اتنی مختصر سی مقدار بھی رسول اللہ ﷺ کی عنایت سے ان تمام افراد کو سیراب کرنے کو کافی ہو گئی!

مہمان نوازی کے بعد جیسے ہی رسول اللہ ﷺ کچھ کہنے کو کھڑے ہوئے، ابو لہب نے سبقت لیتے ہوئے کہا: تمہارے میزبان نے عجیب جادو چلایا ہے اور تمہیں فریفتہ کر لیا ہے!

ابو لہب کی بات سُنتے ہی مجلس درہم برہم ہو گئی، لوگ متفرق ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کچھ نہ کہہ سکے اور اپنے ہدف تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔

اگلے دن، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: یا علیؑ، کل کی دعوت میں وہ مرد سبقت لے گیا، تم نے اس کی تقریر سن ہی لی تھی، قبل اس کے کہ میں کچھ کہتا، لوگ تتر بتر ہو گئے۔ اب تم کل کی طرح پھر سے غذا کا بندوبست کرو اور انہیں دعوت دو تاکہ میں اپنی ذمہ داری نبھا سکوں۔

میں حکم بجا لایا اور ان سب کو دوبارہ دعوت دی۔ گزشتہ دن کی طرح رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ

کھانا تقسیم کیا، مہمانوں نے کھانا کھایا اور سیر ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا: مہمانوں کی دودھ سے پذیرائی کرو۔ میں نے ان سب کو دودھ پیش کیا۔ اس بار رسول اللہ ﷺ نے ابتداء سے ہی لجام کلام اپنے ہاتھ میں تھام لی اور ان افراد سے فرمایا:

«اے بنی عبد المطلب، خدا کی قسم عرب کے درمیان آج تک مجھ جیسا کوئی فرد نہیں آیا جو اس قدر اپنے لوگوں کا خیر خواہ ہو! میں تمہارے لیے بہترین اور سب سے زیادہ سعادت بخش پیغام لایا ہوں، ایسا پیغام جس میں تمہاری دنیا اور آخرت کی خوش بختی مضمر ہے۔ میرے خدا نے مجھے تمہیں حق کی دعوت دینے کا حکم دیا ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اس امر میں میرا یاور و مددگار بنے گا اور میں اسے اپنی برادری، وصایت اور جانشینی کے لیے منتخب کروں؟»

ان میں سے کسی نے بھی خوشی کا اظہار نہیں کیا، سب نے مثبت جواب دینے سے پرہیز کیا۔ میں اس وقت سب سے کم سن تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت قبول کرتے ہوئے ان کی مدد کرنے کے لیے اپنی آمادگی کا اعلان کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنا ہاتھ میرے شانوں پر رکھ کر فرمایا: «یہ میرا بھائی، وصی اور تم میں میرا جانشین ہے۔ اس کی بات سنو اور اس کے حکم کی اطاعت کرو۔»

سب افراد مذاق اڑاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالبؑ سے کہنے لگے: یہ تجھے حکم دے رہا ہے کہ اپنے بیٹے علیؑ کی اطاعت کر اور اس کی بات سن![1]

رسول اللہ ﷺ کی شعبِ ابی طالبؑ میں محافظت

[رسول اللہ ﷺ نے اپنی اور مسلمانوں کی جان کی حفاظت کی غرض سے شعبِ ابی طالب میں پناہ لی۔ میرے والد رسول اللہ ﷺ کی جان کی حفاظت کی خاطر ان کا بستر بدل دیا کرتے اور مجھ سے کہتے کہ ان کے بستر پر سو جاؤں تا کہ کوئی ان کے محلِ استراحت کی تبدیلی کی جانب متوجہ نہ ہو۔ ایک

---

1 تفسیر فرات کوفی: ص ۳۰۱ مسند احمد بن حنبل: ج ۱، ص ۱۱۱؛ تاریخ طبری ج ۲، ص ۶۲ علل الشرائع: ج ۱، ص ۱۷۰ الارشاد: ج ۱، ص ۴۹؛ شواہد التنزیل: رقم ۵۱۴ تاریخ دمشق: ج ۱، رقم ۱۳۳ تا ۱۳۸؛ الکامل: ج ۱، ص ۵۸۵؛ شرح نہج البلاغہ: ج ۱۳، ص ۲۱۰۔

رات میں نے اپنے والد سے کہا:]

بابا جان! آپ جو کرتے ہیں اس سے تو میں مارا جاؤں گا!

میرے والد ابو طالبؑ نے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

اے میرے بیٹے! صبر کر، کیونکہ صبر سب سے عاقلانہ کام ہے۔

ہر زندہ انسان موت کی جانب قدم بڑھا رہا ہے۔

ایک بڑے امتحان کے عنوان سے ہم نے تجھے قربان گاہ میں بھیجا ہے

تا کہ نجیب اور نجیب زادہ پر فدا ہو۔

تو اس پر قربان ہو گا جو روشن ماضی، شرافت، کرامت اور بخشندگی کا حامل ہے۔

اگر ہر سمت سے موت کے تیر تیری جانب اُڑتے ہوئے آتے ہیں،

تو ان میں سے کچھ ہدف پر لگیں گے اور کچھ خطا ہو جائیں گے۔

ہر زندہ شخص بالاخر اپنے نصیب کا تیر مرگ کھائے گا،

ہر چند اس کی عمر دراز ہی کیوں نہ ہو جائے۔

میں نے والد کے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

کیا آپ مجھے احمدؐ کی نصرت میں صبور اور بُردبار بننے کا حکم دے رہے ہیں؟

خدا کی قسم! میرا کہنا موت کے ڈر یا پریشانی کی وجہ سے نہیں تھا۔

اس بات سے میرا مقصود آپ کو مطلع کرنا تھا کہ میں آگاہانہ طور پر بستر خطر پر سوتا ہوں

اور اس لیے کہ آپ جان جائیں میں ہمیشہ آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کے لیے حاضر ہوں۔

بچپنا ہو یا بڑھاپا، میں راہِ خدا میں، پیغمبر ہدایت اور اس شائستہ انسان کی مدد و نصرت کے لیے ہمیشہ جان بر کف رہا ہوں اور آئندہ بھی رہوں گا۔

[اس گفتگو کے بعد میں نے کچھ اور اشعار بھی کہے:]

میں اپنی جان اس پر فدا کروں گا جو زمین مکہ پر قدم رکھنے والا بہترین شخص ہے۔

وہ کعبہ اور حجر الاسود کا طواف کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

وہ حق و حقیقت کا پیام آور ہے جس کے قتل کی لوگ سازشیں رچائے بیٹھے ہیں۔

لیکن خدائے قدیر و کریم ان کے ارادوں کو نقش بر آب ثابت کر کے اسے محفوظ رکھے گا۔

جن حالات میں انہوں نے ہمارا محاصرہ کیا، میں رسول اللہ ﷺ کے بستر پر ان کی جگہ لیٹ جاتا ہوں۔ میں نے خود کو قتل ہونے یا قیدی بننے کے لیے تیار کر لیا ہے تا کہ رسول اللہ ﷺ سہولت کے ساتھ شعبِ ابی طالب میں آرام فرمائیں۔[1]

[1] الفصول المختارة: ص۵۹.

فصل دوم:
مدنی زندگی

۱۔ ہجرتِ مدینہ۔
۲۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پیمان اخوت۔
۳۔ بنتِ رسول ﷺ سے شادی۔
۴۔ رسول اللہ ﷺ کی رکاب میں جہاد۔
۵۔ جنگِ بدر؛ دشمنانِ اسلام کے ساتھ پہلا معرکہ۔
۶۔ جنگِ احد کی یادیں۔
۷۔ جنگِ خندق میں دلیرانہ شمولیت۔
۸۔ فتح خیبر؛ افسانۂ یہود کا اختتام۔
۹۔ مکے میں سورۂ برائت کی تلاوت۔
۱۰۔ غدیرِ خُم میں رسول اللہ ﷺ کا جانشین منتخب ہونا۔
۱۱۔ مدینے کی کچھ یادیں۔
۱۲۔ رسول اللہ ﷺ کی پریشانی۔
۱۳۔ رسول اللہ ﷺ کا دنیا سے وداع۔

۱۔ ہجرت مدینہ

۞ شبِ ہجرت

قریش نے رسول اللہ ﷺ کو نابود کرنے کے لیے بہت سے لائحہ عمل ترتیب دے رکھے تھے۔ وہ کچھ بھی کرنے کو تیار تھے۔ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کے قتل کی فکر میں رہتے۔ انہیں جو راہ بھی سوجھتی اس پر عمل کر گزرتے تھے۔ [لیکن انہیں کہیں بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی]۔ ایک دن یہ دار الندوۃ» میں مشاورت کی غرض سے جمع ہوئے۔ اس شیطانی محفل میں ابلیس بھی موجود تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو ختم کرنے کے لیے ہر ممکنہ راہ پر غور کیا۔ مجوّزہ راہوں پر تمام جوانب سے سوچا۔ ان کے نتائج پر گفتگو کی اور پھر سب اس نتیجے پر پہنچے کہ: قریش کا ہر قبیلہ ایک جنگجو شخص کو پیش کرے تاکہ یہ جنگجو مرد یک دست ایک دوسری کی مدد کرتے ہوئے اپنی تلواریں لے کر رسول اللہ ﷺ پر ٹوٹ پڑیں اور ایک جنگجو کی طرح رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کر دیں۔ یوں آپؐ کے قتل کے بعد ہر قبیلہ اپنے جنگجو کی حمایت کی خاطر اُٹھ کھڑا ہوگا اور اس کے قصاص کی راہ میں حائل ہو جائے گا۔ اور بالآخر رسول اللہ ﷺ کا خون بے قصاص رہ جائے گا! (اور کوئی اس کا بدلہ نہ لے سکے گا)۔

ایک طرف حالات یہ تھے، دوسری جانب جبرائیل رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئے اور انہیں قریشی سرداروں کی محفل اور اس میں لیے جانے والے فیصلے سے آگاہ کیا۔ جبرائیل نے قریش کی جانب سے آپؐ پر حملہ کرنے کے لیے معیّن شب نیز آپؐ کے بستر استراحت پر سو جانے کے بعد کے وقت کی بھی خبر دی۔ ساتھ ہی انہوں نے خدا کی جانب سے یہ حکم بھی پہنچایا کہ مکّے سے نکلیں اور غارِ (ثور) کی جانب پیش قدمی فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے مجھے قریش کی سازش سے آگاہ کیا۔ آپؐ نے مجھ سے مقررہ شب میں اپنے بستر پر سونے اور اپنی جان کو آپؐ کی محافظت کے لیے سپر بنانے کا تقاضا کیا۔ [تاکہ رسول اللہ ﷺ کے مکّے سے نکل کر غار کی جانب جانے کی قریش کو اطلاع نہ ہو]۔

میں بغیر کسی تامّل کے، اشتیاق کے ساتھ ان کا کہا مانتے ہوئے اس خطرے کے استقبال کو تیار ہو

گیا۔ مجھے خوشی تھی کہ اپنی جان رسول اللہ ﷺ پر قربان کرنے اور ان کی جگہ قتل ہونے کا موقع مل رہا ہے۔

رسول اللہ ﷺ مکّے سے باہر نکل گئے۔ میں ان کے بستر پر لیٹ گیا۔ قریش کے جنگجو اطمینانِ خاطر کے ساتھ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے پہنچے اور گھر میں داخل ہو گئے؛ لیکن رسول اللہ ﷺ کی جگہ ان کا سامنا مُجھ سے ہُوا۔ میں نے بغیر وقت ضائع کیے تلوار سونت کر اپنا دفاع کیا، ایسا دفاع جس کی خدا اور لوگوں کو خبر ہے۔[1]

۞ قتل ہونے یا قیدی بننے کے لیے تیار

[جس شب مَیں رسول اللہ ﷺ کے بستر پر لیٹا تا کہ آپؐ (بے خطر) مکّے سے باہر نکل جائیں، میں نے اس تاریخی شب کے بارے میں کچھ اشعار کہے تھے:]

میں نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اس کی جان کی حفاظت کی ہے جس سے بہتر شخص نے زمین پر قدم نہیں رکھا؛ وہ جو بیتِ عتیق اور حجرِ الاسود کے طواف کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ قریش کی سازشوں سے پریشان تھے؛ میرے خدائے عظیم نے انہیں قریش کے مکر و فریب سے محفوظ رکھا۔

میں نے رات بستر رسول ﷺ پر گزاری اور صبح تک حملے کے انتظار میں رہا، میں نے خود کو قتل ہونے یا قیدی بننے کے لیے تیار کر رکھا تھا۔

رسول اللہ ﷺ شہر سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے، آپ نے رات غار میں پناہِ الٰہی میں امنیّت کے ساتھ گزاری۔

رسول اللہ ﷺ نے اس غار میں تین دن قیام فرمایا، اس کے بعد اونٹوں کی مہاریں پکڑ کر تیزی سے اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔[2]

---

[1] الخصال ج ۲، ص ۳۶۶؛ الاختصاص ص ۱۶۵ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۴۵.

[2] امالی طوسی مجلس ۱۶، ح ۳۷، ص ۴۶۹؛ المستدرک: ج ۳، ص ۴؛ شواہد التنزیل: ج ۱، ص ۱۰۲؛ مناقبِ آلِ ابی طالبؑ: ج ۱، ص ۳۳۵؛ تذکرۃ الخواص: ص ۳۵؛ فرائد السمطین: ج ۱، ص ۳۳۰؛ الفصول المہمۃ: ص ۳۱.

مکّے میں امانتیں لوٹانے کے لیے تین دن قیام

رسول اللہ ﷺ کے مکّے سے مدینے کی جانب ہجرت کرنے کے بعد مجھے چند دن مکّے میں رہنے کا حکم تھا تاکہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لوگوں کی رکھی ہوئی امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹادوں۔ یہ جاننا بھی تمہارے لیے اچھاہے کہ مکّے کے لوگ آپؐ کو امین کہتے تھے۔ انہیں آپؐ پر اطمینان تھا اس وجہ سے اپنی امانتیں آپؐ کے پاس رکھوایا کرتے تھے۔

تین دن تک مکّے میں اس ذمہ داری کو انجام دیتا رہا۔ امانتیں ان کے مالکوں کو لوٹانے کے بعد مَیں بھی مکّے سے نکل آیا اور جس راستے سے رسول اللہ ﷺ گئے تھے اسی پر چلتے ہوئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔[1]

رسول اللہ ﷺ سے ملاقات

قبا کے علاقے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کے ساتھ کچھ دیگر اصحاب بھی موجود تھے۔ جب رسول ﷺ نے مجھے دیکھا، آپؐ کا چہرہ شاد ہو گیا، ایسے مسکرائے کہ دانتوں کی سفیدی ظاہر ہو گئی۔ مجھ سے فرمایا: اے علیؑ، میرے نزدیک آؤ!

میں نزدیک گیا۔ مجھے اپنے ساتھ اس طرح بٹھایا کہ میرا پیر آپ کے پیر سے ملا ہوا تھا۔ اس کے بعد اصحاب کی جانب رخ کر کے فرمایا: اے میرے صحابیوں! میرے بھائی علیؑ کے آنے سے رحمت نے تمہارا رخ کیا ہے! اے میرے صاحبو! علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں! اس کی روح میری روح سے اور اس کی سرشت میری سرشت سے ہے! جب تک میں زندہ ہوں اور میرے گزر جانے کے بعد بھی وہ میرا وصی اور میری امت کے درمیان میرا جانشین ہے۔ جس نے اس کی اطاعت کی در حقیقت اس نے میری اطاعت کی، جس نے اس کی ہمراہی کی اس نے میری ہمراہی کی اور جس نے اس کی مخالفت کی اس نے میری مخالفت کی![2]

---

[1] تاریخ دمشق: ج۱، رقم ۱۹۰ الطبقات الکبریٰ ج۳، ص۱۵؛ انساب الاشراف: ج۱، ص ۲۶۲.

[2] امالی صدوق: مجلس ۹، ح ۱۰، ص ۳۵؛ روضۃ الواعظین: ج۱، ص ۱۰۱.

۲۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پیمانِ اخوت

❁ رسول اللہ ﷺ کا بھائی

[مدینے میں رسول ﷺ نے جو اہم کام انجام دیے ان میں سے ایک مسلمانوں کے درمیان رشتۂ اخوّت قائم کرنا تھا۔ یہ عمل مسلمانوں کے درمیان وحدت، آشتی اور قرب ایجاد کرنے میں بڑا موثر ثابت ہوا۔]

جب رسول اللہ ﷺ اپنے اصحاب کے درمیان رشتۂ اخوّت قائم کر چکے، میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! آپ نے اپنے تمام اصحاب کے درمیان رشتۂ اخوّت قائم کیا لیکن مجھے تنہا چھوڑ دیا اور کسی کو میرے بھائی کے طور پر منتخب نہیں فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: میں نے تجھے اپنے بھائی کے طور پر منتخب کیا ہے۔ تو دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے۔ میرے نزدیک تیری وہی منزلت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ کے یہاں حاصل تھی۔

میں اپنی جگہ سے اٹھا، شدّتِ مسرت سے میری آنکھوں میں اشکِ شوق موج مار رہے تھے، اس وقت میں نے یہ اشعار کہے:

میری جان آپ پر فدا یا مصطفیٰ! کیونکہ خدا نے ہمیں آپ کے ذریعے سے ہدایت فرمائی اور ظلمتِ جہل سے نجات دی۔

میرا تمام وجود آپ پر فدا ہو! کیونکہ آپ میرے لیے اصل بھی ہیں اور فرع بھی، میری جان آپ پر قربان ہونے کے قابل کہاں۔

میری جان اس شخص پر فدا جس کے جد میرے جد، جس کے چچا میرے والد، جس کی دختر میری زوجہ اور جس کا خاندان میرے بیٹے ہیں۔

میری جان اس پر فدا جس نے مجھے بچپنے میں اپنے دامن میں پروان چڑھایا اور اچھائیوں، نعمتوں

اور اپنے لطف سے میری پرورش کی۔

میری جان اس پر فدا جس نے اپنے اصحاب کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کرتے ہوئے مجھے اپنے بھائی کے طور پر چُنا اور یوں میری فضیلت کو آشکار کیا۔

اے وہ رسول جو خاتم الرسل ہے! آپ کا وجود سراسر خیر ہے، میں جب تک زندہ رہوں گا اس احسان کا شکر گزار رہوں گا جو آپ نے میرے حق میں فرمایا ہے۔[1]

❁ تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو!

مجھے رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہونے والے دس ایسے افتخارات یاد ہیں جن میں سے ہر ایک مجھے ہر اس چیز سے زیادہ محبوب ہیں جس پر سورج اپنی روشنی ڈالتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

۱۔ یا علیؑ! تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔

۲۔ روزِ قیامت خدائے جبار کے سامنے تم خلائق میں مجھ سے نزدیک ترین شخص ہوگے۔

۳۔ بہشت میں تمہارا گھر میرے گھر کے سامنے ہے جیسا کہ محبّینِ خدا کے گھر ایک دوسرے کے آمنے سامنے ہیں۔

۴۔ تم میرے وارث ہو۔

۵۔ میرے بعد تم میرے وعدے نبھانے اور کام انجام دینے میں میرے وصی ہو۔

۶۔ میری غیر موجودگی میں تم میرے خانوادے کے محافظ اور سرپرست ہو۔

۷۔ تم میری اُمّت کے امام اور پیشوا ہو۔

۸۔ تم میری امت میں عدالت قائم کرنے والے ہو۔

۹۔ تم میرے محبوب ہو اور میرا محبوب اللہ کا محبوب ہے۔

۱۰۔ تیرا دشمن میرا دشمن ہے اور میرا دشمن خدا کا دشمن ہے۔[2]

---

[1] کنز الفوائد ج ۲، ص ۱۸۰؛ مناقبِ آلِ ابی طالب ج ۲، ص ۳۳؛ الطرائف: ص ۶۴؛ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۳۲۸؛ الفصول المہمۃ: ص ۲۱.

[2] امالی مفید: مجلس ۲۲، ح ۴، ص ۱۷۴؛ الخصال: ج ۲، ص ۴۲۹؛ امالی طوسی: ص ۱۹۴؛ بشارۃ المصطفیٰ: ص ۲۱۶.

۳۔ بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شادی

۞ دخترِ رسول کا ہاتھ مانگا

[فاطمۃ الزہراؑ کا ہاتھ مانگنے کی غرض سے]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے کشادہ رُوئی سے میرا استقبال کیا اور مسکراتے چہرے کے ساتھ فرمایا: کیا مجھ سے کوئی کام ہے؟

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی قربت کے بارے میں بات کی نیز اسلام میں پیش قدمی کی توفیق اور جہاد وراہِ خدا میں نصیب ہونے والی فداکاریوں کا تذکرہ کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا علیؑ، میں ان سب باتوں کا معترف ہوں۔ میری نگاہ میں تُو ان باتوں سے برتر ہے! عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اب جب کہ آپ میرے حال پر اس قدر لطف فرماتے ہیں، تو کیا اجازت ہے کہ میں آپ کی بیٹی فاطمہؑ کا رشتہ مانگوں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا علیؑ، آپ سے قبل بھی بعض دوسرے افراد نے فاطمہؑ کا ہاتھ مانگا تھا؛ لیکن جب بھی میں نے فاطمہؑ سے اس بارے میں گفتگو کی اور اس کے سامنے رشتہ مانگنے والوں کا تذکرہ کیا، اس کے چہرے پر نارضایتی کی علامت دیکھی۔ اب جب کہ آپ نے رشتہ مانگا ہے تو انتظار کیجیے، میں اپنی بیٹی کے پاس جاکر آپ کے تقاضے کا اس کے سامنے تذکرہ کرتا ہوں۔ واپس آکر آپ کو نتیجے کی اطلاع دوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بیٹی فاطمہؑ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ اپنے والد کے احترام میں اٹھ کھڑی ہوئیں، والد کے کندھوں سے عبا اور آپؐ کے پیروں سے جوتے اتارے۔ پھر پانی لائیں تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے وضو کریں۔ اس کے بعد انہوں نے والد کے پیر دھوئے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیٹی فاطمہؑ!

فاطمہؑ نے عرض کی: میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوں یا رسول اللہ! حکم فرمائیے!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم علیؑ بن ابی طالبؑ کو اچھی طرح جانتی ہو، اس کے قرب اور منزلت سے بھی واقف ہو، دوسروں پر اس کی فضیلت سے بھی آگاہ ہو نیز اسلام میں اس کے سوابق کی بھی خبر رکھتی ہو۔ دوسری جانب یہ بھی جانتی ہو کہ میں نے خدا سے درخواست کی تھی تیری شادی خدا کے بہترین اور محبوب ترین شخص سے کروں۔ ابھی ابھی علیؑ میرے پاس تیرا ہاتھ مانگنے آئے تھے۔ میں اس رشتے کے بارے میں تیری نظر جاننا چاہتا ہوں؟

فاطمہؑ اپنے والد کی گفتگو سن کر خاموش ہو گئیں۔ لیکن گزشتہ رشتوں کی طرح اس بار ان کے چہرے سے نارضایتی کے آثار ظاہر نہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ سے اٹھے اور خوشی کے عالم میں فرمایا: اللہ اکبر! فاطمہؑ کا سکوت اس کی رضامندی کی نشانی ہے۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ پر جبرائیل نازل ہوئے اور کہا: یا محمد ﷺ! فاطمہؑ کے لیے علیؑ کا انتخاب کیجیے کیونکہ خدا نے فاطمہؑ کو علیؑ اور علیؑ کو فاطمہؑ کے لیے پسند فرمایا ہے۔

یوں رسول اللہ ﷺ نے میرے رشتہ طلب کرنے کا مثبت جواب دیا اور مجھے فاطمہ کی ہمسری کا افتخار نصیب ہوا۔[1]

❁ خطبۂ عقد

[نکاح کی تقریب رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کی موجودگی میں مسجد میں منعقد ہوئی۔ میں نے اس تقریب میں اس طرح خطبۂ عقد پڑھا:]

حمد اس خدا سے مخصوص ہے جس نے اپنے علم تک دسترس کی چابیاں متکلمین پر الہام (کے ذریعے نازل فرمائی) ہیں۔ اس نے اہل تقویٰ کے قلوب کو اپنے نورِ عظمت سے روشن کیا، اپنے احکام بیان کر کے درست راہوں کو نادرست راستوں سے جدا کیا، میرے ابنِ عم محمدِ مصطفیٰ ﷺ کے ہاتھ سے عالمین پر راہِ حق واضح کی، ان کی دعوت کو تمام ملحدوں کے دعوں پر برتری بخشی، ان کے کلام کو سارے بیان شدہ گمراہ کلاموں پر غلبہ عطا کیا نیز انہیں خاتم الانبیا اور سید المرسلین کے طور پر متعارف

---

[1] امالی طوسی: مجلس ۲، ص ۳۹، ح ۱۳؛ بشارۃ المصطفیٰ: ص ۲۶۲؛ مناقبِ آلِ ابی طالب: ج ۳، ص ۳۵۰.

کروایا! رسول اللہ ﷺ نے بھی پیغامِ الٰہی کی تبلیغ فرمائی، خدا کا امر قائم کرنے میں کسی کوشش سے دریغ نہیں کیا اور آیاتِ خدا کو لوگوں تک پہنچایا!

حمد اس خدا کے لیے جس نے بندوں کو اپنی قدرت سے خلق کیا، انہیں اپنے دین کے سائے میں عزت بخشی، اپنے پیغمبر محمد ﷺ کے ذریعے سے انہیں کرامت سے نوازا اور ان پر اپنی رحمت نازل کی۔ حمد ہے اس خدا کے لیے جو فروان نعمتوں اور بیکراں الطاف کا مالک ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُمید ہے کہ یہ شہادت بارگاہِ خدا میں قابلِ قبول قرار پائے اور اس کی رضامندی کا موجب بنے گی۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ اپنی صلوات رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمائے جو ان ﷺ پر اس کی برکات کے نزول اور ان کی خوشی و مسرت کا موجب ہے۔

شادی ان امور میں سے ہے جس کی خدا نے اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ بلکہ اس نے اس کا حکم دیا ہے۔ اس وقت ازدواج کے سلسلے میں جو محفل برپا ہے یہ اس کے امر کی اطاعت نیز اس کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے تشکیل پائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ محمد بن عبد اللہ نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کی مجھ سے شادی پر رضامندی کا اظہار فرمایا ہے۔ میں ان کا مہر چار سو درہم اور دینار قرار دیتا ہوں اور اس بات پر راضی و خوشنود ہوں۔ آپ (حاضرین) بھی رسول اللہ ﷺ سے سوال کیجیے اور اس امر کی گواہی دیجیے۔

[حاضرین نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: یارسول اللہ ﷺ! کیا آپ اپنی بیٹی فاطمہ کی شادی علیؑ سے کررہے ہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے میری بات کی تائید کی۔ مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کو مبارکباد پیش کی اور خدا سے اس شادی کے بابرکت ہونے کی دعا کی]۔[1]

ایک ماہ کا انتظار

[عقد ہونے کے بعد]

ایک ماہ گزر گیا۔ میں ہر روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا، نمازِ جماعت آپ ہی کے

---

[1] دلائل الامامۃ: ص ۹۰؛ البدایۃ والنہایۃ: ج ۷، ص ۳۴۲؛ مناقبِ آلِ ابی طالب: ج ۳، ص ۳۵۱.

ساتھ پڑھتا لیکن فاطمہؑ کے بارے میں کوئی بات نہ کرتا۔ ایک دن ازواجِ رسول ﷺ نے مجھ سے کہا: کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے فاطمہؑ کی رخصتی کے بارے میں بات کریں تاکہ آپ ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کا آغاز کریں؟ میرا جواب مثبت تھا۔

وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئیں۔ ام ایمن نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! اگر خدیجہؑ زندہ ہوتیں تو ان کی آنکھیں فاطمہؑ کی شادی سے روشن ہو جاتیں۔ علیؑ فاطمہ کو اپنے گھر لے جا کر اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔ آپ بھی فاطمہؑ کی آنکھوں کو ان کے ہمسر علیؑ کے دیدار سے روشن فرمائیے۔ ان دونوں جوان میاں بیوی کے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ میں تھما دیجیے اور یوں ان کی اور ہماری خوشی کا سامان فراہم کیجیے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اُمید تھی کہ علیؑ خود آکر مجھ سے کہیں گے۔ لیکن اب تک انہوں نے مجھ سے اپنی زوجہ کی رخصتی کا تقاضا نہیں کیا۔

میں نے آپؐ کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! حیا مانع رہی، اور شرم دامن گیر!

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے خواتین سے فرمایا تم میں سے کون شادی کے مقدمات فراہم کرنے کو تیار ہے؟

اُمِّ سلمہؓ نے کہا: میں آپ کی خدمت کے لیے حاضر ہوں۔

انہوں نے زینب اور دو دیگر خواتین کے نام بھی لیے جو اس وقت وہاں موجود تھیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری بیٹی فاطمہؑ اور میرے ابنِ عم علیؑ کے لیے کمرہ تیار کرو۔

اُمِّ سلمہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کی نظر میں کون سا کمرہ بہتر ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کام کے لیے آپ اپنا کمرہ تیار کیجیے۔

اس کے بعد خواتین کو حکم دیا کہ فاطمہؑ کو تیار کریں اور رخصتی کے مقدمات فراہم کریں۔[1]

جہیز اور گھریلو سامان کی خریداری

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: علیؑ تم بھی اٹھو اور اپنی زرہ فروخت کر دو۔

---

[1] امالی طوسی: مجلس ۲، ح ۱۳، ص ۴۱؛ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۳۶۰.

میں نے اپنی زرہ بیچی اور اس کی رقم لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے رکھ دی۔ آپؐ نے مجھ سے رقم کی مقدار کے بارے میں سوال نہیں کیا اور نہ میں نے بتایا۔ آپؐ نے بلال کو آواز دی اور کچھ رقم انہیں دے کر کہا: فاطمہؑ کے لیے عطر خرید لاؤ۔

اس کے بعد ابو بکر کو آواز دی اور کچھ رقم دے کر فرمایا: فاطمہؑ کے لیے مناسب لباس اور گھریلو ساز و سامان فراہم کرو۔

آپ نے ابو بکر کے ساتھ عمار یاسر اور کچھ دوسرے اصحاب کو بھی بازار کی جانب روانہ کیا تاکہ وہ اشیا خریدنے میں اس کی مدد کریں۔ انہیں جو چیز بھی پسند آتی، پہلے ابو بکر کو دکھاتے، اگر اسے بھی وہ چیز پسند آتی تو خرید لیتے۔

جو کچھ انہوں نے خریدا اُس کی فہرست یہ ہے:

۱۔ ایک لباس، سات درہم؛

۲۔ ایک مقنعہ، چار درہم؛

۳۔ ایک اوپر سے اوڑھنے والا لحاف جو خیبر کے پارچے سے بنا ہوا تھا؛

۴۔ ایک بستر جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے؛

۵۔ دو گدے جن پر مصری سوتی کپڑے کے استر چڑھے ہوئے تھے، ان میں سے ایک میں کھجور کے پتے اور دوسرے میں بھیڑ کا اون بھرا ہوا تھا؛

۶۔ چار تکیے جو طائف کے پارچے سے بنے ہوئے تھے اور ان کے اندر اذخر» نامی نرم اور خوشبودار جڑی بوٹی بھری ہوئی تھی؛

۷۔ ایک اونی پردہ؛

۸۔ ایک یمنی بوریا؛

۹۔ ایک دستی چکی؛

۱۰۔ ایک پیتل کا تشت؛

۱۱۔ ایک چمڑے کی مشک؛

۱۲۔ ایک دودھ کا برتن جو تراشی ہوئی لکڑی سے بنایا گیا تھا؛

۱۳۔ پانی پینے کا ایک کوزہ؛

۱۴۔ ایک آفتابہ؛

۱۵۔ ایک بڑا سبز رنگ کا پیالہ؛

۱۶۔ دو چھوٹے مٹی کے کوزے۔

وسائل کی خریداری تمام ہوئی تو ان میں سے کچھ ابو بکر اور باقی بقیہ اصحاب اپنے کندھوں پر اٹھائے رسول اللہ ﷺ کے گھر پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ ان لوازمِ خانگی کو دیکھتے اور ادھر ادھر کرتے ہوئے فرماتے: خدایا! انہیں میرے اہل بیتؑ کے لیے مُبارک قرار دے![1]

۞ ولیمۂ ازدواج

رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: یا علیؑ، اپنی رخصتی کی تقریب کے لیے کھانا فراہم کرو۔ گوشت اور نان کا بندوبست ہم کریں گے۔ کھجور اور تیل کا بندوبست تم کرو۔

میں نے کھجور اور تیل لا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیے۔ آپؐ نے اپنی آستینیں چڑھائیں، کھجوروں کو صاف کیا، تیل میں ڈالا اور حیس نامی غذا تیار کی۔ اس کے بعد ہمارے لیے ایک بڑی بھیڑ بھیجی۔ ہم نے اسے ذبح کرنے کے بعد دعوت کے لیے تیار کیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ وافر مقدار میں رسمِ رخصتی کے لیے نان لگائے جائیں۔

ان مقدّمات کے انجام پانے کے بعد مجھ سے فرمایا: تم جسے چاہو اپنی تقریبِ رخصتی میں شرکت کی غرض سے بلا بھیجو۔

میں مسجد میں داخل ہوا، وہ کھچا کچھ بھری ہوئی تھی۔ ان میں سے کچھ افراد کو دعوتِ ولیمہ پر مدعو کر کے بقیہ کو چھوڑ دینے سے مجھے شرم دامن گیر ہوئی۔ میں ایک بلند مقام پر کھڑا ہو گیا اور سب کو مخاطب کر کے کہا: میں آپ سب کو بنت رسول ﷺ کی تقریبِ رخصتی میں مدعو کرتا ہوں۔

لوگ گروہوں کی صورت میں مقامِ معیّن کی جانب بڑھے۔ مجھے افراد کی کثرت کی وجہ سے کھانے کے کم پڑ جانے کا دھڑکا تھا۔ کوئی بھوکا رہ جائے یہ سوچ سے بھی شرم آتی تھی۔ رسول

---

[1] امالی طوسی: مجلس ۲، ح ۱۳، ص ۴۰.

حضرت ﷺ میری پریشانی بھانپ گئے۔ فرمایا: یا علیؑ، پریشان نہ ہو، میں خدا سے اس کھانے میں برکت کی دعا کروں گا۔

تمام مہمانوں نے کھانا کھایا اور دستر خوان پر موجود مشروب بھی نوش کیا۔ وہ مجھے دعائیں دیتے ہوئے رُخصت ہوئے؛ لیکن اب بھی کچھ کھانا باقی تھا! رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ برتن لائے جائیں، آپ نے خواتین کے لیے بھی کھانا بھجوا دیا۔ آپؐ نے ایک برتن میں کھانا ڈال کر فرمایا: یہ علیؑ اور فاطمہؑ کے لیے ہے۔[1]

❁ شبِ رُخصتی

[جب غروبِ آفتاب کا وقت قریب آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے امّ سلمہ سے کہا: فاطمہؑ کو میرے پاس لاؤ۔

اُمّ ِسلمہؓ فاطمہؑ کے پاس گئیں اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئیں۔ شرم وحیا کا ہالہ فاطمہؑ کے چہرے کو گھیرے ہوئے تھا۔ ان کے رخساروں پر موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے جاری تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے رُوبرُو ہوئیں، اُنؑ کے مہربان والد کے ہاتھوں نے اُنؑ کے رُخسار سے حجاب اٹھایا۔ میں نے فاطمہؑ کے چہرے کا دیدار کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اُنؑ کا ہاتھ میرے ہاتھ میں تھما کر کہا: یا علیؑ، خدا تیری بنتِ رسول ﷺ سے شادی مبارک کرے کیونکہ یہ تیرے لیے بہت اچھی زوجہ ہے۔ اے فاطمہ ! علیؑ بھی تیرا شوہر ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں۔ اپنے گھر جاؤ اور میرے منتظر رہنا۔ میں (کچھ دیر تک) تمہارے پاس آتا ہوں۔]

میں نے فاطمہؑ کا ہاتھ پکڑا اور ہم اس گھر کی جانب چل دیے جسے ہمارے لیے تیار کیا گیا تھا۔ کمرے میں داخل ہوئے۔ فاطمہؑ ایک گوشے میں بیٹھ گئیں۔ میں بھی اُنؑ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ہم دونوں شرم و حیا کی وجہ سے زمین کو تک رہے تھے۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور فرمایا: کمرے میں کون ہے؟ ہم نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! آپ اندر آجایئے۔ ہم اپنے گھر میں آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ ہمارے گھر میں داخل ہونے والے بہترین مہمان ہیں۔

---

[1] امالی طوسی: مجلس ۲، ح ۱۳، ص ۴۱؛ مناقب آلِ ابی طالب: ج ۳، ص ۳۵۳۔

[رسول اللہ ﷺ حجرے میں داخل ہوئے۔ اپنی ایک طرف فاطمہؑ کو اور دوسری جانب مجھے بٹھایا۔ کچھ دیر بعد فاطمہؑ سے فرمایا: بیٹی فاطمہؑ اٹھو، تھوڑا سا پانی لا کر دو۔

فاطمہؑ اٹھیں۔ کمرے میں موجود کوزے میں پانی بھرا اور اپنے والد کے ہاتھ میں دے دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے متبرک فرمایا۔ اس کے بعد اس میں سے تھوڑا سا پانی فاطمہ کے سر پر چھڑکا اور فرمایا: گھوموں۔ فاطمہؑ اپنے والد کے سامنے کھڑی ہو گئیں۔ پیغمبر ﷺ نے ایک چلو پانی بھر کر ان کے سینے پر چھڑک کر دوبارہ فرمایا: پلٹ جاؤ۔ جب فاطمہؑ گھومیں تو ایک اور پانی کا چلو ان کے شانوں کے درمیان چھڑکا اور یوں دعا فرمائی: بار الہا! لوگوں میں فاطمہؑ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے نیز علیؑ بھی میرا بھائی اور لوگوں میں میرا محبوب ترین شخص ہے۔ خدایا! تو بہترین سرپرست ہے اور ان کے لیے مہربان اور دلسوز ترین ہستی ہے۔ اس شادی کو مبارک فرما۔

اس کے بعد فرمایا: یا علیؑ، میں نے فاطمہؑ کو تمہارے سپرد کیا۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ تمہیں رحمت سے نوازے، اور وہ حمید و مجید ہے۔][1]

❁ اُلفت اور محبت سے مملوٗ زندگی

خدا کی قسم، فاطمہ کی شہادت تک میں نے جتنی بھی زندگی گزاری کبھی انہیں ناراض نہیں کیا، کبھی انہیں غصہ نہیں دلایا، نہ کبھی انہیں ان کی پسند اور میل کے خلاف کوئی کام انجام دینے پر مجبور کیا۔ انہوں نے بھی پوری زندگی نہ مجھے ناراض کیا نہ کبھی غُصّہ دلایا۔ نہ کسی کام میں میری خواہش کے خلاف اقدام کیا! ہمارے تعلقات اس قدر پختہ اور اُلفت بھرے تھے کہ میں جب بھی غمگین ہوتا فقط فاطمہؑ کا چہرہ دیکھ کر میرے دل سے سارے غم دُور ہو جاتے۔ جیسے ہی فاطمہؑ کے رخسار پر نگاہ پڑتی میرے غم دور ہو جاتے تھے![2]

---

[1] امالی طوسی: مجلس ۲، ح ۱۳، ص ۴۱؛ مناقب آلِ ابی طالبؑ: ج ۳، ص ۳۵۵؛ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۳۷۳.

[2] کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۳۶۳.

۴۔ رسول اللہﷺ کی رکاب میں جہاد

ایمان کی بڑھوتی اور جہاد میں حصّہ

رسول اللہﷺ کی رکاب میں مسلسل جہاد کرنے کی توفیق حاصل ہوئی۔ ہم[1] اپنے اجداد، بیٹوں، بھائیوں اور چچوں کے ساتھ جنگ کرتے اور انہیں قتل کرنے کی حد تک جا پہنچتے۔ یہ جنگیں ہمارے ایمان و تسلیم میں اضافہ کرتیں اور ہمیں راہِ حق و صبر نیز نامساعد حالات اور جہاد میں سنجیدگی کے ساتھ شمولیت کرنے پر ثابت قدم رکھتیں۔ ان جنگوں میں کئی بار ایسا ہوتا کہ ہمارا ایک شخص دشمن کے کسی شخص کے مدمقابل ہوتا، دو پہلوانوں کی طرح ہر کوئی دوسرے کو خاک چٹانے اور اسے تہہ تیغ کرنے کی فکر میں ہوتا۔ کبھی ہم دشمن پر فتح حاصل کر لیتے اور کبھی ہمارا دشمن غالب ہو جاتا۔

جنگ کے میدانوں میں ہمارے صبر و اخلاص کا امتحان لینے کے بعد خدا نے ہمارے دشمن کو ذلت و زبوں حالی سے دوچار کیا اور ہمیں فتح و کامیابی سے نوازا۔ یہاں تک کہ اسلام کی بنیادیں مستحکم ہو گئیں اور وسیع و عریض زمین پر پرچمِ اسلام لہرانے لگا۔[2]

اللہ اور رسولﷺ سے نہ ٹوٹنے والا عہد

میرے چچا حمزہ، میرے بھائی جعفر، میرے چچازاد عُبیدہ اور میں نے خدا اور رسولﷺ کے ساتھ ایک عہد کیا تھا اور اس عہد کو وفا کرنے کی قسم کھائی تھی۔ میرے دوستوں نے سبقت کرتے ہوئے راہِ خدا میں اپنی جان کی قربانی دی اور یوں اپنے عہد کو وفا کر گئے۔ لیکن میں اللہ کی منشا سے زندہ رہا۔ خدا نے ہمارے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾[1]

---

[1] مترجم عرض کرتا ہے: یہاں ہم سے مراد مسلمان ہیں نہ کہ خود امام علیؑ علیہ السلام یا فقط بنی ہاشم۔

[2] نہج البلاغہ: خطبہ ۵۶؛ کتاب سلیم بن قیس: ص ۱۱۱؛ وقعۃ صفین: ص ۵۲۰؛ الارشاد: ج ۱، ص ۲۶۸۔

"مومنین میں ایسے لوگ موجود ہیں جنہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا، ان میں سے بعض نے اپنی ذمے داری کو پورا کیا اور ان میں سے بعض انتظار کر رہے ہیں اور وہ ذرا بھی نہیں بدلے۔"[1]

ہاں، حمزہ، جعفر اور عبیدہ نے اپنا وعدہ وفا کر دکھایا اور شہید ہو گئے۔ خدا کی قسم میں اپنے عہد کو وفا کرنے کے انتظار میں ہوں اور کبھی اپنے اس عہد و پیمان سے نہیں پھرا![2]

۞ رسول اللہ ﷺ اپنے قرابت داروں کو میدان میں بھیجتے تھے

[میدانِ جنگ میں رسول اللہ ﷺ کا طریقہء کار یہ تھا کہ]

جب بھی جنگ سخت مرحلے میں داخل ہوتی اور فضا ہولناک ہو جاتی۔ ایسی کہ لوگ پیچھے پیچھے رہتے اور کھڑے رہنے کی طاقت کھو دیتے، اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے اقرباء اور خاندان کو دوسرے پر مقدم رکھتے ہوئے میدان میں بھیجتے اور ان کے ذریعے سے اپنے اصحاب سے نیزوں کی تپش اور تلواروں کی تیزی کو دور کرتے۔ جنگ بدر کے ایسے ہی حالات اور مناظر تھے جب عبیدہ شہید ہوئے۔ میرے چچا حمزہ نے جنگ اُحد میں جامِ شہادت نوش کیا اور میرے بھائی جعفرؓ جنگِ موتہ میں شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔[3]

۞ رسول ﷺ کے دفاع کے لیے کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا تھا

میں نے اپنی پوری زندگی میں لحہ بھر بھی رسول ﷺ کی خواہش کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا نہ کبھی ان کی کسی امر میں مخالفت کی۔ مشکل حالات میں جہاں بہادر پہلوان عاجز ہو جاتے ہیں، شیر دل افراد میدانِ کارزار سے کتراتے ہیں اور ان کے ہاتھ پیر لرزنے لگتے ہیں، فقط میں تھا جو اپنی جان رسول اللہ ﷺ پر فدا کرتا اور ان کے دفاع کے لیے کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔ البتہ یہ سب مجھ

---

[1] احزاب: ۲۳.

[2] الاختصاص: ص ۱۷۴؛ الخصال: ج ۲، ص ۳۷۶؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۵۳؛ تاویل الآیات الظاھرۃ: ص ۴۴۲.

[3] نہج البلاغہ: نامہ ۹.

یہ خدا کا لطف تھا جو اس نے مجھے ایسی قوت اور توفیق سے نوازا![1]

---

[1] وقعۃ صفین: ص ۲۲۴؛ امالی مفید: مجلس ۲۷؛ ح ۵، ص ۲۳۵؛ امالی طوسی: ص ۱۱، ح ۱۳؛ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۳۸۹

۵۔ جنگِ بدر؛ دشمنانِ اسلام کے ساتھ پہلا معرکہ

۞ فقط ایک گھڑسوار سوار مجاہد

جب ہم میدانِ بدر میں پہنچے، اس وقت فقط مقداد ایسے تھے جن کے پاس گھوڑا تھا! جنگِ بدر کی شب سب کی آنکھ لگ گئی سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔ آپؐ اس شب ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوئے بلکہ صبح تک ایک درخت کے نیچے کھڑے نماز پڑھتے رہے اور دعا کرتے رہے۔[1]

۞ میدانِ جنگ میں مَیں جوان ترین شخص تھا

جنگ کا آغاز ہوا۔ قریش کے نامی گرامی تین جنگجو یعنی عتبہ، شیبہ اور ولید میدان میں اترے اور مبارز طلب کرنے لگے۔ لیکن اصحابِ رسول ﷺ میں موجود قریشیوں میں سے کسی نے ان کا جواب نہیں دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ دیکھ کر حمزہ، عبیدہ اور مجھے ان سے مقابلے کے لیے میدان میں بھیجا۔ میں حمزہ اور عبیدہ سے کم عمر اور جوان تر تھا نیز فنونِ جنگ میں (ظاہری طور پر) ان دونوں سے کم تجربہ بھی۔ لیکن خدا کا ارادہ تھا کہ ولید اور شیبہ میرے ہاتھوں سے فی النار ہوں۔ میں نے ان میں سے بعض کو قیدی بنایا۔ اس دن اپنے ہم رزموں میں ، جنگ میں میرا کردار سب سے زیادہ رہا۔ اُحد کے دن ہی میرے چچازاد بھائی عبیدہ شہید ہوئے۔ خدا کی ان پر رحمت ہو![2]

۞ دشمن کی جسارت سے حیران تھا

مَیں جنگِ بدر میں دشمن کی جسارت پر حیران تھا۔ انہوں نے اپنی انکھوں سے مجھے ولید کو تہہ ٴ تیغ کرتے، حمزہ کو عتبہ کو قتل کرتے نیز ہم دونوں کو ایک دوسرے کی مدد سے شیبہ کا کام تمام کرتے دیکھا

---

[1] الارشاد: ج۱، ص ۷۳؛ مسند احمد بن حنبل: ج۱، ص ۱۲۵ و ۱۳۸؛ مسند ابو یعلی الموصلی: ج۱، ص ۱۷۵؛ تاریخ طبری: ج۲، ص ۱۳۵؛ ارشاد القلوب: ج۲، ص ۳۱.

[2] الخصال: ج۲، ص ۳۶۷؛ الاختصاص: ص ۱۶۱؛ ارشاد القلوب: ج۲، ص ۳۴۵.

تھا۔

[ایسے حالات میں جب قریش کے تین بڑے جنگجو پہلوان خاک و خون میں لوٹ پوٹ ہو چکے تھے اور ان کے بدن میدان میں بے جان پڑے تھے]

میں نے حنظلہ بن ابی سفیان کو خود پر حملہ کرتے دیکھا۔

[وہ پہلے سے زیادہ جسارت کے ساتھ میدان میں مجھے قتل کرنے کی نیّت سے داخل ہوا اور بے دریغ مجھ پر حملہ کر دیا۔]

وہ جیسے ہی نزدیک پہنچا، میں نے اسے ایسی کاری ضرب لگائی کہ اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں سر سے باہر نکل آئیں اور اس کا بے جان جسم وہیں رزقِ خاک ہوا۔[1]

---

[1] الارشاد: ج۱، ص۷۵؛ اعلام الوریٰ: ص۸۶؛ کشف الغمۃ: ج۱، ص۱۸۶.

۶۔ جنگِ اُحد کی یادیں

ستر زخم، جنگِ اُحد کی نشانی

[جنگِ بدر کی شکستِ فاش کے بعد]

اہلِ مکّہ نے تمام قوت اور امکانات کے ساتھ ہمارا رخ کیا۔ انہوں نے اپنے تحتِ نفوذ تمام قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لیا تا کہ ہم سے جنگِ بدر کے مقتولین کا بدلہ لے سکیں۔ جبرائیل نے رسول اللہﷺ کو خبر دی کہ قریش مکّہ سے نکل چکے ہیں اور ان کا قصد مدینے پر چڑھائی ہے۔ آپؐ بھی مدینے سے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے اور کوہِ احد کے ساتھ پڑاؤ ڈال کر دشمن کے روبرو ہونے کے لیے تیار ہو گئے۔

مشرکین آگے بڑھے اور ہم یورش کر دی۔ انہوں نے ہم پر شدید حملے کیے۔ یہاں تک کہ متعدد مسلمان جامِ شہادت نوش کر گئے۔ جو بچ رہے وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ میں رسول اللہﷺ کے ساتھ استقامت کے ساتھ کھڑا رہا۔ البتہ مہاجرین وانصار مدینے میں اپنے گھروں کی جانب لوٹ گئے۔ وہ اس وقت کہتے جاتے تھے: رسول اللہﷺ اور ان کے سارے ساتھی مارے گئے۔

لیکن خداوند متعال نے ہماری مدد کی اور مشرکین کو ہم پر قطعی کامیابی حاصل نہ ہونے دی۔

اس جنگ میں لڑتے اور رسول اللہﷺ کا دفاع کرتے ہوئے مجھے سترّ سے زائد زخم آئے جن میں سے بعض کاری زخموں کے نشان آج بھی باقی ہیں۔

[اس وقت میں نے اپنا لباس ہٹا کر جنگِ اُحد کے یادگار زخم دکھائے اور کہا:]

میں نے اس دن وہ کام انجام دیا جس کا اجر فقط خدا پر ہے! [1]

سب فرار ہو گئے...

جب احد میں مسلمان میدانِ جنگ سے راہِ فرار اختیار کر گئے اور رسول اللہﷺ کے اطراف

[1] الخصال: ج ۲، ص ۳۶۸؛ الاختصاص: ص ۱۶۷؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۴۶.

سے پراگندہ ہو گئے، اس وقت مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ میں پیغمبر ﷺ کے لیے اس قدر بے تاب ہو گیا تھا، گویا خود کو بھلا بیٹھا تھا۔ اپنی تمام قوت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے سامنے تلوار چلاتا رہا۔ ایک لمحے کے لیے آنکھ چُوکی جب واپس مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کو نہ پایا۔ میں نے خود سے کہا: رسول اللہ ﷺ میدانِ جنگ سے فرار ہونے والے تو نہیں۔ مقتولین میں بھی نہ تھے؛ شاید خدا نے انہیں ہمارے درمیان سے اُٹھا لیا ہے اور آسمانوں میں لے گیا ہے! اس لمحے میں نے اپنی تلوار کی نیام توڑ ڈالی اور خود سے کہا: میں راہِ رسول ﷺ میں اس تلوار سے اس قدر جنگ کروں گا کہ آخر کار شہید ہو جاؤں۔

اپنی پوری طاقت سے دشمن پر حملہ کیا۔ وہ میرے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ راستہ کھلا۔ ناگاہ رسول اللہ ﷺ کو زمین پر گرا پایا۔ آپؐ بہت زخمی تھے اور زخموں کی وجہ سے غش کھا گئے تھے۔ میں آپؐ کے سرہانے پہنچا۔ آپ نے آنکھیں کھولیں اور مجھ سے پوچھا: لوگوں نے کیا کیا؟

عرض کیا: انہوں نے دشمن کو پشت دکھائی اور آپ کو نرغہ اعداء میں تنہا چھوڑ گے۔ انہوں نے میدان میں رکنے پر فرار کو ترجیح دی۔

اس وقت دشمن کے ایک گروہ نے دوبارہ حملہ کیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ آپؐ نے ان کی جانب اشارہ کر کے مجھ سے فرمایا: یا علیؑ، ان کے حملے کا جواب دو۔

میں نے حملہ کیا۔ میں دائیں بائیں شمشیر چلاتا جا رہا تھا یہاں تک کہ وہ تتر بتر ہو گئے اور بھاگنے میں عافیت جانی۔

[میدانِ جنگ میں کچھ دیر کے لیے سکون میّسر آیا]

رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: یا علیؑ، کیا تم فرشتوں کی آواز سن رہے ہو۔ وہ تیری مدح و ثنا کر رہے ہیں۔ رضوان نامی فرشتہ آواز دے رہا ہے: «لا سیف الا ذو الفقار، لا فتیٰ الا علی ؑ!» (نہ ذوالفقار سی کوئی تلوار ہے اور نہ علیؑ سا کوئی جواں مرد!)

یہ بشارت سُنتے ہی میری آنکھوں سے اشکِ شوق رواں ہو گئے۔ میں نے خدا کا اس کی عطا کردہ

نعمت پر شکر ادا کیا۔[1]

۞ شہادت کی تمنا

رسول اللہ ﷺ کے کچھ ساتھیوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ لیکن میں اس سعادت سے محروم رہا۔ یہ بات مجھ پر بڑی گراں تھی! رسول اللہ ﷺ نے میرے غم اور افسوس کا مشاہدہ کیا تو فرمایا: یا علی، تجھے خوشخبری دیتا ہوں، ایک دن تجھے بھی شہادت نصیب ہو گی۔[2]

---

[1] الارشاد: ج۱، ص۸۶؛ مسند ابی یعلی الموصلی: ج۱، ص۲۷۸؛ اعلام الوریٰ: ص۱۹۴؛ مناقب آل ابی طالبؑ: ج۲، ص۳۴؛ اسد الغابۃ: ج۴، ص۲۱؛ ارشاد القلوب: ج۲، ص۳۴.

[2] نہج البلاغہ: خطبہ ۱۵۶؛ الاختصاص: ص۱۵۸؛ مناقب آل ابی طالبؑ: ج۱، ص۳۸۵؛ اعلام الدین: ص۱۰۴.

۷۔ جنگِ خندق میں دلیرانہ شمولیت

۞ مشرکینِ قریش نے شکست کا ذائقہ چکھا

[جنگِ احد کے بعد دینِ اسلام کی کمر ٹوٹ چکی ہے، یہ مشرکین کا ماننا تھا لیکن انہوں نے غیر یقینی طور پر دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کے ساتھی پہلے سے زیادہ مُصمّم ارادے کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں اور وسعت پاتے جاتے ہیں! اس بار]

قریش تمام عرب قبائل کے ساتھ مل گئے۔ بڑے محکم عہد و پیمان باندھے۔ قول و قرار ہوا کہ اب مسلمانوں کے ساتھ سنجیدگی اور سختی کے ساتھ جنگ جاری رکھیں گے اور جب تک رسول اللہ ﷺ اور بنی عبد المطلب میں موجود تمام مسلمانوں کو تہہ تیغ نہ کر دیں آرام سے نہیں بیٹھے گے نیز میدان خالی نہیں چھوڑیں گے۔ اس عہد و پیمان کے بعد جنگ کے لیے وسائل سے لیس لاؤ لشکر فراہم کر دیا گیا۔ وہ بڑے شور و زور سے مدینے کی جانب روانہ ہوا۔ مدینے کے نزدیک پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ انہیں اس جنگ میں اپنے جیت جانے کا ذرا بھی شک نہیں تھا۔ ان کے مدینہ پہنچنے سے قبل جبرائیل نے تمام قبائل کے رئیسوں کے گٹ جوڑ کی خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچا دی تھی۔ آپؐ نے ان سے مقابلہ کرنے کے لیے شہر مدینہ کے اطراف میں خندق کھدوائی تا کہ مہاجرین و انصار کے ساتھ خندق کے اندر رہتے ہوئے شہر کا دفاع کر سکیں۔

جب سپاہِ قریش مدینہ پہنچی۔ اپنے روبرو خندق کو پایا۔ ناگزیر اس کے اطراف میں خیمہ زن ہو گئے۔ انہوں نے ہمیں محاصرے میں لے لیا۔ وہ خود کو طاقتور جبکہ ہمیں کمزور شمار کر رہے تھے۔ اس وجہ سے بہت نعرے بازی کرتے اور ہمیں دھمکاتے رہتے۔

رسول اللہ ﷺ نے انہیں دینِ خدا قبول کرنے کی دعوت دی۔ انہیں خود سے اپنی رشتے داری یاد دلائی۔ انہیں قسمیں دیں۔ لیکن نہ فقط یہ کہ انہوں نے حق کو قبول نہیں کیا بلکہ ان کی سرکشی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی۔ اس دن قریش کا سب سے بڑا پہلوان بلکہ عرب کا سب سے بڑا جنگجو عمرو بن عبدود

میدان میں اترا۔ وہ بدمست شتر کی طرح اپنے گلے میں آواز گھماتا، مبارز طلب کر رہا تھا۔ مسلسل رجز پڑھتا ہوا کبھی اپنا نیزہ گھماتا تو کبھی تلوار چلاتا تھا۔ لیکن اس سب کے باوجود مسلمانوں میں سے کوئی اس کے مقابلے کو نہ اٹھا۔ کیونکہ کسی کو اس کے مقابل فتح یاب ہونے کی اُمید نہیں تھی جو وہ غیرت کھاتا اور اس کے مقابل اپنے وجود کا اظہار کرتا۔

رسول اللہ ﷺ نے اشارہ سے مجھے طلب کیا۔ اپنے ہاتھوں سے میرے سر پر عمامہ باندھا۔ یہ تلوار جو آج بھی میرے ساتھ ہے، میرے ہاتھ میں دی۔ میں عمرو بن عبدود سے مقابلے کے لیے میدانِ وغا میں اترا۔ [اس کے مقابل میرے سن و جسم کی حالت ایسی تھی کہ] مدینے کی خواتین میرے بارے میں پریشان ہو کر رونے لگیں۔ انہیں ڈر تھا کہ مَیں عمرو کے ہاتھوں مارا جاؤں گا! ہر چند کہ عرب کسی کو اس کا مدمقابل نہیں سمجھتے تھے اور کسی کو اس کی ٹکر کا پہلوان نہیں جانتے تھے لیکن خدا نے اسے میرے ہاتھوں فی النار کیا۔

[اس مقام پر میں نے اپنے سر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے وہ نشان دکھایا جو عمرو بن عبدود کی تلوار سے لگا تھا، اور کہا:]

یہ ضربت اس نے میرے سر پر لگائی تھی۔ خدا نے میرے جہاد اور جنگ سے قریش اور عرب کو شکست کا مزا چکھایا اور ان کے دلوں میں (اسلام کا) ڈر بٹھا دیا۔[1]

[1] الخصال: ج ۲، ص ۳۶۸؛ الاختصاص: ص ۱۶۷؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۴۶.

۸۔ فتح خیبر؛ افسانہ یہود کا اختتام

٭ محبوبِ خدا اور رسولِ خدا ﷺ کے ہاتھ میں علم

[جنگ خیبر میں مسلمانوں نے یہودیوں کے قلعوں کا محاصرہ کیا، اُس وقت]

رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کو بلایا۔ آپ نے لشکر کا عَلم اس کے ہاتھ میں دے کر قلعوں پر حملے اور یہودیوں کے ساتھ جنگ کا حکم صادر فرمایا لیکن اس سے کچھ نہ ہو سکا اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خالی ہاتھ لوٹ آیا۔ اگلے دن رسول اللہ ﷺ نے علم عمر کے ہاتھ میں تھمایا اور ایک گروہ کو اس کے ساتھ میدان کی جانب روانہ کیا۔ وہ بھی کسی نتیجے تک نہ پہنچ سکا اور شکست خوردہ لوٹ آیا۔ اس دوہری شکست کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، کل علم اس مرد کو دوں گا جو خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو گا نیز خدا اور اُس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہوں گے۔ وہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار نہیں کرے گا۔ اسی کے ہاتھوں پر خدا مسلمانوں کو فتح و کامیابی سے ہم کنار فرمائے گا۔»

[سب لوگ منتظر تھے کہ تیسرے دن علم اسلام کسے ملتا ہے اور وہ مرد کون ہے جو خدا اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے نیز خدا اور اس کا رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔]

اس دن میں شدید چشم درد میں مبتلا تھا اور درد کے مارے بے چین تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے کسی کو مجھے بلانے کے لیے بھیجا۔ میں اسی حالت میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھے شدتِ درد سے تکلیف میں دیکھا، اپنا ہاتھ میری آنکھوں پر رکھا اور فرمایا: «خدایا، علیؑ کی گرمی سردی سے پہنچنے والی تکلیف سے حفاظت فرما!»

[رسول ﷺ کی اس دعا سے میری آنکھوں کا درد ختم ہو گیا۔ وہ دن اور آج کا دن پھر کبھی گرمی

سردی نے مجھے تکلیف نہیں پہنچائی۔][1]

❁ باب خیبر اپنے ہاتھوں سے اُکھاڑ پھینکا

ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ خیبر پہنچے۔ یہودی جنگجو مرد اور قریش وغیر قریش کے پہلوان، سوار اور پیادہ لشکر کے ساتھ جنگی وسائل سے لیس ہمارے سامنے مثل کوہ کھڑے تھے۔ وہ محکم قلعوں کی پناہ میں، بے پناہ انفرادی قوت کے ہمراہ بے باکی اور شجاعت کے ساتھ جنگ لڑ رہے تھے۔ انہوں نے ہمیں للکارا اور مبارز طلب کرنے لگے۔ ان میں سے کچھ جنگ میں ایک دوسرے پر سبقت لے رہے تھے۔ میرے ساتھیوں اور ہمراہیوں میں سے جو بھی ان سے جنگ کے لیے میدان میں اترا، بغیر کسی نتیجے کے واپس لوٹ آیا۔ یہاں تک کہ آنکھیں پتھرا گئیں اور ہر کسی کو اپنی فکر لاحق ہو گئی۔ میرے ساتھی ایک دوسرے کو تکتے اور کہتے: اے ابو الحسن! اٹھیے!

رسول اللہ ﷺ نے مجھے طلب کیا اور قلعۂ خیبر کی فتح کی ذمہ داری میرے سپرد کی۔ میں نے قلعے سے نکل کر جنگ لڑنے والے ہر جنگجو کو موت کی نیند سلا دیا۔ جو پہلوان بھی خود نمائی کرتا اسے خاک چٹا دیتا۔ میں نے ان پر شیر نر کی طرح ایسا حملہ کیا کہ ساروں کو بھاگ کر قلعے میں پناہ لیتے بنی۔ بابِ قلعۂ خیبر اپنے ہاتھوں سے اکھاڑا اور تن تنہا قلعے میں داخل ہو گیا۔ جو بھی سامنے آیا مارا گیا۔ جو بچ رہے وہ قیدی ہوئے۔ یُوں میں نے قلعۂ خیبر فتح کیا۔ اس وقت (جب میں قلعہ فتح کر رہا تھا) خدا کے سوا کوئی دوسرا میرا یاور و مددگار نہیں تھا۔[2]

❁ میری ماں نے میرا نام حیدرؓ رکھا ہے

میں علم ہاتھ میں اٹھائے خیبر کے قلعوں کے نزدیک پہنچا، یہودیوں کا نامور جنگجو اور پہلوان مرحب مقابلے کے لیے نکلا۔ اس نے بدن پر آہنی زرہ اور سر پر پتھر کا خود پہن رکھا تھا۔ وہ رجز پڑھتا

---

[1] اعلام الوریٰ: ص ۱۸۵؛ مسند احمد بن حنبل: ج ۱، ص ۹۹؛ خصائص نسائی: ص ۵۲؛ مسند ابی یعلی الموصلی: ج ۱، ص ۲۹۵؛ العقد الفرید: ج ۴، ص ۳۱۲؛ مناقب ابن المغازلی: ص ۱۷۹؛ تاریخ دمشق: ج ۱، ص ۲۱۶؛ تذکرۃ الخواص: ص ۲۴ تا ۲۵؛ مجمع الزوائد: ج ۹، ص ۱۲۲؛ الفصول المہمۃ: ص ۲۰۔

[2] الخصال: ج ۲، ص ۳۶۹؛ الاختصاص: ص ۱۶۸؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۴۷۔

ممکلو کتاب۔ منتظر ایلیاء

میں مرحب ہوں، تمام اہلِ خیبر مجھے جانتے ہیں

میں ایسا پہلوان اور جنگجو ہوں جس کی تیز دھار تلوار نے سب کو حیرت میں ڈال رکھا ہے۔

میں ایک منجھا ہوا تجربہ کار جنگجو ہوں۔

میں نے اس کے جواب میں یہ رجز پڑھا:

میں وہ ہوں جس کی ماں نے اس کا نام حیدرؑ رکھا ہے

میں جنگل کے شیروں کی طرح شجاع ہوں۔

میں تمہیں تلوار کی میزان پر تولوں گا

اور ہلاکت کی خاک چٹادوں گا۔

ہمارے درمیان جنگ شروع ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے پر وار کیے۔ مناسب موقع دیکھتے ہی میں نے اس کے سر پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ اس کا پتھر سے بنا خود بھی کٹ گیا۔ ضرب ایسی جاندار تھی کہ میری تلوار اس کا سر چیر کر دانتوں تک اتر گئی۔ وہ وہیں زمین پر ڈھیر ہو گیا۔[1]

خیبر کا قلعہ خدائی طاقت سے فتح کیا

خدا کی قسم جس طاقت سے میں نے بابِ خیبر اکھاڑ کر اپنی پشت پر چالیس ذراع دور اٹھا پھینکا تھا وہ غذا سے حاصل ہونے والی جسمانی قوت نہیں تھی۔ وہ قوت ملکوتی قدرت اور تائید الٰہی تھی۔ وہ اس روح سے جاری ہوئی تھی جو نور خدا سے روشن تھی۔ البتہ مجھ علیؑ کے پاس ملکوتی تائید اور نوارنی روح کی صورت میں جو کچھ بھی ہے وہ رسول اللہ ﷺ کی وجہ سے ہے اور میں ان کے نور کا ایک پرتو شمار ہوتا ہوں۔

خدا کی قسم، اگر تمام عرب مجھ سے جنگ کے لیے متحد ہو جائیں، تب بھی ان کے مقابلے سے گریز نہیں کروں گا۔ بلکہ اپنے تمام وجود کے ساتھ ان سے جنگ کروں گا۔ انہیں امان نہیں دوں گا۔ ہاں جو بھی موت سے نہ ڈرتا ہو اس کا دل حوادث کے طوفان میں بھی مطمئن اور ثابت قدم رہتا ہے۔[1]

---

[1] الارشاد: ج ۱، ص ۱۲۶؛ الخصال: ج ۲، ص ۵۶۱؛ المسترشد: ص ۵۹؛ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۲۱۴.

رسول اللہ ﷺ کا بشارت دینا

قلعۂ خیبر فتح کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے گرم جوشی کے ساتھ میرا استقبال کیا اور فرمایا:

اے علیؑ! اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ کہیں میری امت آپ کے بارے میں بھی وہی کفر و غلو آمیز باتیں کہے گی جو عیسائیوں نے عیسیٰؑ کے بارے میں کہیں تھی، تو آج آپ کے ایسے فضائل بیان کرتا کہ اس کے بعد جہاں سے بھی آپ کا گزر ہوتا، وگ آپ کے پیروں کی خاک اور وضو کے پانی کو شفا اور تبرک کے طور پر استعمال کرتے! لیکن بس یہی کہنے پر اکتفا کروں گا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔ تم میرا وارث ہو اور میں تمہارا وارث ہوں۔ تم میرے لیے ایسا ہی ہو جیسے موسیٰؑ کے لیے ہارونؑ تھے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا۔ میری ذمہ داریاں تم نبھاؤ گے۔ تمہاری جنگ میری سنّت اور روش کے مطابق ہو گی۔ آخرت میں میرے نزدیک ترین شخص تم ہو گے۔ اس دن تم سب سے پہلے مجھ سے حوض کوثر کے کنارے ملاقات کرو گے۔ حوض کوثر سے مومنین کو سیراب کرنے میں تم میرے جانشین اور خلیفہ ہو گے۔ منافقین کو حوض کوثر کے کناروں سے دُور کرو گے۔ میری امت میں تم پہلے شخص ہو گے جو میرے ساتھ جنّت میں داخل ہو گا۔

اس دن تمہارے شیعہ نوری منبروں پر کھڑے ہوں گے۔ وہ حوضِ کوثر سے سیراب ہوں گے۔ نور میں ڈوبے چہروں کے ساتھ میرے اطراف میں حلقہ بنائے کھڑے ہوں گے۔ میں بھی اس دن تمہارے شیعوں کی شفاعت کروں گا۔ وہ بہشت میں میرے ہم سائے ہوں گے۔ اس دن تمہارے دشمن پیاس کی شدت سے بے تاب، رُوسیاہ اور مشکلات میں گرفتار ہوں گے!

یا علیؑ، جس نے تم سے جنگ کی اس نے در حقیقت مجھ سے جنگ کی۔ جو تمہارے سامنے سر تسلیم خم ہُوا، وہ میرے سامنے تسلیم ہُوا۔ تم ظاہر میں میری طرح عمل کرو گے۔ تمہارے سینے میں موجود راز میرے سینے میں موجود راز ہیں۔ تم میرے علم کا در ہو۔ تیرے بیٹے میرے بیٹے ہیں۔ کیونکہ تیرا گوشت میرا گوشت سے ہے اور تیرا خون میرے خون سے ہے۔ ہمیشہ اور متواتر حق تیرے ساتھ ہے

[1] امالی صدوق: ص ۵۱۴؛ روضۃ الواعظین: ج۱، ص ۱۲۷؛ بشارۃ المصطفیٰ: ص ۱۹۱؛ مناقب آل ابی طالب: ج۲، ص ۳۲۹؛ کشف الیقین: ص ۱۴۱؛ ارشاد القلوب: ج۲، ص ۲۴۶.

اور تیری زبان پر جاری رہے گا۔ تو جو کہتا ہے حق ہے کیونکہ تو اپنے عُمقِ دل سے کہتا ہے نیز حق ہمیشہ تیری نگاہوں کے سامنے رہتا ہے۔ ایمان تیرے خون اور گوشت میں گھل چکا ہے ویسے ہی جیسے میرے خون اور گوشے میں مخلوط ہو چکا ہے۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تجھے خوشخبری سناؤ: تیرا خاندان اور تیرے محب جنت میں رہیں گے جبکہ تیرے دشمنوں کا ٹھکانہ آتش قرار پائے گی۔

یا علیؑ، جو اپنے دلوں میں تیرا بغض اور دشمنی رکھتے ہیں انہیں حوض کوثر پر آنے کی راہ نہیں ملے گی اور تیری محبت رکھنے والے حوضِ کوثر سے محروم نہیں رہیں گے۔

یہ بشارتیں سننے کے بعد میں نے اپنی پیشانی خاک پر رکھی اور سجدہ شکر بجالایا۔ خدا کی حمد کی کہ اس نے مجھے اسلام اور قرآن کی نعمت سے نوازا نیز مجھے خاتم الانبیا و سید الرسل ﷺ کی نگاہ میں اس قدر محبوب بنایا۔[1]

---

[1] مناقب خوارزمی: ص ۵۷ امالی صدوق: مجلس ۲۱، ح ۱؛ مناقب ابن المغازلی: ص ۲۳۷؛ اعلام الوریٰ: ص ۱۸۸؛ کشف الغمہ: ج ۱، ص ۲۹۸؛ کشف الیقین: ص ۲۲.

۱۰۔ غدیرِ خم میں رسول اللہ ﷺ کا جانشین منتخب ہونا

❁ رسول ﷺ کے ساتھ آخری حج

رسول اللہ ﷺ اپنے آخری حج کی ادائیگی سے واپسی پر غدیرِ خُم کے مقام پر پہنچے۔ حکم دیا کہ منبر تیار کیا جائے۔ اس کے بعد آپؐ منبر پر تشریف لے گئے۔ میرا ہاتھ پکڑا اور اس قدر بلند کیا کہ بغلوں کی سفیدی نمودار ہو گئی۔ اس کے بعد بلند آواز سے اس جمِ غفیر سے فرمایا: «جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا علیؑ مولا ہے»۔

رسول اللہ ﷺ کے اس صریح اور شفاف کلام کے بعد میری ولایت قبول کرنا خدا کی ولایت (قبول کرنا) ہے نیز مجھ سے دشمنی رکھنا خدا کے ساتھ دشمنی رکھنا ہے۔

اس دن غدیر میں خدا نے یہ آیت نازل کی:

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾[1]

"آج ہم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا، اپنی نعمت تم پر تمام کی اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کر لیا"۔

یوں میری ولایت (کے اعلان) سے دین کامل ہُوا اور خدا کی رضایت نصیب ہوئی۔[2]

❁ جس جس کا میں مولا اس اس کا علیؑ مولا

رسول اللہ ﷺ نے غدیر خم میں مجھے مسلمانوں کا امیر اور ولی مقرر کیا۔ آپ نے اس دن ایک خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں لوگوں سے کہا:

لوگو! خدا نے مجھ پر ایک ذمہ داری ڈالی ہے جس کی وجہ سے میرا سینہ سنگینی کا شکار ہو رہا ہے اور میں فکر مند بھی ہوں۔ کیونکہ مجھے لوگوں سے اس بات کو قبول نہ کرنے کا خدشہ ہے۔ امکان ہے کہ کچھ

---

[1] مائدہ:۳.

[2] کافی: ج۸، ص۲۷.

افراد اس حکم کو رد کر دیں گے اور مجھ سے مقابلے پر اتر آئیں گے۔ لیکن خدا نے مجھے خبر دار کیا ہے کہ اگر میں نے اس کے حکم پر عمل نہ کیا تو وہ مجھ سے باز پرس کرے گا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے حکم پر «الصلاۃ الجامعۃ» کی آواز لگائی گئی۔[2] لوگ جمع ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اے لوگو! کیا تم یقین رکھتے ہو کہ خداوندِ متعال میرا مولا ہے اور میں مومنین کا مولا ہوں اور مومنین پر خود اُن سے زیادہ حقِ تصرّف رکھتا ہوں؟[3]

سب حاضرین نے جواب دیا: جی ہاں ایسے ہی ہے یا رسول اللہ ﷺ!

اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یا علیؑ اٹھو!

میں حکم بجالایا اور کھڑا ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس جس کا میں مولا ہوں، اس اس کا علیؑ مولا ہے۔ خدایا جو علیؑ سے محبت کرے تُو اس سے محبت کر اور جو اس سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ۔

اس وقت سلمان اپنی جگہ سے اٹھے اور رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا علیؑ کی ولایت ویسی ہی ہے جیسی آپ کی ولایت ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ہاں اس کی ولایت میری ولایت جیسی ہے۔ جس کے لیے میں

---

1. رسول اللہ ﷺ کا یہ کلام سورہ مائدہ کی آیت ۶۷ کی جانب اشارہ ہے: ﴿يَآ أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۖ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ﴾ اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے محفوظ رکھے گا، بے شک اللہ کافروں کی رہنمائی نہیں کرتا۔

2. صدرِ اسلام میں جب بھی افراد کو کسی اہم امر کے لیے مسجد میں جمع کرنا مقصود ہوتا تو «الصلاۃ الجامعۃ» کی آواز لگائی جاتی تھی۔

3. رسول اللہ ﷺ نے سورہ احزاب کی آیت ۶ کی جانب اشارہ فرمایا ہے: ﴿اَلنَّبِيُّ أَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ نبی مومنین کی جانوں پر خود ان سے زیادہ حقِ تصرُّف رکھتا ہے۔

صاحبِ اختیار اور اولیٰ بالتصرف ہوں اس کے لیے علیؑ بھی صاحب اختیار اور اُولیٰ بالتصرف ہے۔

اس گفتگو کے بعد خدا نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيناً ﴾[1]

"آج ہم نے تمہارے دین کو کامل کر دیا، اپنی نعمت تم پر تمام کی اور اسلام کو تمہارے لیے بطور دین پسند کر لیا"۔

آیت کے نازل ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ نے تکبیر کہی اور فرمایا: «اللہ اکبر، میری رسالت میرے بعد علیؑ کی ولایت سے کامل ہوئی اور یوں دین خدا بھی کامل ہو گیا»۔

ابو بکر اور عمر اپنی جگہ سے اٹھے اور رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یارسول اللہ ﷺ! کیا یہ آیات علیؑ کے ساتھ مختص ہیں اور کوئی دوسرا ان میں داخل نہیں؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ہاں! یہ آیات فقط علیؑ اور قیامت تک میرے آنے والے جانشیوں کے بارے میں ہیں۔

انہوں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ! ہمیں اپنے جانشینوں کا تعارف کروا دیجیے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرا پہلا جانشین علیؑ ہے جو میرا بھائی، میرا مددگار، میرا وارث اور میری امت میں میرا وصی اور جانشین ہے نیز وہی میرے بعد ہر مومن کا ولی اور سرپرست ہے۔ اس کے بعد میرا بیٹا حسنؑ اور اس کے بعد حسینؑ میرے جانشین ہیں۔ حسین کے بعد اس کی نسل سے نو افراد جو یکے بعد دیگرے میرے جانشین ہوں گے۔ قرآن ان کے ساتھ اور وہ قرآن کے ساتھ ہوں گے۔ ان کے اور قرآن کے درمیان کبھی جدائی واقع نہیں ہو گی یہاں تک کہ یہ حوض (کوثر) پر میرے پاس پہنچ جائیں گے۔[2]

۞ رسول اللہ ﷺ کی دعا

روزِ غدیر رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر اس طرح دعا فرمائی:

---

[1] مائدہ:۳.

[2] کتاب سلیم بن قیس: ج ۲، ص ۷۵۸؛ کمال الدین و تمام النعمۃ: ج ۱، ص ۲۷۴؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۴۱؛ فرائد السمطین: ج ۱، ص ۳۱۴.

یارالہا! ان کی ولایت قبول فرما جو علیؑ کی ولایت قبول کرتے ہیں۔ دشمن رکھ انہیں جو علیؑ کو دشمن رکھیں۔ دوست رکھ انہیں جو علیؑ کو دوست رکھیں۔ غضب ناک ہو ان پر جو علیؑ سے بغض رکھیں۔ مدد کر ان کی جو علیؑ کی مدد کریں۔ اور ذلیل وخوار کر انہی جو علیؑ کی مدد سے ہاتھ کھینچیں۔ [1]

ملائکہ جیسا عمامہ

روزِ غدیر، رسول اللہ ﷺ نے میرے سر پر عمامہ رکھا اور عمامے کی ایک طرف کا کپڑا میرے کندھے پر ڈال کر فرمایا:

خداوند متعال نے جنگِ بدر و حنین میں ملائکہ کا ایک گروہ میری نصرت کے لیے بھیجا تھا۔ ان کے سروں پر بندھے عمامے ایسے ہی تھے جن کی ایک طرف کا کپڑا ان کے شانوں پر پڑا ہوا تھا۔ [2]

---

1. بشارۃ المصطفیٰ: ص ۱۶۶؛ تفسیر فرات کوفی: ص ۵۶.
2. الفصول المہمہ: ص ۲۵.

۱۱۔ مدینے کی کچھ یادیں

۞ حدیثِ طیر؛ بہشتی کھانا

نمازِ صبح کے بعد مسجد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ اٹھے کر چل دیے۔ میں بھی آپ کے ساتھ اٹھا اور چل پڑا۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی، وہ جب بھی کہیں جاتے مجھے بتا کر جاتے اور جب بھی ان کا قیام طویل ہو جاتا یا ان کی واپسی میں تاخیر ہوتی، میں خود اس جگہ ان کی خدمت میں پہنچ جاتا جہاں آپ تشریف فرما ہوتے؛ وجہ یہ تھی کہ مجھے لحہ بھر بھی آپؐ سے دُوری برداشت نہ ہوتی تھی اور میرا دل آپؐ سے کچھ مُدّت کے لیے بھی دُوری کا مُتحمِل نہیں ہوتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں عائشہ کے گھر جا رہا ہوں۔

آپ روانہ ہو گئے۔ میں بھی اپنے گھر فاطمہؑ کے پاس چلا آیا۔ کچھ دیر گھر میں اپنے بچوں حسنؑ و حسینؑ کے ساتھ رہا۔ اس کے بعد ہمیشہ کی عادت کے مطابق اٹھا اور عائشہ کے گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔ دق الباب کیا۔ عائشہ نے کہا: کون؟

جواب دیا: میں ہوں، علیؑ۔

جواب ملا: رسول اللہ ﷺ سو رہے ہیں۔

میں واپس لوٹ گیا؛ لیکن خود سے کہتا جاتا تھا: رسول اللہ ﷺ اس وقت کیسے سو سکتے ہیں؟!

میں پھر واپس پلٹا اور دروازے پر دستک دی۔

عائشہ نے کہا: کون ہے؟

میں نے کہا: میں ہوں علیؑ۔

جواب ملا: رسول اللہ ﷺ کسی کام میں مشغول ہیں۔

میں واپس لوٹ گیا۔ دستک دینے کی وجہ سے شرمندہ بھی تھا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا، میرا دل بھر آیا ہے اور مجھ میں رسول اللہ ﷺ سے دُوری کی تاب نہیں۔ بے اختیار دوبارہ واپس لوٹا اور

زور سے دروازہ پیٹا۔

عائشہ نے کہا: کون ہے؟

میں نے کہا: میں ہوں علیؑ۔

اس وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کی آواز سنی۔ آپ نے عائشہ سے فرمایا: دروازہ کھولو۔

دروازہ کھلا۔ میں گھر میں داخل ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوالحسنؑ بیٹھو! میں تمہیں اپنا حال سناؤں یا تم بتاؤ گے کہ دیر سے کیوں آئے؟

میں نے کہا: یارسول اللہ ﷺ، آپ ارشاد فرمایئے، آپ کا کلام سب سے اچھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابوالحسن! جب میں تم سے جدا ہوا، بھوکا تھا۔ لیکن میں نے اپنی بھوک کو تم سے چھپائے رکھا۔ عائشہ کے گھر میں داخل ہوا، منتظر رہا، لیکن کھانے کی کوئی خبر نہ ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اس کے پاس بھی میری پذیرائی کے لیے کچھ نہیں! دستِ دُعا بلند کیے اور خدا سے غذا طلب کی۔ جبرائیل نازل ہوئے۔ وہ اپنے ساتھ میرے لیے یہ مرغ بطور ہدیہ لائے اور کہا: خدا نے مجھ پر وحی کی کہ یہ مرغ جو بہشت کی بہترین غذاؤں میں سے ایک ہے، آپ کے لیے لے جاؤں۔

میں نے شکرِ خدا ادا کیا اور دعا کی: پروردگارا! اس شخص کو بھیج جو تجھ سے نیز مجھ سے بھی محبت رکھتا ہو تاکہ وہ میرے ساتھ یہ مرغ تناول کرے۔ اس دعا کے بعد کچھ دیر صبر کیا لیکن کوئی نہ آیا! دوبارہ دعا کی۔ اس وقت دروازہ پیٹنے کی آواز آئی۔ میں نے عائشہ سے کہا: دروازہ کھولو تاکہ مہمان اندر آ جائے۔ اب میں خدا کا شکر بجالاتا ہوں کہ میری دعا کی اجابت تیری صورت میں ظاہر ہوئی۔ یہ شکر اس لیے کیونکہ خدا نے بھی تیرے خدا اور اس کے رسول سے محبت کرنے کی تائید کر دی ہے۔ ویسے ہی جیسے تُو خود بھی خدا اور اس کے رسول کا محبوب ہے۔ علیؑ کھانا شروع کرو!

جب میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا چکا، آپ نے مجھ سے فرمایا: یا علیؑ، اب تم بتاؤ، دیر سے کیوں آئے؟

عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ سے جدا ہونے کے بعد میں گھر گیا تھا۔ کچھ وقت فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ کے ساتھ بتایا۔ اس کے بعد اٹھ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ آ کر دق الباب کیا۔

رکھتی ہے نیز وہ تجھ پر مشفق اور مہربان ہے۔ اس حادثے میں علیؑ تجھے نصیحت کرے گا کہ کوئی ایسا کام نہ کرنا جس کی وجہ سے میں رسولﷺ کے ساتھ تیری زوجیت منقطع کر دوں اور روزِ قیامت تُو (اس حال میں اٹھے کہ) رسولﷺ کی ہمسر نہ ہو! ہاں! علیؑ میری وفات کے بعد میری تمام ازواج سے میرا رشتہ ازدواج منقطع کر سکتا ہے اور جس زوجہ سے علیؑ میرا رشتہء ازدواج منقطع کر دے گا روزِ قیامت بھی اس کے اور میرے درمیان کوئی رشتہ برقرار نہیں رہے گا!

عائشہ نے یہ بات سن کر کہا: کاش میں اس دن کے آنے سے پہلے مر جاؤں!

رسول اللہﷺ نے فرمایا: نہیں نہیں!... اس خدا کی قسم جس کے اختیار میں میری جان ہے۔ میں نے جو کہا وہ ہو کر رہے گا۔ گویا میں یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

اس کے بعد میری جانب رُخ کر کے فرمانے لگے: یا علیؑ، اٹھو نمازِ ظہر کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ چلتے ہیں تا کہ بلال اذان اور اقامت کہے۔

ہم مسجد پہنچے۔ بلال نے اذان و اقامت کہی اور ہم سب نے رسول اللہﷺ کی امامت میں نماز ادا کی۔[1]

مسجد میں کھلنے والے تمام در بند ہو گئے سوائے میرے دروازے کے

[رسول اللہﷺ کی مدینہ آمد کے بعد آپ نے مسجد مدینہ (نبوی) کی بنیاد رکھی تھی۔ کچھ مہاجرین نے مسجد کے اطراف میں اپنے گھر بنائے اور مسجد میں آمد و رفت کی سہولت کی خاطر اپنے دروازے مسجد (کے صحن) میں نکال لیے۔ یہ صورتِ حال کچھ دن تو برقرار رہی۔ لیکن پھر حکمِ الٰہی نازل ہوا کہ یہ تمام در بند کر دیے جائیں۔ البتہ اس حکم سے فقط ایک ہی دروازہ مستثنٰی تھا، اور وہ میرے گھر کا دروازہ تھا۔ یہ استثنٰی اصحاب رسولﷺ پر گراں گزرا۔ اس بات کی تفصیل بیان کرنے کی غرض سے]

رسول اللہﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: موسیٰؑ نے خدا سے چاہا تھا کہ ان کی مسجد ہارون کے ہاتھوں پاک ہو۔ میں نے بھی خدا سے درخواست کی کہ میری مسجد کی تطہیر بھی تیرے اور تیری نسل

---

1. الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۹۷.

کے ہاتھوں ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بات بتانے کے بعد کسی کو ابو بکر کے پیچھے بھیجا اور حکم دیا کہ اس کے گھر کا جو در مسجد میں کھلتا ہے، اسے بند کر دے۔ اس نے سنتے ہی کلمہء استرجاع پڑھا۔ اس کے بعد حکم خدا کی تعمیل کی اور اپنے گھر کے مسجد میں کھلنے والے دروازے کو بند کر دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کسی کو عمر اور عباس کے پاس بھیجا اور انہیں بھی صحنِ مسجد میں کھلنے والے ان کے گھروں کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔ ان اقدامات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کو تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: مسجد میں تمہارے گھر کے کھلنے والے دروازے میں نے اپنی چاہت سے بند نہیں کیے نہ اپنی مرضی سے علیؑ کے گھر کا دروازہ کھلا رکھنے کا حکم صادر کیا ہے۔ یہ دونوں حکم (میرے نہیں بلکہ) خدا کے تھے۔[1]

[1] مجمع الزوائد: ج۹، ص۱۱۴؛ مناقب ابن المغازلی: ص۲۹۹؛ کنز العمال: ج۱۳، ص۱۷۵۔

۱۲۔ رسول اللہ ﷺ کی پریشانی

٭ بدر و احد کا دلوں میں پنہاں کینہ

میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مدینے کے اطراف میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ چلتے چلتے ہم ایک باغ تک پہنچے۔ میں نے حضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ! کتنا خوبصورت باغ ہے!

آپؐ نے فرمایا: ہاں بہت خوبصورت ہے۔ لیکن جنّت میں تمہارے لیے اس سے زیادہ حسین باغ موجود ہے۔

ایک دوسرے باغ میں پہنچے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ باغ کس قدر حسین ہے!

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہت حسین ہے۔ لیکن جنّت میں تمہارے لیے اس سے زیادہ حسین باغ موجود ہے۔

اسی طرح سات باغ گزر گئے۔ ہر باغ کے بارے میں مَیں عرض کرتا: یا رسول اللہ ﷺ! یہ کس قدر حسین ہے اور آپ فرماتے: بہشت میں تمہارے لیے اس سے زیادہ حسین باغ موجود ہے۔

جب راستے پر کوئی نہ رہا، رسول اللہ ﷺ نے مجھے سینے سے لگایا اور زار و قطار روتے ہوئے فرمایا: میرے والد قربان بے یار و مددگار شہید پر!

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ آپ گریہ کیوں فرما رہے ہیں؟

فرمایا: بعض افراد کے دلوں میں تیرے لیے پنہاں کینے موجود ہیں جنہوں وہ میرے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد ظاہر کریں گے۔ یہ کینے جنگِ بدر و اُحد سے ان کے دلوں میں موجود ہیں۔

عرض کیا: کیا اس وقت میرا دین سالم ہو گا؟

آپؐ نے فرمایا: ہاں! اس دن تیرا دین سالم ہو گا۔ یا علیؑ، تجھے بشارت ہو! تو اس دنیا میں بھی میرے ہمراہ ہے اور آخرت میں بھی میرے ہمراہ ہو گا۔ تو میرا بھائی اور جانشین ہے۔ تو میرا منتخب کردہ، وزیر،

وارث اور میری ذمہ داریوں کا نبھانے والا ہے۔ تو میرا قرض ادا کرے گا۔ میرے وعدوں کو وفا کرے گا۔ میرے ذمہ چیزوں کو ادا کرے کے مجھے ان سے بری کرے گا۔ میرے پاس موجود امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچائے گا۔ تو میری سُنّت کے مطابق میری اُمّت کے ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جنگ کرے گا۔ مجھ سے تیرا رابطہ ویسا ہی ہے جیسے موسیٰؑ کا رابطہ ہارون سے تھا۔ ہارون تیرے لیے مناسب اور اچھا نمونہ ہیں۔ اس وقت جب ان کی قوم نے انہیں ضعیف شمار کیا اور انہیں قتل کرنے تک جا پہنچی۔ لہذا تو بھی قریش کے ستم اور ان کی ملی بھگت کے سامنے صبر سے کام لے۔ کیونکہ تو موسیٰؑ اور ان کے پیروکاروں کی نسبت ہارون جیسا ہے اور یہ سامری کے گوسالے اور اس کے پیروکاروں جیسے ہیں۔ موسیٰؑ نے اپنی قوم میں ہارون کو اپنی جانشینی کے لیے منتخب کرنے کے بعد انہیں حکم دیا تھا: اگر لوگ گمراہ ہو جائیں اور اس وقت ہارون کے پاس مدد کرنے والے ساتھی ہوں تو گمراہ افراد سے جہاد کرنا۔ لیکن اگر مدد گار اور ساتھی نہ پائیں تو صبر کریں، اپنی جان کی حفاظت کریں اور ان کے درمیان اختلاف پیدا نہ کریں۔

یا علیؑ، خُدا نے جس نبی کو بھی مبعوث کیا، اس کے سامنے ایک گروہ اختیار اور میل سے جبکہ دوسرا دلی رغبت کے بغیر تسلیم ہوا۔ انبیا کے بعد ان دو گروہوں میں لڑائی رہی۔ جو بغیر دلی رغبت کے تسلیم ہوئے تھے وہ پہلے گروہ پر مسلّط ہو گئے۔ یہاں تک کہ دوسرے گروہ نے پہلے گروہ کو قتل کر ڈالا اور یوں یہ پہلے گروہ کے اجر و پاداش کے زیادہ ہونے کا موجب بنے۔

یا علیؑ! ہر امت میں اس کے پیغمبر کے بعد اختلاف پھوٹ پڑا۔ اس اختلاف کے نتیجے میں باطل پرست حق پرستوں پر غالب آ گئے۔ میری امت بھی پچھلی امتوں جیسی ہے۔ خدا نے اس امت میں بھی راہِ اختلاف و تفرقہ کو کھلا رکھا ہے! البتہ اگر خدا چاہتا تو انہیں راہِ ہدایت پر رکھ سکتا تھا۔ یہاں تک کہ دو افراد کے درمیان بھی کوئی اختلاف باقی نہ رہتا اور یہ الٰہی امور میں ایک دوسرے کے دست و گریباں نہ ہوتے نیز کوئی بافضیلت اور ممتاز افراد کی فضیلت کا انکار نہ کرتا۔ ہاں! اگر خدا چاہتا تو اسی دنیا میں ظالموں سے انتقام لے لیتا، انہیں نعمتوں سے محروم کر دیتا یوں سب کے لیے روشن ہو جاتا کہ اہل باطل راہِ گمراہی پر چل رہے ہیں اور اہلِ حق سعادت کی جانب گامزن ہیں۔ لیکن خدا کی منشا یہ نہیں تھی۔ تقدیرِ الٰہی یہ قرار پائی ہے کہ دنیا اعمال کی انجام دہی کا مقام ہے جبکہ آخرت جائے قرار اور

اس کے بعد فرمایا: یا علیؑ، جو تجھے قتل کرے گا وہ ایسا ہے جیسے اُس نے مجھے قتل کیا۔ جو تجھے غضبناک کرے گا گویا اس نے مجھے غضبناک کیا۔ جس نے تیری اہانت کی در حقیقت اس نے میری توہین کی۔ کیونکہ تو میرے لیے روح جیسا ہے، تیری روح میری روح سے اور تیری سرشت میری سرشت سے ہے۔ خدا نے تجھے اور مجھے ایک ساتھ خلق کیا اور ہم دونوں کو ہی منتخب فرمایا۔ مجھے نبوّت کے لیے اور تجھے امامت کے لیے۔ جس نے تیری امامت کا انکار کیا اس نے میری نبوّت کا انکار کیا! یا علیؑ! تُو میرا وصی، میرے بیٹوں کا پدر، میری بیٹی کا شوہر اور میری امت میں میرا جانشین ہے، میری زندگی میں بھی اور اس کے بعد بھی۔ تو جس چیز کا حکم دے گا وہ ایسی ہے جیسے میں نے اس کا حکم دیا ہو۔ جس چیز کی تو نہی کرے گا وہ ایسے ہی جیسے میں نے اس سے منع کیا ہو۔ اس خدا کی قسم جس نے مجھے نبوت کے ساتھ مبعوث کیا اور اپنی خلق کے درمیان افضل ترین مخلوق بنایا، تو خدا کی خلق پر اس کی حجّت، خدا کے اسرار کا امین اور خدا کے بندوں کے درمیان اس کا جانشین ہے۔[1]

[1] امالی صدوق: ص ۹۳؛ عیون اخبار الرضا علیہ السلام: ج ۱، ص ۲۹۷؛ فضائل الاشہر الثلاثۃ: ص ۷۹؛ روضۃ الواعظین: ج ۲، ص ۳۲۴.

۱۳۔ رسول اللہ ﷺ کا دنیا سے وداع

۞ علم کے ہزار باب کھلے

رسول اللہ ﷺ بستر علالت پر تھے۔ وہی بیماری جس میں آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ ان دنوں میں رسول اللہ ﷺ نے دوسروں کی نظروں سے دور مخفی طور پر مجھے علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے جن میں سے ہر ایک سے میرے سامنے ہزار ہزار باب اور کھلتے چلے گئے۔ اگر آپؐ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے میری پیروی کی ہوتی اور میری رہنمائی کو قبول کرتے، تو آسمان اور زمین سے ان پر برکاتِ الٰہی کا نزول ہوتا اور یہ آسمان و زمین کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوتے۔[1]

۞ علیؑ کے شیعہ اور ساتھی

یہ بات رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے رخصت ہونے سے ایک روز قبل کی ہے۔ میں ان کا سر اپنی آغوش میں لیے بیٹھا تھا۔ آپؐ نے مجھ سے آہستہ سے فرمایا: یا علیؑ، کیا تُو نے قرآن کی اس آیت کی جانب توجّہ کی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ هُمۡ خَیۡرُ الۡبَرِیَّةِ﴾[2]

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے یقیناً یہی لوگ مخلوقات میں بہترین ہیں۔

کیا تو جانتا ہے «خیر البریہ» کون ہیں؟

میں نے عرض کی: خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس سے مراد تیرے شیعہ اور ساتھی ہیں۔ میری اور ان کی وعدہ گاہ حوضِ کوثر ہے۔ روزِ قیامت ایسا سخت دن ہو گا کہ تمام اُمّتیں ڈر کی شدّت کی وجہ سے زانو کے بل بیٹھ جائیں گی، خدا تمام خلق کو ان کے اعمال دکھانے کے لیے اپنی بارگاہ میں طلب کرے گا، لوگوں کے

---

[1] الاحتجاج: ج۱، ص۱۵۳؛ کتاب سلیم بن قیس: ج۲، ص۶۵۸.

[2] بینہ: ۷.

پاس اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا۔ ان سخت حالات میں، الٰہی منادی تجھے اور تیرے شیعوں کو بلائیں گے۔ تم نورانی چہروں کے ساتھ جو سرور اور خوشی میں ڈوبے ہوئے ہوں گے کراماتِ الٰہی سے بہرہ مند ہوتے ہوئے جواب دو گے اور بارگاہ خدا میں حاضر ہو جاؤ گے۔

رسول اللہ ﷺ نے بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا: یا علیؑ! کیا تم نے اس آیت کی جانب بھی توجّہ کی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ وَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ فِیۡ نَارِ جَہَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ؕ اُولٰٓئِکَ ہُمۡ شَرُّ الۡبَرِیَّۃِ ؕ﴾[1]

اہلِ کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر ہو گئے وہ یقینا جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے، یہی لوگ مخلوقات میں بدترین ہیں۔

ان افراد سے مراد یہود، بنو اُمیّہ اور ان کے شیعہ اور پیروکار ہیں۔ یہ روزِ قیامت بدبختی اور بھوک کی شدّت کے ساتھ، رُوسیاہ مبعوث ہوں گے۔[2]

❁ میری گود میں رسول ﷺ کی آنکھ بند ہوئی

جب رسول اللہ ﷺ نے جان، جانِ آفرین کے سپرد کی، آپ کا سر میرے سینے پر تھا۔ آپؐ نے میری باہوں میں جان دی اور میں نے تبرک اور برکت کی غرض سے اپنے ہاتھ اپنے چہرے پر ملے۔

رسول اللہ ﷺ کے غسل کی ذمہ داری میری تھی۔ میں نے ملائکہ کی مدد سے آپؐ کو غسل دیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ در و دیوار میرے ساتھ ہم نالہ ہیں! فرشتے گروہ در گروہ نازل ہوتے اور کچھ دیر بعد پرواز کر جاتے پھر واپس آتے۔ میرے کانوں میں ملائکہ کی دھیمی آواز گونج رہی تھی جو آپ کی نماز جنازہ پڑھ رہے تھے۔ یہ سلسلہ آپ کو سپردِ خاک کرنے تک جاری رہا۔[3]

---

[1] بینہ:۶.

[2] کتاب سلیم بن قیس: ج۲، ص ۳۲؛ شواہد التنزیل: ج۲، ص۴۵۹؛ کشف الغمۃ: ج۱، ص ۳۰۲؛ کشف الیقین: ص ۳۶۶؛ تاویل الآیات الظاہرۃ: ص۸۰۱.

[3] نہج البلاغہ: خطبہ ۱۹۷؛ امالی مفید: ص ۲۷ ح ۵؛ امالی طوسی: ص ۱۱، ح ۱۳.

آپ کے فراق میں کثرت سے رونا بھی کم ہے

[جب میں رسول اللہ ﷺ کا غسل و کفن کر چکا، وداع اور آخری دیدار کا وقت آن پہنچا۔ میں نے آپ کے چہرے سے کفن ہٹایا اور اپنا دردِ دل یوں بیان کیا:]

میرے ماں باپ آپ پر فدا! آپ نے کیا اچھی زندگی گزاری اور کیا ہی اچھی موت پائی!

آپ کی وفات سے وہ رشتہ ٹوٹ گیا جو کسی دوسرے کی موت سے نہیں ٹوٹا تھا کیونکہ آپ کی وفات سے نبوت کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور زمین پر آسمانی خبریں اترنا بند ہو گئیں۔

آپ کے چلے جانے کی مصیبت اس قدر بڑی ہے کہ اس کے مقابل ہر مصیبت چھوٹی ہے۔ ایسی مصیبت جس نے ہر دل کو دبوچ لیا ہے نیز سب کو غم زدہ کر دیا ہے۔

اگر آپ نے مجھے صبر کی تلقین نہ کی ہوتی اور ناصبری کی نہی نہ فرمائی ہوتی، میں آپ کے فراق میں اتنا روتا کہ میری آنکھوں کے آنسو (رو رو کر) خشک ہو جاتے۔ ہر چند کہ اس کے بعد بھی دردِ فراق تمام ہونے والا نہیں، (یہ) رنج و اندوہ ختم ہونے والا نہیں لیکن یہ سب آپ کی مصیبت میں کچھ بھی نہیں۔[1]

مترجم عرض کرتا ہے: بعض حضرات امام علیؑ علیہ السلام کے اس قول کو اہل بیت علیہم السلام پر کی جانے والی عزاداری کے غیر مشروع ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے یوں استدلال کرتے ہیں: خود مولا علیؑ علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کی رحلت پر رونے کو خلاف صبر بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہیں نہ رونے کا حکم خود رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا۔ لہذا جب رسول اللہ ﷺ پر امام علیؑ علیہ السلام ان کے منع کرنے کی وجہ سے گریہ نہیں فرماتے تو بقیہ اہل بیت علیہم السلام کی مصیبت پر ہمیں کس طرح گریہ وزاری کرنے کا حق ہے؟

جواباً عرض ہے کہ کسی بھی فقہی یا شرعی حکم کو اخذ کرنے کے لیے فقط ایک روایت پر اکتفا کرنا خلافِ تحقیق ہے۔ کسی بھی موضوع پر تمام روایات اور احادیث کو جمع کر کے ان سے حکم کا استخراج ہی قرین عقل و تحقیقی عمل ہے۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ یہی امام علیؑ علیہ السلام جناب زہرا علیہا السلام کی وفات پر گریہ وزاری کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ خود جناب زہرا علیہا السلام اپنے والد کی رحلت پر اس قدر گریہ کرتی ہیں کہ لوگ امام علیؑ علیہ السلام سے آکر ان کے گریے کی شکایت کرتے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ کا جناب حمزہ علیہ السلام پر گریہ کرنا تاریخی مسلمات میں سے ہے۔ بعد ازاں ائمہ اہل بیت علیہم السلام تمام اہل بیت پر بالعموم جبکہ امام حسین علیہ السلام پر بالخصوص گریہ وزاری کرنے نیز ان

میرے ماں باپ آپ پر قربان! ہمیں اپنے رب کے سامنے یاد رکھیے گا اور اپنی یادوں میں بسائے رہیے گا!

[میں جھکا، رسول ﷺ کے حسین رخِ انور کا بوسہ لیا اور دوبارہ چہرے کو کفن سے ڈھانپ دیا۔][1]

رسول اللہ ﷺ سے جدائی، ایک عظیم مصیبت

[جب رسول اللہ ﷺ کے جسدِ خاکی کو دفنایا جا رہا تھا، اس وقت آپ کی قبر کے کنارے کھڑے ہو کر میں نے غم اور بے تابی کے عالم میں کہا تھا:]

صبر کرنا اچھا ہے، سوائے آپ کو کھو دینے کے غم میں
بے تابی اور بے صبری اچھی نہیں مگر آپ کے چلے جانے کے غم میں

کی عزاداری برپا کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ ان تمام روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اہلبیت علیہم السلام کا عزاداری اہل بیت علیہم السلام پر موقف بہت واضح اور جواز کا ہے۔ لہذا اس ایک روایت کو بقیہ روایات کے ساتھ ملا کر حکم کا استخراج کیا جائے گا اور یہ روایت قبول کرنے کی صورت میں معقول تاویل کی نازمند قرار پائے گی۔ عین ممکن ہے کہ یہاں پر ایسی عزاداری اور گریہ وزاری سے منع کیا گیا ہو جس میں زبانِ اعتراض کھلے اور نازیبا الفاظ برآمد ہوں۔ ایسی صورت میں یہ جملہ ہر قسم کی گریہ وزاری اور عزاداری کو شامل نہیں ہو گا بلکہ مذکورہ خاص مورد تک محدود ہو جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ حکم فقط جنابِ امیر علیہ السلام کے لیے ہو تاکہ وہ اپنے ذمہ لگائے گئے کاموں کو جلد از جلد انجام دیں جیسا کہ اس کے بعد نقل شدہ روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس صورت میں رسول اللہ ﷺ کی یہ وصیت اس عمل کے ناجائز ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے تھی تاکہ امام علیؑ خود کو سنبھالیں اور دیگر اہم امور کی انجام دہی کو یقینی بنائیں۔ جیسا کہ اس کے بعد نقل ہونے والی حدیث میں خود امام کی زبانی نقل ہوا ہے۔ اس کے علاوہ اسی نہج البلاغہ کلمات قصار ۲۹۲ میں امام علیؑ رسول اللہ ﷺ پر گریہ کرنے کو ایک درست بلکہ مستحسن عمل بیان کرتے ہیں۔ لہذا ممکن ہے ہم اس فرمان میں مضمر اصل وجہ نہ جان پا رہے ہوں لیکن اتنا واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور اہل بیت علیہم السلام کی سیرت مشترکہ میں گزر جانے والے پر گریہ کرنا نہ فقط یہ کہ جائز ہے بلکہ بعض مقامات پر مطلوب و مستحسن و مستحب بھی ہے۔ واللہ العالم۔

[1] امالی مفید: ص ۲۶۷؛ نہج البلاغہ: خطبہ ۲۳۵؛ شرح نہج البلاغہ: ج ۱۳، ص ۴۲۔

آپ کو کھو دینا ایک عظیم مصیبت ہے
اور اس کے مقابل ہر مصیبت، ناچیز ہے۔[1]

فراقِ رسول ﷺ پر صبر

مسلمانوں کے درمیان، رسول اللہ ﷺ کے سوا میرا کوئی مونس نہیں تھا۔ میرا تمام تر اُنس رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ جس قدر میں ان سے نزدیک تھا کسی دوسرے کے قریب نہ ہُوا اور جس قدر مجھے اُن پر اعتماد تھا کسی دوسرے پر نہ تھا۔ میں اُن کا سب سے قریبی فرد تھا اور فقط وہی میری پناہ گاہ اور سہارا تھے...

رسول اللہ ﷺ کی وفات سے مجھ پر ایسے غم ٹوٹے کہ اگر پہاڑوں پر ٹوٹتے تو وہ انہیں برداشت نہ کرپاتے۔ خاندان کے تمام افراد بے حال تھے، وہ غم کی وجہ سے اپنا اختیار کھو چکے تھے اور خود پر قابو نہ پاتے تھے۔ حقیقت میں اُن میں اس سنگین غم کو اُٹھانے کی سکت نہیں تھی۔ اِس عظیم مصیبت نے اُن کا صبر ختم کر دیا تھا۔ ان کی قوتِ ارادی ختم ہوگئی تھی۔ نہ کچھ کہہ پا رہے تھے اور نہ کچھ سن پا رہے تھے نہ کچھ مانگ پا رہے تھے۔ گویا اپنی عقل کھو چکے تھے اور کچھ سمجھتے نہیں تھے۔

باقی افراد بھی اس غم سے متاثر تھے۔ ایک گروہ ہم سے تعزیت کرتے ہوئے تسلّی دے رہا تھا جبکہ دوسرا گروہ ہمارے ساتھ روتے ہوئے تڑپ رہا تھا۔

اس وقت فقط ایک میں تھا جس نے لجامِ صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دیا، خود پر قابو رکھا، خاموش رہا اور رسول اللہ ﷺ کے غسل و کفن اور نماز کے حوالے سے دیے گئے اوامر کی تعمیل میں مشغول رہا۔ میں نے آپؐ کا بدن مبارک سپردِ خاک کیا اور اس کے بعد آپ کے حکم کے مطابق آیات اور قرآنی سوروں کو جمع کیا۔

فراوان اشک، جان سوز نالے، دل گرفتگی اور مصیبتِ عظیم نے مجھے ان ذمہ داریوں کو نبھانے سے باز نہیں رکھا۔ یہاں تک کہ میں نے خدا اور اس کے رسول کا (خود پر) واجب حق ادا کیا، جس چیز کا مجھے حکم دیا تھا اسے پورا کیا نیز بردباری اور دُور اندیشی کے ساتھ ان سب مشکلات کو برداشت کیا۔[1]

---

[1] نہج البلاغہ: کلمات قصار ۲۹۲۔

[1] الخصال: ج ۲، ص ۳۷۰؛ الاختصاص: ص ۱۷۰؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۴۸؛ مناقب آل ابی طالب: ج ۱، ص ۲۷۲.

فصل سوم:

خلفاء کا زمانہ

۱۔ حقِ خلافت غصب ہوا۔

۲۔ امامت و خلافت کے سلسلے میں لوگوں پر اتمام حجت۔

۳۔ اوج تنہائی اور بے یاوری۔

۴۔ حفاظتِ وحدت کی خاطر سکوت۔

۵۔ ابوبکر کے ساتھ مناظرہ۔

۶۔ فدک کا غم انگیز واقعہ۔

۷۔ شہادتِ فاطمۃ الزہراء علیہا السلام۔

۸۔ خلیفۂ دوم کی خلافت کا آغاز۔

۹۔ امین مشاور، شفیق نقاد۔

۱۰۔ انحرافات کی کھلی مخالفت۔

۱۱۔ عدالتی معاملات میں رہنمائی۔

۱۲۔ چھ رکنی شوارئے خلافت۔

۱۳۔ عثمان کی خلافت کا آغاز۔

۱۴۔ حدود الٰہی کے اجرا پر زور۔

۱۵۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب خاص کا دفاع۔

۱۶۔ عثمان کے خلاف ہونے والی شورش کے اسباب۔

۱۷۔ عثمان کا عوام کے اعتراضات کو غلط رنگ دینا۔

۱۸۔ معترض افراد کی نمائندگی۔

۱۹۔ قتلِ عثمان کے اسباب۔

ا۔ حقِ خلافت غصب ہوا

۞ خلافت کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی تدابیر کو نظر انداز کرنے کی سازش

رسول اللہ ﷺ اپنی طول حیات میں مجھے اُمّت کا امیر متعارف کروا کر اس کا سربراہ بنا کر گئے۔ آپ نے اپنے پاس حاضر تمام افراد سے میری بیعت لی تاکہ وہ سب میرا کہا قبول کریں نیز میرے حکم کے تابع رہیں۔ آپؐ نے حاضرین کو یہ حکم بھی دیا تھا کہ غیر حاضر افراد تک یہ بات پہنچا دیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ حیات میں مَیں آپ کے احکامات بقیہ افراد تک پہنچایا کرتا تھا۔ جب بھی کوئی مسافرت پیش آتی، ساتھ چلنے والے افراد کا فرمانده مَیں ہوتا۔ میری حیثیت اور مقام دیکھ کر گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ زمانۂ حیاتِ رسول ﷺ اور ایسے ہی ان کی وفات کے بعد، اُمّت کی سربراہی اور ولایت کے مسئلے بلکہ دوسرے کسی بھی معاملے میں کوئی میری مخالفت کرے گا اور خود کو میرا حریف قرار دے گا۔

رسول اللہ ﷺ اپنی حیات کے آخری ایّام میں بستر علالت سے جا لگے۔ وہ جان گئے تھے کہ یہ بیماری ان کی رحلت پر منتہی ہوگی۔ انہوں نے تدبیر کرتے ہوئے حکم دیا کہ اسامہ بن زید کی سربراہی میں مدینہ سے ایک لشکر عازمِ سفر ہو۔ اس تدبیر سے آپ نے ان تمام قریشیوں، اوس و خزرج کے افراد اور دوسرے ان افراد کو جن کی جانب سے بیعت شکنی کا امکان تھا اور جو بغاوت کر سکتے تھے، اسامہ کی کمان میں دے کر لشکر میں شامل ہونے کا حکم دے دیا۔ آپؐ نے ان تمام افراد کو جن کے باپ دادا، بیٹے یا دیگر رشتے دار جنگوں میں میرے ہاتھ سے مارے گئے تھے یا جن کے قلوب میں میرا لیے کسی نہ کسی زاویے سے کوئی دشمنی یا کدورتیں تھی، نیز تمام مہاجرین و انصار اور ضعیف الاعتقاد مسلمان و منافقین کو لشکر اسامہ میں شامل ہونے کا حکم دیا تاکہ ان کے پاس فقط پاک دل اور باایمان افراد کا وہ گروہ رہ جائے جو زبان پر بے جا باتیں نہیں لائے گا نیز بعدِ رسول ﷺ مجھے اُمّت کی رہبری اور خلافت سے جُدا نہیں کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا آخری کلام یہ تھا کہ جس قدر جلدی ہو سکے لشکرِ اسامہ کو روانہ کیا جائے اور جو کوئی بھی اسامہ کی سربراہی میں لشکر میں ہے وہ اس کے ساتھ جانے سے تخلف نہ کرے۔ اس بات پر رسول اللہ ﷺ نے بہت زیادہ تاکید فرمائی اور واضح انداز میں حکم صادر فرمایا تاکہ یہ لشکر اپنے مقصد کی جانب کوچ کرے لیکن افسوس! آپؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی غیر متوقع حالات پیش آئے؛ وہی افراد جنہیں آپؐ نے لشکرِ اسامہ میں مدینے سے باہر بھیج دیا تھا، وہ اپنی چھاؤنی چھوڑ کر، کھلم کھلا رسول اللہ ﷺ کے حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے، اسامہ کو تنہا چھوڑ کر بھاگے بھاگے مدینہ پہنچ گئے تاکہ رسول اللہ ﷺ سے میری خلافت کے بارے میں کیے گئے پیمان کو توڑ ڈالیں، عہدِ خدا اور رسول کو پارہ پارہ کر دیں اور شور شرابا اور ہنگامہ برپا کر کے اپنے لیے کوئی دوسرا پیشوا چنیں۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ خلیفہ کے انتخاب میں انہوں نے بنی عبد المطلب میں سے کسی کی رائے نہیں لی؛ کیونکہ ان کا اصلی ہدف میری بیعت توڑنا تھا جو اس سے قبل ان کی گردنوں میں پڑ چکی تھی۔

وہ وہاں عہد شکنی اور انتخابِ خلیفہ میں مشغول تھے اور مَیں یہاں رسول اللہ ﷺ کی آخری رسومات اور ان کے پیکرِ مقدّس کے دفن میں مصروف تھا۔ میرے لیے آپؐ کا جنازہ چھوڑ کر کوئی دوسرا کام انجام دینا روا نہیں تھا؛ کیونکہ حرمتِ پیغمبر ﷺ کا تحفظ اور ان کی تکریم کسی بھی دوسری چیز پر مقدم تھی۔

میرا دل پہلے ہی فراقِ رسول ﷺ میں مجروح تھا۔ میں نے وہ عزیز شخص کھو دیا تھا کہ بعدِ خدا فقط اس پر اعتماد کرتا تھا۔ ان عجیب حالات اور عہد شکنی نے میرا دل چیر کر رکھ دیا تھا۔ اس تلخ حادثے (یعنی رحلت رسول ﷺ) کے بعد بلا فاصلہ ایک اور تلخ تر مصیبت آن پڑی لیکن میں نے اس پر بھی صبر کیا۔[1]

۞ عظیم امتحان سے گزرنے کا وقت آن پہنچا

[رسول اللہ ﷺ کے دفن کے بعد ان کی قبر بنانے میں مصروف تھا، خبر ملی کہ لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کر لی ہے۔ یہ خبر سنتے ہی ان آیات کی تلاوت کی:]

---

1 الخصال: ص ۳۷۱؛ الاختصاص: ص ۱۷۰؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۴۹.

﴿بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۞ الٓمّٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنۡ يُّتۡرَكُوۡۤا اَنۡ يَّقُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا وَ هُمۡ لَا يُفۡتَنُوۡنَ ۞ وَ لَقَدۡ فَتَنَّا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَلَيَعۡلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَ لَيَعۡلَمَنَّ الۡكٰذِبِيۡنَ ۞ اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ اَنۡ يَّسۡبِقُوۡنَا ؕ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ﴾[1]

بنام خدائے رحمن رحیم۔ الف، لام، میم۔ کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ صرف اتنا کہنے سے چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور یہ کہ وہ آزمائے نہیں جائیں گے؟ اور بتحقیق ہم ان سے پہلوں کو بھی آزما چکے ہیں کیونکہ اللہ کو بہر حال یہ واضح کرنا ہے کہ کون سچے ہیں اور یہ بھی ضرور واضح کرنا ہے کہ کون جھوٹے ہیں۔ برائی کے مرتکب افراد کیا یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہم سے بچ نکلیں گے؟ کتنا برا فیصلہ ہے جو یہ کر رہے ہیں۔[2]

۞ اختلاف کیسے پیدا ہوا؟

رسول اللہ ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی کچھ افراد حکومتی معاملات کے سلسلے میں ایک دوسرے کے مقابل آ گئے اور لڑائی جھگڑا شروع کر دیا۔ خدا کی قسم، کسی کے فکر و خیال میں بھی نہیں تھا کہ عرب بعدِ رسول ﷺ خلافت کو ان کے اہلِ بیتؑ سے دور کر دیں گے؛ ایسے ہی میری بیعت کرنے اور میری خلافت کا اقرار کرنے کے بعد لوگوں کی جانب سے عہد شکنی کی اُمید بھی نہیں تھی۔

کچھ افراد کا ہر طرف سے ابو بکر کی بیعت کرنے کے لیے دوڑ پڑنا بڑا ہی تعجب خیز اور پریشان کن تھا۔ کیونکہ میں لوگوں کے درمیان خود کو خلافتِ رسول ﷺ کے لیے سب سے زیادہ قابل سمجھتا تھا۔ جن افراد نے یہ ذمہ داری اٹھائی میں ان سے زیادہ حق رکھتا تھا۔ اس کے باوجود بھی میں نے خلافت سے ہاتھ اٹھا لیا۔[3]

۞ مہاجرین و انصار میں اختلاف

جب خدا نے اپنے رسول ﷺ کو اپنی جناب میں بلا لیا اور ان کی روح قبض ہوئی، قریش [نے

---

1 عنکبوت: ۱ تا ۴۔

2 الارشاد: ج ۱، ص ۱۹۰۔

3 الغارات: ج ۱، ص ۲۰۲؛ شرح نہج البلاغہ: ج ۶، ص ۹۵؛ الامامۃ والسیاسۃ: ج ۱، ص ۱۷۵۔

رسول اللہ ﷺ سے کیے عہد و پیمان کی جانب توجّہ کیے بغیر] کہا: امیر اور حاکم ہم میں سے ہونا چاہیے۔ ان کے مقابل انصار کھڑے کہہ رہے تھے: امیر ہم میں سے ہونا چاہیے۔ قریش نے کہا: چونکہ محمد ﷺ ہم میں سے ہیں، اس لیے ہم حکومت کے زیادہ حق دار ہیں۔ انصار ان کے استدلال کے سامنے تسلیم ہو گئے۔ انہوں نے قریش کا حق مان لیا اور یوں حکومت ان کے ہاتھ میں تھما دی۔ اب اگر قریش کا استدلال درست سمجھا جائے اور انصار پر قریش کی برتری کا معیار رسول اللہ ﷺ کی قرابتداری کو جانا جائے پھر یہ بھی واضح کرنا پڑے گا کہ جو رسول اللہ ﷺ کا سب سے نزدیک ترین شخص ہو گا وہ خلافت کا سب سے زیادہ حقدار ہو گا۔ [ایسی صورت میں کیا کوئی مجھ سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تھا؟!] لیکن اگر اس استدلال کو سرے سے ہی قبول نہ کیا جائے تو قریش کو دوسروں پر کوئی امتیاز حاصل نہ ہو گا اور حکومت میں انصار کا حصّہ بقیہ افراد کے مقابل زیادہ ہو گا۔

بہر حال نہیں معلوم کہ کیا قریش کے مہاجرین کو میرا حق ضائع کرنے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی اور انہیں اس میں امنیّت محسوس ہوئی؟! یا یہ کہ میں رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ترین فرد ہونے کے عنوان سے امر خلافت میں کوئی حق نہیں رکھتا تھا اور انہوں نے قرابتداری کا نعرہ لگا کر جو حق خلافت مہاجرین کو دیا اور انصار کو اس سے محروم کر دیا، تو کیا انہوں نے انصار پر ظلم کیا؟! میں تو اتنا جانتا ہوں کہ میرا حق پائمال کیا گیا، اگرچہ میں نے اس سے ان افراد کی خاطر چشم پوشی کی اور خدا سے بھی چاہوں گا کہ وہ ان سے درگزر سے کام لے۔[1]

---

[1] وقعۃ صفین: ص ۹۱؛ العقد الفرید: ج ۴، ص ۳۲۶؛ مناقب خوارزمی: ص ۲۵۳؛ شرح نہج البلاغہ: ج ۱۵، ص ۷۸۔
مترجم عرض کرتا ہے: مذکورہ روایت نقل کرنے کی وجہ امام علیؑ علیہ السلام کی زبان سے نقل ہونے والا مذکورہ استدلال تھا جس میں وہ خود کو خلافت کے لیے احق سمجھتے تھے. البتہ اس روایت کا آخری جملہ جس میں درگزر اور صرف نظر کی بات ہے، وہ متعدد وجوہات کی بنا پر قابل قبول نہیں. من جملہ چونکہ علی علیہ السلام کو خدا کی جانب سے اس منصب پر فائز کیا گیا تھا لہذا علی علیہ السلام اسے اپنی جانب سے معاف نہیں کر سکتے ویسے ہی جیسے کسی نبی کو نبی نہ ماننے پر کوئی نبی اپنی جانب سے درگزر اور معاف نہیں کر سکتا بلکہ یہ معاملہ فقط خدا کے ہاتھ میں ہے کیونکہ نبوت خدائی عہدہ ہے اسی طرح چونکہ وصایت و امامت خدائی عہدہ ہے اس لیے یہ علی علیہ السلام کے معاف کرنے یا نہ کرنے سے معاف نہیں ہوتا. نیز خدا بھی اسے معاف نہیں کر سکتا. کیونکہ اس نے ہارون علیہ السلام کی وصایت سے

انصار کا موقف

قریش نے مجھے میرے مُسلّم حق یعنی جانشینی رسول ﷺ سے محروم کرنے اور ساتھ ہی انصار کو حکومت میں مشارکت سے بے دخل کرنے کا مُصمّم ارادہ کر لیا تھا جبکہ رسول اللہ ﷺ کی نصرت میں انصار کا بڑا حصّہ تھا اور انہوں نے اسلام کا بڑا محکم انداز میں دفاع کیا تھا۔ انصار بھی اس وقت خاموش نہیں بیٹھے اور دعویٰ کیا: اب اگر تم علیؑ کو حکومت نہیں دیتے تو پھر ہماری بزرگ شخصیت سعد بن عبادہ مسندِ حکومت سنبھالنے کے لیے زیادہ قابل ہے نیز اس حوالے سے تم پر مقدم ہے۔

خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم میں کس سے گلہ کروں اور کس چیز کا گلہ کروں! اس ستم کا جو انصار پر روا رکھا گیا یا وہ جو میرے حق میں کیا گیا؛ ہر چند کہ حق بات یہی ہے کہ مجھ پر ظلم ہوا ہے اور میرے حق کو پائمال کیا گیا ہے؛ کیونکہ قریش کے خطیب نے انصار کے استدلال کے مقابل کہا تھا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «ائمہ قریش سے ہوں گے» اُس نے اِس جواب سے قریش کو خاموش کروایا تھا لیکن میری دفعہ انہوں نے میرے مُسلّم حق کو بغیر کسی استدلال کے ان دیکھا کر دیا اور یوں مجھے حکومت سے بے دخل کر دیا گیا۔[1]

بیعت سے اعراض

[لوگ ابو بکر کی بیعت کر چکے تو مجھے بھی (زبردستی) اس کے پاس لے جایا گیا اور اس کی بیعت کرنے کا تقاضا کیا گیا۔ میں نے ان کے جواب میں کہا:]

اس مقام کا میں زیادہ حق دار ہوں۔ تمہارے لیے بہتر ہے، میری بیعت کرو۔ تم نے انصار کے سامنے رسول اللہ ﷺ سے قرابتداری کو دلیل بنا کر استدلال پیش کیا اور یوں انصار پر اپنی اوّلیت ثابت کی تھی۔ انہوں نے بھی تمہاری دلیل قبول کر لی تھی اور تمہارے سامنے تسلیم ہو کر زمامِ حکومت تمہارے سپرد کر دی تھی۔ لیکن جب بات ہم اہلِ بیت تک پہنچی تو تم ہم سے رسول اللہ ﷺ

پھر جانے والوں سے بھی در گزر نہیں فرمایا تھا اور وہ اپنی سُنّت تبدیل نہیں کرتا. اور وہ بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنی نبوت اور عہدے کو کہاں رکھنا ہے۔

[1] کشف المحجۃ: ص ۲۳۸؛ الامامۃ والسیاسۃ: ص ۱۷۵؛ الغارات: ۲۰۲؛ المسترشد: ص ۷۷۔

کی جانشینی کو جدا کر رہے ہو جبکہ جانتے ہو اہل بیت سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک دوسرا کوئی نہیں۔

جس دلیل کے ساتھ تم نے انصار سے بات کی تھی میں بھی تمہارے سامنے وہی دلیل پیش کرتا ہوں اور حجّت قائم کرتے ہوئے کہتا ہوں: میں تم سب کے مقابلے میں مَیں رسول اللہ ﷺ سے سب سے زیادہ نزدیک ہوں، چاہے وہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ہو یا ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد۔ میں ان کا وصی اور وزیر ہوں۔ ان کے اسرار و علوم میرے سپرد کیے گئے ہیں۔ میں صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم ہوں۔ میں رسول اللہ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والا اور ان کی تصدیق کرنے والا ہوں۔ میدانِ جہاد میں مشرکین کے ساتھ سب سے زیادہ جہاد مَیں نے کیا اور بلاؤں کے مقابل سپر بنا رہا۔ کتابِ خدا اور سُنّت رسول ﷺ کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہوں۔ میں دینِ خدا اور امور کے نتائج سے سب سے زیادہ آگاہ ہوں۔ (دوسروں کے مقابل) میری زبان زیادہ فصیح، میرا دل زیادہ ثابت اور میرا قلب زیادہ مطمئن ہے۔ پھر مسئلۂ خلافت میں مجھ سے کیوں جھگڑتے ہو؟! اگر تمہارے دلوں میں خدا کی مخالفت کا ڈر خوف ہے، پھر خود ہی انصاف کرو اور جن دلائل کی بنا پر انصار نے تمہیں (خلافت کے) زیادہ قابل سمجھا تم بھی ان دلائل کی بنا پر میرے حق اور اوّلیت کو مدِ نظر رکھو؛ ورنہ جلد ہی تم اپنے ظلم و ستم کا اعتراف کرو گے۔

[اس گفتگو کے بعد عمر نے کہا: اب ان باتوں کا وقت گزر گیا۔ لوگوں نے ابو بکر کی بیعت کر لی ہے، جب تک تُو بھی ابو بکر کی بیعت نہیں کرے گا ہم تجھے نہیں چھوڑیں گے۔ میں نے اس سے کہا:]

تو ابھی (ناقۂ) خلافت کا دودھ دوھ، کیونکہ تجھے بھی اس میں حصّہ ملے گا۔ آج تو ابو بکر کی خلافت پر اس لیے اتنا زور دے رہا ہے کیونکہ کل تجھے بھی اس کا فائدہ پہنچے گا۔ خدا کی قسم، میں تیری بات قبول نہیں کروں گا، میں تیرا ہم نشین بننا پسند نہیں کرتا اور نہ (ابو بکر کی) بیعت کروں گا۔

[ابو بکر میرا کہا سن چکا تھا، اس نے کہا: اگر تُو بیعت نہیں کرتا تو میں تجھے مجبور نہیں کروں گا۔ ابو عبیدہ بن جراح اپنی جگہ سے اٹھا اور بولا: اے چچازاد! ہم ہرگز تیری فضیلت کا انکار کرنے کا قصد نہیں رکھتے۔ رسول اللہ ﷺ سے تیری قرابت، اسلام میں تیرا درخشاں سابقہ، دین میں تیرا کثیر علم اور حساس مواقع پر تیرے مسلمانوں کی مدد و نصرت کرنے میں کوئی جائے انکار نہیں؛ لیکن اصل بات

یہ ہے کہ تو ابھی جوان ہے جبکہ تیرے مقابل ابو بکر مُسِن اور تیری قوم میں موجود تجربہ کار انسان ہے۔ وہ خلافت کی سنگینی برداشت کرنے کے لیے زیادہ توانائی رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ لوگ اس کی بیعت کر چکے ہیں اور اب کام اپنے اختتام کو پہنچ چکا ہے؛ پس بہتر ہے کہ تُو بھی اس کے سامنے تسلیم ہو جا۔ البتہ اگر مستقبل میں تیری زندگی نے وفا کی تو مسلمان خلافت کی ذمہ داری تیرے سپرد کر دیں گے اور اس دن کوئی تیری مخالفت نہیں کرے گا؛ کیونکہ تو اس کی قابلیت رکھتا ہے۔ یہ بھی یاد دلاتا چلوں کہ اس وقت حالات بہت حساس ہیں، ان میں آتشِ فتنہ کو اور ہوا نہ دے؛ کیونکہ تو بھی جانتا ہے اکثر عربوں کا دل تیرے ساتھ نہیں ہے اور وہ اپنے دلوں میں تیرا کینہ رکھتے ہیں۔

اس وقت میں نے ان سب سے خطاب کر کے کہا:]

اے مہاجرین و انصار! تمہیں خدا کا واسطہ، خدا (کے حکم) کو مدِ نظر رکھو۔ میرے بارے میں اپنے رسول ﷺ کی سفارش کو مت بھُلاؤ اور محمد ﷺ کی لائی چیزوں کو ان کے گھر سے اپنے گھروں میں منتقل نہ کرو۔ اہلِ حق کو ان کے حق اور لوگوں کے درمیان ان کے مقام سے دُور نہ کرو۔ خدا کی قسم! خدا نے اپنے نبی ﷺ کی خلافت اور جانشینی کے مسئلے میں تدبیر کی، اپنا حکم صادر فرمایا نیز رسول اللہ ﷺ بھی تمام امور سے آگاہ تھے۔ تم بھی جانتے ہو کہ امر خلافت میں ہم اہلِ بیتؑ تم سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو کتابِ خدا کا عالم، دین شناس اور رعیّت کے امور سے آگاہ ہو؟! خدا کی قسم! ان خصوصیات کا حامل فقط ہم اہل بیت میں ہے نہ کہ تم میں۔ پس ہوا و ہوس کی پیروی سے پرہیز کرو ورنہ پہلے سے زیادہ حقیقت سے دور ہو جاؤ گے اور اپنا ماضی ان اعمال کی وجہ سے تباہ و برباد کر دو گے۔

[بشیر بن سعد انصاری نے یہ باتیں سن کر مجھ سے کہا: یا ابا الحسنؑ! اگر انصار نے آپ کی یہ باتیں ابو بکر کی بیعت کرنے سے قبل سنی ہوتیں تو کوئی بھی آپکی بیعت کرنے میں اختلاف نہ کرتا۔ میں نے اسے اور مجلس میں حاضر دیگر سننے والوں سے کہا:]

اے لوگو! کیا یہ درست ہوتا کہ میں رسول اللہ ﷺ کا جنازہ یونہی زمین پر پڑا چھوڑ دیتا اور ان کی تجہیز و تکفین کیے بغیر آکر خلافت پر جھگڑا شروع کر دیتا؟ خدا کی قسم! مجھے اس کی قطعی اُمید نہ تھی کہ کوئی خود کو خلافت کے لیے پیش کرے گا اور اس حوالے سے ہم اہلِ بیتؑ سے جھگڑے گا نیز وہ کام

انجام دے گا جو تم نے انجام دیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے روزِ غدیر کسی کے لیے کوئی بہانہ اور حجت باقی نہیں چھوڑی تھی۔[1]

سعد اور فروہ کا ابو بکر کی بیعت سے انکار

سعد بن عبادہ نے لوگوں کو ابو بکر کی بیعت کرتے دیکھ کر با آوازِ بلند کہا: اے لوگو! میں نے خلافت کا دعویٰ اس لیے کیا کیونکہ تمہیں علیؑ کو خلافت سے بے دخل کرنے کا ارادہ کرتا دیکھا۔ اب میں اعلان کرتا ہوں، جب تک علیؑ بیعت نہیں کریں گے میں بھی کسی کی بیعت نہیں کروں گا بلکہ اُنؑ کے بیعت کر لینے کے بعد بھی شاید میں بیعت نہ کروں۔

اس کے بعد اپنی سواری پر سوار ہوا اور حوران چلا گیا۔ وہ مرنے تک وہیں رہا۔

فروۃ بن عمر انصاری نے بھی اس بیعت پر اعتراض کرتے ہوئے با آواز بلند لوگوں سے پوچھا: اے گروہِ قریش! کیا تمہارے درمیان جو علیؑ سے زیادہ کوئی خلافت کی قابلیت رکھتا ہے اور ان امتیازات کا حامل ہے جن کے علیؑ حامل ہیں؟!

قیس بن مخزمہ زہری نے کہا: ہمارے درمیان ایسی خصوصیات کا حامل کوئی دوسرا نہیں۔

فروہ: کیا واقعاً علیؑ میں ایسی خصوصیات اور امتیازات ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جاتیں؟

قیس: ہاں! علیؑ کو وہ امتیازات حاصل ہیں جو ہم میں سے کسی دوسرے میں نہیں۔

فروہ: پھر کس دلیل کی بنا پر ان کی بیعت سے منہ موڑا؟!

قیس: ابو بکر کی بیعت پر لوگوں کے جمع ہو جانے کی وجہ سے۔

فروہ: خدا کی قسم! تم نے اپنے زمانۂ جاہلیت میں پائے جانے والے طریقوں پر عمل کیا ہے جبکہ سنت رسول ﷺ کو بھلا بیٹھے ہو۔ اگر خلافت و ولایت کو اپنے نبی ﷺ کے اہل بیتؑ میں رہنے دیتے، آسمان و زمین سے تم پر کثیر نعمتیں نازل ہوتیں۔[2]

---

1. الاحتجاج: ج۱، ص ۷۳؛ شرح نہج البلاغہ: ج۶، ص ۱۱؛ الفتوح: ج۱، ص ۱۳ و ۱۴.
2. کشف المحجۃ: ص ۲۴۳؛ الامامۃ و السیاسۃ: ص ۱۷۴؛ انساب الاشراف: ج۱، ص ۴۰۰؛ الغارات: ص ۱۹۹؛ المسترشد: ص ۷۷.

روگرانی خدا سے دشمنی، اس کے قہر وغضب اور اس کی بارگاہ سے دوری کا باعث ہے، جس کا انجام جہنم ہے۔ یہ خدا کا فرمان ہے:

﴿وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِہٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُہٗ﴾[1]

اور جو کوئی اس کا انکار کریں تو ان کی وعدہ گاہ آتش جہنم ہے۔

اس آیت میں کفر سے مراد رسول اللہ ﷺ کے حکم کی نافرمانی کرنا ہے۔

خدا نے میرے وسیلے سے اپنے بندوں کا امتحان لیا اور میرے ہاتھوں سے ہی اس نے اپنے مخالفین کو قتل کیا۔ اس نے میری تلوار سے اپنے منکرین کو دار فنا پہنچایا۔ اس نے مجھے مومنین کے لیے امام، ظالمین کے لیے موت کا درہ اور گناہگاروں کے لیے تلوار قرار دیا۔ اس نے میرے وسیلے سے اپنے رسول ﷺ کی پشت محکم کی اور مجھے ان کی مدد کرنے سے کرامت اور ان کے علم سے شرافت بخشی، انہوں نے مجھے اپنے احکام سے مختص، اپنی وصایت کے لیے خاص اور اپنی جانشینی کے لیے منتخب فرمایا۔

رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے مجمع میں فرمایا تھا: اے لوگو! علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ مومنین نے رسول ﷺ کے اس فرمان کے بارے میں تعقّل فرمایا اور وہ جان گئے کہ یہ کلام خدا کی جانب سے ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میں رسول اللہ ﷺ کا مادری یا پدری بھائی نہیں ہوں جبکہ موسیٰؑ وہارون ایک ماں باپ کے بیٹے تھے۔ ایسے ہی میں نبی بھی نہیں ہوں۔ اس بنا پر رسول اللہ ﷺ کا اس حدیث سے مقصد میری جانشینی کا بیان تھا۔ (میں رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ اور جانشین ہوں) ویسے ہی جیسے موسیٰؑ نے ہارون کو اپنا جانشین اور خلیفہ بنایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا:

﴿اخۡلُفۡنِیۡ فِیۡ قَوۡمِیۡ وَ اَصۡلِحۡ وَ لَا تَتَّبِعۡ سَبِیۡلَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ﴾[2]

تم میری قوم میں میرے جانشین بن کر رہو، ان کی اصلاح کرو اور مفسدین کی پیروی نہ کرنا۔

---

[1] ہود: ۱۷۔

[2] اعراف: ۱۴۲۔

اور جب ایک گروہ نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ہیں تو ان کے جواب میں فرمایا: یاد کرو وہ وقت جب رسول اللہ ﷺ آخری حج کے لیے عازم تھے، اور پھر حج سے مدینہ واپس پلٹتے ہوئے غدیر خم میں ٹھہر گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے لیے منبر جیسی چیز بنائی گئی۔ رسول اللہ ﷺ اس پر کھڑے ہوئے، میرا بازو پکڑا (اور اس قدر بلند کیا کہ) ان کی بغلوں کی سفیدی نمایاں ہوگئی۔ اس مجلس میں رسول اللہ ﷺ نے با آواز بلند کہا: جس جس کا میں مولا اس اس کا یہ علیؑ مولا؛ اے اللہ جو اس سے محبت کرے تو اس سے محبت رکھ جو اس سے دشمنی کرے تو اس سے دشمنی رکھ۔

جس نے مجھ سے محبت کی اس نے خدا سے محبت کی، جس نے مجھ سے دشمنی کی اس نے خدا سے دشمنی کی ہے۔ خدا نے اس دن یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾[1]

آج کے دن ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لیے اسلام سے بطور دین راضی ہوگیا۔

میری ولایت کے ذریعے سے دین کامل اور خدا کی رضایت حاصل ہوئی۔

[اس خطبے کے آخر میں یاد دہانی کرواتے ہوئے کہا:]

جان لو کہ میں تمہارے درمیان ویسے ہی ہوں جیسے آلِ فرعون کے درمیان ہارون، اور جیسے بنی اسرائیل میں بابِ حطہ اور جیسے قوم نوح میں کشتیِ نوح۔ میں نبائے عظیم ہوں، میں صدیقِ اکبر ہوں۔ عنقریب تم الٰہی وعدوں کے رُوبرُو ہوگے۔ سچ میں یہ حکومت کیا ارزش رکھتی ہے؟ کیا اس کی مُدّت اور لذت غذا کو ایک بار چاٹنے، ایک گھونٹ پانی پینے، کچھ دیر آرام کرنے اور ایک بار اونگھنے سے زیادہ ہے؟ البتہ ان مختصر لمحات کے بعد، سرکشوں کو طولانی مصیبتیں اور وحشت ناک ہلاکتیں دامن گیر ہوں گی۔ ان مصیبتوں میں سے کم ترین مصیبتیں وہ ہوں گی جنہیں یہ اسی دنیا میں دیکھیں گے لیکن اصل مصیبت تو آخرت میں ان کی منتظر ہے، یہ خدا کے سخت عذاب کا مزا چکھیں گے اور ظاہر ہے خدا ان کے کسی بھی عمل سے غافل نہیں ہے۔

---

[1] مائدہ: ۳۔

جو کج راستے پر چلے ہیں نیز جنہوں نے درست طریقے کو الٹا کر دِکھایا ہے عقوبت ان کے انتظار میں ہے۔ انہوں نے روشن دلائل اور قطعی حجّتوں کا انکار کیا، ائمہ حق کی مخالفت کی، موجود روشنیوں سے دور ہو گئے اور خود کو اندھیری کھائی میں گرا دیا۔ انہوں نے سراب کو پانی سمجھا لیا۔ انہوں نے نعمت کو عذاب سے، خوش بختی کو بد بختی سے، خوشی کو تلخی سے اور وسعت حال کو سختی اور تنگی سے بدل دیا نیز تمام امور ایک دوسرے سے ملا دیے۔

﴿يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ۞ اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ اِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ۞ يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۭ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ۞ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَ مَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ﴾[1]

اس دن لوگ اس چیخ کو حقیقتاً سن لیں گے، وہی (قبروں سے) نکل پڑنے کا دن ہو گا۔ یقیناً ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور بازگشت بھی ہماری ہی طرف ہے۔ اس دن زمین ان پر سے پھٹ جائے گی تو یہ تیزی سے دوڑیں گے، یہ جمع کر لینا ہمارے لیے آسان ہے۔ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اسے ہم سب سے زیادہ جانتے ہیں اور آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہیں، پس آپ اس قرآن کے ذریعے اس شخص کو نصیحت کریں جو ہمارے عذاب کا خوف رکھتا ہو۔[2]

---

[1] ق: ۴۲ تا ۴۵.

[2] کافی: ج ۸، ص ۲۶.

۳۔ اوج تنہائی اور بے یاوری

کڑوے گھونٹ پیے!

بار الہا! میں تجھ سے قریش اور ان کے ہمراہیوں کا مقابلہ کرنے کی مدد طلب کرتا ہوں۔ انہوں نے مجھ سے اپنی رشتے داری توڑ ڈالی۔ یہ سب مجھ سے رسول اللہؐ کی جانشینی کے معاملے میں جنگ کرنے پر متحد ہو گئے جبکہ میں ان سب میں اس کا سب سے زیادہ حق دار تھا۔ ان کا کہنا ہے: اگر لے سکے تو اپنا حق لے لے، اور اگر انہوں نے تجھے اس سے محروم رکھا تو صبر کر یا غم و حسرت سے مر جا!

میں نے اپنے ارد گرد دیکھا۔ نہ کوئی یاور و مددگار دکھا نہ کوئی دفاع کرنے والا۔ سوائے میرے اہلِ بیتؑ کے کہ اگر وہ میری مدد کرتے تو مارے جاتے اور مجھے ان کی جان خطرے میں ڈالنا مطلوب نہیں۔ پس آنکھوں میں کانٹے کے ساتھ پلکیں بند کر لیں، گلے میں پھنسی ہڈی کے ساتھ گھونٹ گھونٹ کر کے تلخ جام پی لیا اور عین اس حال میں اس غصے کو دل ہی دل میں پی گیا اور ایسا صبر کیا جو حنظل سے زیادہ کڑوا اور آبدار تلوار سے زیادہ تیز تھا۔[1]

اگر حمزہ اور جعفر ہوتے تو بیعت نہ کرتا!

اگر رسول اللہؐ کے بعد میرے چچا حمزہ اور بھائی جعفر زندہ ہوتے تو زور زبردستی سے بھی بیعت نہ کرتا؛ لیکن میں دو تازہ مسلمانوں کے درمیان پھنس گیا تھا، یعنی عباس اور عقیل، جو کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ میں اپنے خاندان کی حفاظت کے درپے ہوا اور آنکھوں میں خار و خاشاک کے ساتھ ہی پلکیں بند کر لیں، گھٹے ہوئے حلق سے اپنے غُصّے کو گھونٹ گھونٹ کر کے نیچے اتارا اور ایسا صبر کیا جو حنظل سے زیادہ کڑوا اور تلوار سے زیادہ تیز تھا۔[2]

---

1 نہج البلاغہ: خطبہ ۲۱۷؛ الجمل: ۱۱۹۔

2 کشف المحجۃ: ص ۲۴۹۔

۞ اگر میرے پاس اہل بدر جتنے مدد گار ہوتے!

مترجم عرض کرتا ہے: صحیح بیعت وہی ہے جو اختیار اور رضایت کے ساتھ ہو، ورنہ بیعت نہیں ہے بلکہ فقط ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے اور دوسرے الفاظ میں فقط ایک ظاہری بیعت ہے۔ ویسے ہی جیسے اگر خرید و فروش اختیار اور رضایت کے ساتھ ہو تو "بیع" انجام پاتی ہے ورنہ ظلم اور غصب ہے۔

جہاں تک امیر المؤمنین علیہ السلام کا ابو بکر کی بیعت کرنے کا معاملہ ہے اس میں عموماً علمائے تشیع کا موقف واضح ہے، اور وہ یہ کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے کبھی بھی برضا و رغبت بیعت نہیں کی۔ شیخ مفید بیان کرتے ہے:والمحققون من أهل الإمامة يقولون: لم يبايع ساعة قط. شیعوں محققین کا نظریہ یہ ہے کہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے ایک لمحہ بھی ابو بکر کی بیعت نہیں کی۔ (الفصول المختارہ ص ۵۶ طبع دار المفید)

البتہ انہی شیعہ مصادر جیسے الکافی، رجال الکشی وغیرہ میں بعض ایسی روایات وارد ہوئیں ہیں جو امیر المؤمنین علیہ السلام کی تلوار کے زور اور کراہت شدیدہ کے ساتھ بیعت کرنے پر دال ہیں، تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ بیعت ایک عقد ہے جس میں دونوں جانب سے رضامندی ضروری ہے اور اگر زور زبردستی سے عقد منعقد ہو تو اس کے ہونے میں بھی اشکال ہے۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جب اختیار جیسی اہم شرط ہی بیعتِ اکراہ میں منعقد نہیں ہوئی تو پھر اس سے استدلال کرنا چہ معنی دارد؟ زیادہ سے زیادہ اس کو بصورتہ بیعت کہا جاسکتا ہے حقیقتاً نہیں۔

اسلام کو مٹانے کی خاطر طلیحہ الاسدی، مسلیمہ الکذاب، اسود العنسی جیسے نبوّت کے جھوٹے دعویدار اٹھے اور اسی طرح دیگر قبائل نے بھی ارتداد اختیار کیا اور مسلح جدوجہد کے لیے نکل پڑے تو ایسی صورت میں امیر المؤمنین علیہ السلام نے اسلام کی خاطر مسلح جدوجہد سے کنارہ کشی اختیار کی کیونکہ آپ کے پاس اتنے انصار نہ تھے جو آپ قیام کرنے کے بعد کامیاب ہوتے اور ایسی صورتحال میں قیام کرنا مزید شوکت اسلامی کو کمزور کر دیتا۔ ایسی صورتِ حال میں بھی آپ نے اسلام کے دفاع میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور اس سلسلے میں اگر امیر المؤمنین علیہ السلام کو خلفائے جور کو بھی کچھ مشورے دینے پڑے تو اس میں بھی بخل سے کام نہیں لیا لیکن ساتھ ساتھ مختلف اوقات میں ان خلفائے جور کے ظلم کا بھی تذکرہ کیا۔ یہ ذہن میں رہے کہ بعض محققین اگر اس عدم قیام عسکری کو بیعت کا نام دیں تو یہ بات بھی غایت درجہ ایک مصالحت پر دلالت کرتی ہے نہ کہ وہ بیعت جو شروع میں کی جاتی تھی جس کا مقصد خلفاء کی مشروعیت کو تسلیم کرنا ہوتا تھا۔ ایسی بیعت امیر المؤمنین علیہ السلام نے کبھی نہیں کی، کیونکہ اگر اس معنی میں بیعت کرنا مقصود ہوتی تو شروع میں ہی کیوں نہ کی؟

[یہی ایام تھے جب میں نے مدینے میں اصحاب رسول ﷺ کے مجمع میں کھڑے ہو کر خطبہ دیتے ہوئے ان سے کہا:]

اس خدا کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور مخلوقات کو خلق فرمایا۔ اگر تم لوگ اہل بیت کے پیچھے چلتے، علم کو اس کے معدن سے حاصل کرتے، تو شیریں اور ٹھنڈا پانی پیتے اور خیر و خوبی کو اس کے اصل مقام سے پاتے، روشن راہ طے کرتے، راہ حق پر چلتے، تمہارے سامنے راہیں آشکار اور ہموار ہوتیں، ہدایت کے نشان تمہارے سامنے نمودار ہوتے، اسلام تمہارے لیے درخشاں ہوتا اور روشنی دیتا، نعمتیں فروان ہو جاتیں، خوشی خوشی زندگی گزارتے، تمہارے درمیان کوئی مفلس اور بھوکا باقی نہ رہتا اور اسلامی حکومت میں کوئی کسی مسلم یا غیر مسلم پر ظلم کرنے کی قدرت نہ رکھتا۔

لیکن افسوس تم نے ایک تاریک راہ کا انتخاب کیا؛ جس کی وجہ سے جہان اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہو گیا اور تم پر علم کے دروازے بند کر دیے گئے۔ تم نے ہوائے نفس کے حکم کے مطابق باتیں کیں۔ دین میں اختلاف ایجاد کیا۔ نہ جانتے ہوئے بھی احکام دین میں اپنی رائے کو دخل دیا اور فتوے داغے۔ گمراہوں کے پیچھے چل دیے تاکہ خود بھی گمراہ ہو جاؤ۔ ائمۂ برحق کو چھوڑ دیا اور انھوں نے بھی تمہیں تمہارا حال پر رہنے دیا۔ اب یہ دن دیکھنے کو مل رہا ہے کہ ناحق بلکہ اپنا من پسند حکم لگاتے پھرتے ہو۔

جب بھی کوئی اہم مسئلہ درپیش آتا، تم ہم سے سوال کرتے تھے اور اس کا جواب سننے کے بعد کہتے تھے: یہ وہی حقیقی علم ہے۔ پھر آج کیا ہوا تو اہلِ علم کو چھوڑ بیٹھے، انہیں پس پشت ڈال دیا اور ان کی مخالفت پر اتر آئے؟ کچھ عرصے صبر کرو، جلد ہی وہ کاٹو گے جو بویا ہے اور جو جرائم انجام دیے ہیں ان کے نتائج کے روبرو ہو گے۔ اس خدا کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ اور مخلوقات کو خلق کیا، تم اچھے سے جانتے ہو کہ میں تمہارا امام ہوں، میں وہ ہوں جس کا حکم تم سب کو ماننا چاہیے اور اس کی پیروی کرنی چاہیے، میں تمہارا وہ عالم ہوں جس کا علم تمہیں نجات دے سکتا ہے، میں تمہارے نبی کا جانشین ہوں، تمہارے رب کا چُنا ہوا ہوں، تمہارے قرآن کی زبان اور تمہارے مصالح سے آگاہ ہوں۔

کچھ دیر صبر کرو۔ جلد ہی درجہ بدرجہ خدا کے وعدے تم پر نازل ہوں گے اور گزشتہ امتوں کی طرح مصیبتیں تمہیں اپنے اندر جکڑ لیں گی۔ جلد ہی خدا تم سے تمہارے ائمہ کے بارے میں سوال

کرے گا، تم ان کے ساتھ محشور ہو گے اور بارگاہِ خدا میں حاضر ہو گے۔

خبردار! خدا کی قسم، اگر میرے پاس طالوت جتنے اصحاب ہوتے یا اہلِ بدر جتنے مددگار ہوتے، میں ضرور تلوار اٹھاتا اور تمہارا مقابلہ کرتا تاکہ تم حق کی جانب لوٹ آؤ، سیدھی راہ چُن لو اور یوں اُمّت میں پڑی دڑاڑیں اور اختلافات مٹ جائیں اور تمہارے درمیان رفاقت اور دوستی کا دور چل پڑے۔ خدایا! تو ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ فرما کیونکہ تُو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔[1]

[1] کافی: ج۸، ص ۳۲.

۴۔ حفاظتِ وحدت کی خاطر سکوت

✻ حالات کے پیشِ نظر لوگوں کا ساتھ دیا

[لوگوں کے ابو بکر کی بیعت کرنے کے بعد حالات بہت زیادہ حسّاس اور تقدیر ساز ہو گئے تھے۔ میرا بار ذمہ داری پہلے سے زیادہ سنگین تر ہو چلا تھا۔]

ایک گروہ کو دینِ اسلام سے منہ موڑتا دیکھ رہا تھا۔ وہ لوگوں کو دینِ محمد ﷺ اور مکتبِ ابراہیم علیہ السلام کو نابود کرنے کی دعوت دے رہے تھے۔ ایسے حالات میں مجھے ڈر لاحق ہوا کہ اگر میں نے اسلام اور مسلمانوں کی مدد کو نہ اٹھا، دین میں رخنہ ایجاد ہو جائے گا اور یہ تازہ رکھی بنیاد زمین بوس ہو جائے گی۔ میری نظر میں یہ مصیبت اپنے ہاتھوں سے تمہارے امور کی حاکمیت اور خلافت کو کھونے سے کہیں زیادہ سخت اور سنگین تھی؛ کیونکہ خلافت کچھ عرصے کے لیے ہے اور اس کے بعد بادلوں کی طرح گزر جانے والی اور ناپید ہو جانے والی ہے۔ پس میں اس معاملے میں لوگوں کی ہمراہی کرنے کے نتیجے پر پہنچا تاکہ باطل مٹ جائے اور کافروں کی خواہش کے خلاف سب پر کلامِ الٰہی کی عظمت آشکار ہو جائے۔

✻ مسلمانوں میں تفرقہ ایجاد ہونے کا ڈر

خدا کی قسم، اگر مسلمانوں میں تفرقہ اور پھوٹ پڑنے، ان کے درمیان کفر کی جانب پلٹنے کے آغاز اور اس کے نتیجے میں دین کو نقصان اٹھانے اور اس کی بنیاد کو خطرہ لاحق ہونے کا ڈر نہ ہوتا تو جہاں تک ہوتا موجودہ حالات بدل کر رکھ دیتا۔[1]

ہمارے سامنے مختلف حوادث رونما ہوئے اور ہم نے ان سب کے مقابل صبر کیا؛ ایسے جیسے کسی شخص کی آنکھ میں خس و خاشاک چلی جائے۔ یہ صبر و تحمل فقط خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کی وجہ سے تھا، وہی خدا جس نے ہمیں آزمائش میں ڈالا تھا۔ ہمیں خدا کی جانب سے اجر کی اُمید

امالی مفید: مجلس ۱۹، ح ٦، ص ۱۵۵؛ الارشاد: ج ۱، ص ۲۴۵؛ الجمل: ص ۲۳۳؛ شرح نہج البلاغہ: ج ۱، ص ۳۰۷.

تھی۔ ایسا صبر اپنی تمام تر تلخی کے باوجود مسلمانوں کے درمیان جدائی اور تفرقہ ڈالنے سے بہتر تھا، ایسا تفرقہ جو ان کے درمیان خون ریزی کا زمینہ فراہم کر دیتا۔[1]

ایک چھوٹی سی جماعت میری نُصرت کے لیے اٹھی

[رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں ابو بکر کی بیعت سے اجتناب کرنے والوں کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا۔ وہ میری نُصرت کی غرض سے]

میرے پاس آئے اور مجھے اپنی نصرت کی پیش کش کی۔ ان میں سعید کے دو بیٹے، مقداد بن اسود، ابو ذر غفاری، عمار بن یاسر، سلمان فارسی، زبیر اور براء بن عازب شامل تھے۔ میں نے ان کے جواب میں کہا: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک عہد لیا تھا اور مجھے ایک وصیت فرمائی تھی جس سے میں رُوگردانی نہیں کر سکتا۔ خدا کی قسم، میرے سر پر جیسی بھی بلا ٹوٹے لیکن میں اپنے وعدے کو وفا کروں گا نیز رسول ﷺ کے حکم کی تکمیل کی خاطر اپنے جان و دل کی بازی لگا دوں گا۔ اگر یہ میری گردن میں رسّی ڈال کر مجھے اِدھر اُدھر کھینچتے پھریں تب بھی حکم الٰہی کے سوا کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔[2]

ابو سفیان کی شاطرانہ چال کا جواب

[لوگ ابو بکر کی بیعت سے فارغ ہوئے تو عباس اور ابو سفیان میرے پاس آئے اور میری بیعت کرنے کی پیش کش کی۔ ان دونوں کے جواب میں لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:]

ایہا الناس! فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتیوں سے چیر کر نکل جاؤ اور منافرت کے راستوں سے الگ رہو۔ باہمی فخر و مباہات کے تاج اتار دو کہ کامیابی اسی کا حصّہ ہے جو اٹھے تو بال و پر کے ساتھ اٹھے ورنہ کرسی کو دوسروں کے حوالے کر کے خود کو آزاد کر لے۔ یہ پانی بڑا گندہ ہے۔ اور اس لقمہ میں پھندا لگ جانے کا خطرہ ہے اور یاد رکھو کہ ناوقت پھل چُننے والا ایسا ہی ہے جیسے نامناسب زمین میں زراعت کرنے والا۔ (میری مشکل یہ ہے کہ) میں بولتا ہوں تو کہتے ہیں کہ اقتدار کی لالچ رکھتا ہے اور خاموش ہو جاتا ہوں تو کہتے ہیں کہ موت سے ڈرتا ہے۔

---

[1] الارشاد: ج ۱، ص ۲۴۹.

[2] کشف المحجۃ: ص ۲۴۰.

افسوس! اب یہ بات جب میں تمام مراحل دیکھ چکا ہوں۔ خدا کی قسم ابو طالب کا فرزند موت سے اس سے زیادہ مانوس ہے جتنا بچہ سرچشمۂ حیات سے مانوس ہوتا ہے۔ البتہ میرے سینہ کی تہوں میں ایک ایسا پوشیدہ علم ہے جو مجھے مجبور کیے ہوئے ہے ورنہ اسے ظاہر کردوں تو تم اسی طرح لرزنے لگو گے جس طرح گہرے کنویں میں رسّی تھرتھراتی اور لرزتی ہے۔[1]

صبر و سکوت

میں نے اپنا حق واپس لینے کے لیے کوئی جنگ نہیں کی؛ کیونکہ جانتا تھا اگر ایک جماعت میرے ساتھ ہوئی تو دوسری میری مخالفت میں کھڑی ہوگی اور یہ دھڑے بازی مار دھاڑ پر تمام ہوتی۔ اسلام کا تازہ کاشت شدہ درخت جو زمانۂ جاہلیت سے چنداں فاصلہ نہیں رکھتا تھا ہلکی سی آندھی سے اس کے جڑ سے اکھڑ جانے کا ڈر تھا۔ وہ ایک سنجیدہ خطرے سے دوچار ہوتا اور اس جنگ و جدال سے دین کی اساس نابودی کے دہانے تک پہنچ جاتی۔ ہاں! رسول اللہ ﷺ کے کچھ خاص اصحاب جو خیر اندیش تھے نیز میں راہِ خدا اور رسول ﷺ و قرآن و دین میں ان کے اخلاص سے بخوبی آگاہ تھا، مسلسل میرے پاس آمد و رفت رکھے ہوئے تھے۔ وہ آشکار یا پنہاں طور پر مجھے اپنا حق واپس لینے پر تشویق دلاتے اور میری مدد کی خاطر اپنی آخری سانس تک ساتھ دینے کے لیے تیار تھے اور یوں وہ اس حق بیعت کو ادا کرنا چاہتے تھے جو مجھے ان پر حاصل تھا۔

لیکن میں نے ان کے جواب میں کہتا: کچھ عرصہ صبر کرو۔ اُمید ہے کہ خدا آسانی کے ساتھ، بغیر خونریزی کے میرا حق مجھے لوٹا دے گا؛ کیونکہ اس وقت حالات یہ ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد بہت سے افراد شک و شُبہ کا شکار ہوگئے ہیں، ایسے افراد نے ان کی جانشینی پر نظریں جمائی ہوئی ہیں جن میں اس کی ذرا قابلیت موجود نہیں، ہر گروہ کی جانب سے اس کام میں اپنے حصّے اور مشارکت کی آوازیں سنائی دی رہی ہیں نیز ہر قبیلہ فقط خود کو حکومت کے لائق جانتا ہے۔ البتہ روشن ہے کہ یہ سب تفرقہ، اختلافِ آراء اور لالچ میرے ہاتھ سے کام کے نکل جانے اور دوسرے افراد

---

1. نہج البلاغہ: خطبہ ۵؛ تذکرۃ الخواص: ص ۱۲۱؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۲۴۳.

کے حکومت پر قابض ہو جانے کی وجہ سے وجود میں آیا ہے۔[1]

[1] الخصال: ص ۳۷۲؛ الاختصاص: ص ۱۷۱؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۵۰.

۵۔ ابوبکر کے ساتھ مناظرہ

٭ حاکم کی شرائط

[ابوبکر میرے چہرے پر اضطراب اور رنجش واضح طور پر دیکھ رہا تھا۔ اس نے خوش رُوئی اور اظہارِ محبت کے ذریعے میری رائے اپنی حق میں جذب کرنے کی بہتیری کوشش کی، لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ ایک دن ہماری ملاقات تنہائی میں ہوگئی۔ جو کچھ ہُوا تھا وہ اس پر معذرت خواہی کرنے لگا، ساتھ ہی خلافت قبول کرنے کی وجوہات بیان کیں۔ اس نے کہا: یا ابا الحسن! خدا کی قسم یہ واقعہ میری سازش، اقدام، رغبت یا حرص کی وجہ سے رونما نہیں ہوا۔ مجھے خود پر کوئی اعتماد نہیں تھا کہ اس امر کا بار اٹھا پاؤں گا اور اُمّت کو جس طرح چلانے کا حق ہے چلا سکوں گا۔ میرا ہاتھ ہر قسم کی مالی، قبائلی اور خاندانی قدرت سے خالی تھا لہٰذا ان کے ذریعے سے کوئی سازش رچا کر امور اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا تھا۔ پھر کیوں مجھ سے ناراض اور دل تنگ ہو۔ کیوں میرے بارے میں وہ سوچتے ہو جس کا میں حق دار نہیں۔ کیوں مجھے بغض اور غصے کی نگاہ سے دیکھتے ہو؟! میں نے اس سے پوچھا:]

اگر تجھے خلافت سے کوئی محبت اور رغبت نہ تھی، نہ اس کی لالچ رکھتا تھا، نہ اس ذمہ داری کو نبھانے کے حوالے سے خود پر اعتماد و اطمینان تھا، پھر کیوں اسے قبول کر کے مسندِ خلافت پر براجمان ہوا؟

[ابوبکر نے جواب دیتے ہوئے کہا: میں نے اسے رسول اللہ ﷺ کی اُس حدیث کی وجہ سے قبول کیا جو میں نے آپؐ سے سن رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا: «خدا میری امت کو گمراہی اور خطا پر جمع نہیں کرے گا»۔ جب میں نے اُمّت کا اجماع دیکھا تو اس کہے کی پیروی کی۔ میں نے تصوّر بھی نہیں کیا تھا کہ امت کا اجماع ہدایت کے خلاف اور گمراہی پر مبنی ہو گا۔ اسی وجہ سے یہ ذمہ داری قبول کی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی ایک شخص بھی میری خلافت قبول کرنے سے پرہیز کرے گا، میں مُسلّمہ طور پر اسے قبول کرنے سے صَرفِ نظر کر لیتا۔

میں نے اس سے کہا:]

رسول ﷺ کی جو حدیث تُو نے نقل کی، اس کے بارے میں سوال کرتا ہوں: کیا میں اِس اُمّت کے افراد میں سے ایک ہوں یا نہیں؟

[ابو بکر نے کہا: ہاں! میں نے اس سے کہا:]

ایسے ہی وہ گروہ جس نے تیری بیعت سے اعراض برتا، جیسے سلمان، ابوذر، عمار، مقداد، سعد بن عبادہ اور ان کے انصاری ساتھی، کیا وہ اِس اُمّت میں شمار ہوتے ہیں یا نہیں؟

[ابو بکر: ہاں! یہ سارے اِس اُمّت سے ہیں۔ میں نے اس سے پوچھا:]

ان افراد نے تیری بیعت نہیں کی، پھر تُو اس حدیثِ رسول ﷺ سے کیسے استدلال کر سکتا ہے جبکہ تو جانتا ہے اُمّت میں کوئی بھی شخص ان کی صلاحیت میں تردید کا شکار نہیں، سب ان کے اصحاب رسول ﷺ میں سے ہونے اور آپؐ سے اچھے روابط رکھنے کے معترف ہیں؟!

[ابو بکر نے کہا: مجھے اپنی بیعت کے بعد ان افراد کے میری خلافت کے خلاف ہونے کی خبر ہوئی۔ مجھے ڈر تھا کہ اگر خلافت قبول کرنے سے پرہیز کیا اور خود کو ایک طرف کر لیا، مسلمانوں کے حالات خراب ہو جائیں گے اور لوگوں کی اکثریت دین سے خارج ہو جائے گی۔ میری لیے مسلمانوں کے ہرج و مرج کا شکار ہونے اور اپنے سابقہ کفر کی جانب پلٹ جانے سے بہتر خلافت قبول کرنا تھا۔ اس کے علاوہ میرا خیال تھا کہ تم بھی اس امر میں میرے ساتھ موافق ہوگے۔ میں نے ابو بکر سے کہا:]

بہت اچھے! میرے اس سوال کا جواب دو: ایک شخص میں خلیفہ بننے کے لیے کون سی صفات و خصوصیات ہونی چاہیں؟

[ابو بکر: لازم شروط یہ ہیں: اُمّت کی خیر خواہی، عہد وفا کرنا، صاف گو ہونا، استقامت اور حُسنِ سیرت، عدالت، کتاب و سُنّت کا علم، حکمت و معرفت، زہد و تقویٰ، مظلومین اور ستم دیدہ افراد کی مدد اور دست گیری چاہے وہ دُور ہوں یا نزدیک۔ یہ کہہ کر ابو بکر خاموش ہو گیا۔ میں نے پوچھا:]

اور ایسے ہی اسلام میں سبقت اور رسول اللہ ﷺ سے قرابت؟

[ابو بکر: ہاں! سابقہ اور قرابت بھی قابلِ توجّہ ہے۔

میں نے اس سے پوچھا:]

اے ابو بکر! تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا یہ خصوصیات تجھ میں پائی جاتی ہیں یا مجھ میں؟

[ابو بکر نے کہا: اے ابوالحسنؑ! تم ہیں۔

میں نے پوچھا:]
تجھے خدا کی قسم، پوری اُمّت سے قبل دعوتِ رسول ﷺ کا مثبت جواب دینے والا میں تھا یا تو؟

[ابو بکر: آپ تھے۔

میں نے اس سے پوچھا:]
تجھے خدا کی قسم، رسول اللہ ﷺ کی جانب سے حج کے دنوں میں مکّہ کے عظیم اجتماع میں سورۂ برائت کی تبلیغ اور تلاوت پر مَیں مامور کیا گیا تھا یا تُو؟

[ابو بکر نے کہا: اس کام پر آپ کو مامور کیا گیا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا:]
اے ابو بکر، تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، مکّے سے مدینے کی جانب ہجرت کے وقت شبِ ہجرت رسول اللہ ﷺ کی جان بچانے کے لیے مَیں نے اپنی جان داؤ پر لگائی تھی یا تُو نے؟

[ابو بکر نے کہا: آپ نے۔

میں نے اس سے پوچھا:]
تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، روزِ غدیر رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے مطابق، تمام مسلمانوں کا مولا مَیں ہوں یا تُو؟

[ابو بکر نے کہا: آپ۔

میں نے اس سے پوچھا:]
تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، آیۂ ولایت میں خدا اور اس کے رسول ﷺ کی ولایت کے ساتھ میری ولایت رکھی گئی ہے یا تیری؟

[ابو بکر نے کہا: آپ کی۔

میں نے اس سے پوچھا:]
تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ تیری اولاد اور خاندان کے ساتھ عیسائیوں کے مقابل مباہلہ کرنے گئے یا میری اولاد و خاندان کے ساتھ؟

[ابو بکر نے کہا: آپ کے ہاتھ میں دیا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، جنگِ خندق میں عمرو بن عبدود کو مار کر تُو نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے چہروں سے غم واندوہ کو دُور کیا تھا یا مَیں نے؟

[ابو بکر نے کہا: آپ نے۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ کی جانب سے جنات کو پیغام پہنچانے پر رسول اللہ ﷺ نے تجھ پر اعتماد کیا تھا یا مجھ پر؟

[ابو بکر نے کہا: آپ پر۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: «میں اور تو حضرت آدم سے عبد المطلب تک تمام پشتوں میں حلال زادہ رہیں اور ہمارے شجروں میں کوئی شُبہ نہیں پایا جاتا»۔ کیا مَیں حضرت آدم سے اپنے والد تک پاک سابقہ اور شجرہ رکھتا ہوں یا تو؟

[ابو بکر نے کہا: آپ۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنی بیٹی کے شوہر کے طور پر انتخاب کر کے فرمایا: «خدا نے آسمانوں میں تیرا عقد فاطمہ سے کر دیا ہے» یا تجھے منتخب فرمایا؟

[ابو بکر نے کہا: آپ کو منتخب فرمایا۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ کے دو سبط اور ان کے دو مہکتے پھولوں حسنؑ و حسینؑ کا والد مَیں ہوں یا تُو؟ جن کے لیے آپ نے فرمایا تھا: «حسن و حسین جوانانِ جنّت کے سردار ہیں اور ان کے والد ان دونوں سے بہتر ہیں۔

[ابو بکر نے کہا: آپ ہیں۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا جنّت میں تیرا بھائی دو پروں کا حامل ہے اور فرشتوں کے ساتھ پرواز کرتا ہے یا میرا بھائی؟

[ابو بکر نے کہا: آپ کا بھائی۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ قرض اور دَین ادا کیے اور حج کے دنوں میں اعلان کیا کہ حضرت کے تمام قرض اور وعدے مَیں پورے کروں گا، یا تو نے؟

[ابو بکر نے کہا: آپ نے۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھنا ہوا مرغ بطور ہدیہ بھیجا گیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر کہا: «خدایا! اپنے محبوب ترین بندے کو بھیج تا کہ وہ میرے ساتھ یہ غذا تناول کرے»۔ اس وقت مَیں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا یا تو؟

[ابو بکر نے کہا: آپ پہنچے تھے۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کی تاویل پر ناکثین، قاسطین اور مارقین کے ساتھ جنگ کرنے کی بشارت تجھے دی تھی یا مجھے؟

[ابو بکر نے کہا: آپ کو دی تھی۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کہنا: «تم سب میں علؑی سب سے بہترین فیصلہ کرنے والا ہے» تیرے بارے میں ہے یا میرے بارے میں؟

[ابو بکر نے کہا: آپ کے بارے میں۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات میں اپنے اصحاب سے مجھے امیر المومنینؑ کہہ کر سلام کرنے کو کہا تھا یا تجھے؟

[ابو بکر نے کہا: آپ کو۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ کا آخری کلام سننے والا اور ان کے غسل و کفن کا ولی میں تھا یا تو؟

[ابو بکر نے کہا: آپ تھے۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تو رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں میں سے ہے یا مَیں؟

[ابو بکر نے کہا: آپ۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، تہی دستی کے عالم میں خدا نے ایک شخص کو ایک دینار سے نوازا تھا، جبرائیل نے اس سے معاملہ کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نیز آپؐ کے بیٹے اس کے مہمان ہوئے تھے۔ وہ تو تھا یا مَیں؟

[ابو بکر نے کہا: آپ۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، کعبے سے بت ہٹاتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے تجھے اپنے کندوں پر اٹھا کر بت توڑے تھے یا مجھے؟

[ابو بکر نے کہا: آپ کو اٹھایا تھا۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: «تو دنیا اور آخرت میں میرا علم بردار ہے» یہ فرمان تیرے حق میں تھا یا میرے حق میں؟

[ابو بکر نے کہا: آپ کے حق میں۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ مسجد میں کھلنے والے ایک در کے علاوہ بقیہ تمام اصحاب کے دروازے بند کر دیے جائیں۔ جو در کھلا رہا وہ تیرا در تھا یا میرا؟

[ابو بکر نے کہا: آپ کا۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، اس آیت: ﴿ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ نَجۡوٰىكُمۡ صَدَقٰتٍ ؕ ﴾[1]

کیا تم اپنی سرگوشیوں سے پہلے صدقہ دینے سے ڈر گئے ہو؟

پر عمل کرتے ہوئے تو نے رسول اللہ ﷺ سے کلام سے قبل صدقہ دیا تھا یا مَیں نے؟

[ابو بکر نے کہا: آپ نے۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا رسول اللہ ﷺ نے تیرے بارے میں فاطمہؑ سے فرمایا تھا کہ «میں نے تیری شادی اس سے کی ہے جو پہلا مومن ہے اور جس کا اسلام سب پر تقدم رکھتا ہے» یا میرے بارے میں؟

[ابو بکر نے کہا: آپ کے بارے میں۔

میں نے اس سے پوچھا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، جنگِ بدر کے دن اُس کنویں کے کنارے جس میں کافروں کے جنازے پڑے تھے، سات آسمان کے فرشتے تجھ پر سلام بھیج رہے تھے یا مجھ پر؟

[ابو بکر نے کہا: آپ پر۔

اس طرح میں نے اپنی خصوصیات گنوائیں اور وہ بھی ایک ایک کر کے ان کا اعتراف کرتا چلا گیا۔ آخر میں اس سے کہا: جن خصوصیات کا ذکر کیا اور جن کا ذکر نہیں کیا، یہ سب رسول اللہ ﷺ کی خلافت کے لیے میری لیاقت اور قابلیت پر دلیل ہیں۔ پس تیرے خُدا اور رسول ﷺ اور دینِ الٰہی کی

---

[1] مجادلہ: ۱۳۔

جانب توجہ نہ کرنے کی کیا وجہ ہے جبکہ تجھ میں اہلِ دینِ الٰہی پر حاکمیت کی شرائط موجود نہیں تھیں پھر کیوں تو نے ان کی حاکمیت اپنے ذمہ لی؟

[ابو بکر روتے ہوئے بولا: ابو الحسنؑ آپ صحیح کہتے ہیں۔ مجھے کچھ مہلت دیجیے تاکہ میں اپنے بارے میں فکر کروں نیز آپ کی کہی باتوں کے بارے میں سوچ بچار سے کام لوں۔ میں نے اس سے کہا:]

جس قدر چاہے سوچ اور فکر سے کام لے، اے ابو بکر۔[1]

---

1 الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۱۵؛ الخصال: ص ۵۴۸.

جانب توجہ نہ کرنے کی کیا وجہ ہے جبکہ تجھ میں اہل دینِ الٰہی پر حاکمیت کی شرائط موجود نہیں تھیں پھر کیوں تو نے ان کی حاکمیت اپنے ذمہ لی؟

[ابو بکر روتے ہوئے بولا: ابو الحسنؑ آپ صحیح کہتے ہیں۔ مجھے کچھ مہلت دیجیے تا کہ میں اپنے بارے میں فکر کروں نیز آپ کی کہی باتوں کے بارے میں سوچ بچار سے کام لوں۔ میں نے اس سے کہا:]

جس قدر چاہے سوچ اور فکر سے کام لے، اے ابو بکر۔[1]

1۔ احتجاج: ج ۱، ص ۱۱۵؛ الخصال: ص ۵۴۸.

۶۔ فدک کا غم انگیز واقعہ

۞ داستانِ فدک

آسمان نے جن اشیاء پر سایہ کر رکھا تھا ان میں سے ہمارے ہاتھ میں بس ایک فدک ہی تھا۔ کسی نے اس پر بخل کیا اور کسی نے اس سے سخاوت مندانہ انداز میں چشم پوشی کر لی؛ البتہ خدا بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

حقیقت میں علیؑ کا فدک یا اس کے علاوہ کسی اور چیز سے کیا کام؟! وہ بھی اس وقت جب انسان کل ایک قبر میں ہو گا، جس کی تاریکی سے انسان کا بدن نابود ہو جائے گا اور اس کی خبریں اور یادیں بھُلا دی جائیں گی۔ قبر کھودنے میں جس قدر گودال چلائے جائیں اور گورکن کے ہاتھ اسے جتنی بھی وسعت بخشیں، بالاخر اسے پتھر اور ڈھیلے بھر دیں گے اور مٹی اس کے شگافوں کو بند کر دے گی۔

۞ فدک پر ابوبکر سے مناظرہ

[جب ابوبکر نے فاطمہؑ سے فدک چھین کر ان کے کارمندوں کو وہاں سے نکالا، میں مسجد میں اس کے پاس گیا، دیکھا مہاجرین اس کے گرد حلقہ لگائے بیٹھے ہیں۔ میں نے اس سے کہا:]

اے ابوبکر! تُو نے فاطمہؑ کو اس (مال) سے کیوں محروم کیا جو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے رکھا تھا۔ نیز ان کے وکیل کو جو سالہا سال سے وہاں موجود تھا، کیوں بے دخل کیا؟

[ابوبکر نے کہا: فدک مسلمانوں کا مال ہے۔ اگر فاطمہ کے پاس فدک پر ان کے حق میں گواہی دینے والے عادل گواہ موجود ہوں، میں یہ زمین انہیں واپس لوٹا دوں گا؛ ورنہ ان کا فدک پر کوئی حق نہیں۔

میں نے ابوبکر سے پوچھا:]

کیا ہمارے بارے میں تیرا فیصلہ بقیہ مسلمانوں کے حق میں کیے گئے فیصلوں سے مختلف ہے؟

[ابوبکر نے کہا: نہیں۔

میں نے اس سے پھر پوچھا:]

اگر کسی مسلمان کے ہاتھ میں کوئی مال ہو اور مَیں اس مال کے لیے اپنی مِلک ہونے کا دعویٰ کروں، اس صورت میں تو کس سے گواہ طلب کرے گا؟ مجھ سے جو مُدّعی ہے یا اس مسلمان سے جس کے ہاتھ میں مال ہے؟

[ابو بکر: تجھ سے دلیل مانگیں گے جو مدعی ہے۔

میں نے کہا:]

اب اگر میرے ہاتھ میں کوئی مال ہو اور مسلمان دعویٰ کریں کہ یہ ان کا ہے، اس صورت میں مجھ سے گواہ اور دلیل طلب کرے گا یا مسلمانوں سے؟

[ابو بکر خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ عمر اس کی مدد کو پہنچا اور کہا: فدک اموالِ مسلمین کا جزو ہے۔ دوسری بات یہ کہ اس وقت ہم تیرے ساتھ بحث و مناظرے کے محل میں نہیں۔ میں نے عمر کی بات کی طرف توجّہ دیئے بغیر ابو بکر سے سوال کیا:]

کیا تُو قرآن کا فیصلہ قبول کرے گا؟

[ابو بکر نے کہا: ہاں! قرآن کی بات قبول کروں گا۔

میں نے اس سے پوچھا:]

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ [1]

اللہ کا ارادہ بس یہی ہے ہر طرح کی ناپاکی کو اہل بیت! آپ سے دور رکھے اور آپ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

یہ آیت ہماری شان میں نازل ہوئی ہے یا کسی دوسرے کی شان میں؟

[ابو بکر نے کہا: یہ آیت آپ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اس اعتراف کے بعد اس سے پوچھا:]

اگر دو مسلمان اس بات پر گواہی دیں کہ (نعوذ باللہ) فاطمہ کسی برائی کی مرتکب ہوئی ہے، تو کیا فیصلہ کرے گا؟

---

[1] احزاب: ۳۳۔

[ابو بکر: جس طرح بقیہ مسلمان خواتین پر حد جاری کرتا ہوں، ویسے ہی ان پر بھی حد جاری کروں گا۔ میں نے اس سے کہا:]

اس صورت میں تُو کافروں میں سے ہو جائے گا۔

[ابو بکر: وہ کیوں؟

میں نے جواب دیا:]

اس لیے کہ تُو نے خدا کی گواہی رد کر کے غیر خدا کی شہادت قبول کی ہے؛ کیونکہ خداوند متعال نے فاطمہ کی طہارت کی گواہی دی ہے اور جب تو خدا کی گواہی رد کر کے کسی دوسری کی شہادت قبول کرے گا، خدائے تعالیٰ کے نزدیک کافر ہو جائے گا۔

[یہ باتیں سن کر حاضرین گریہ کرنے لگے؛ لیکن حق کی طرفداری کرنے کی بجائے، مسجد سے باہر نکل کر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔][1]

❁ فاطمہ علیہا السلام کو تسلی دی

[فاطمہ نے مسجد نبوی میں خطبہ دیا اور اپنے حق (فدک) کا دفاع کیا؛ انہیں ان کے محکم دلائل کے سامنے، نادرست باتیں سننے کو ملیں اور کسی نے ان کی مدد نہ کی۔ وہ شکستہ دل، بہتی آنکھوں اور غم و غصے کے ساتھ گھر لوٹ آئیں۔ گھر آکر انہوں نے مجھ سے جو اپنا سر غموں کے مارے زانو دیئے میں دیے بیٹھا تھا، شکوہ کیا، مجھ سے اپنی حرمت شکنی اور بے یاوری پر گلہ کیا اور خدا سے موت طلب کی۔

میں نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا:]

اے عالمین میں منتخب شدہ ہستی کی دختر اور بہترین نبی کی یادگار، آپ پر کوئی حسرت اور افسوس نہیں؛ بلکہ آپ کا دشمن حسرت و افسوس کا حقدار ہے۔ غم نہ کھائیے، اندوہ کو خود سے دور کیجیے۔ خدا کی قسم، اگر آج میں گوشہ نشین ہوں، تو یہ میرے دین میں سستی کی وجہ سے نہیں؛ جو کچھ میرے بس میں تھا، میں نے وہ کیا لیکن اب اس سے زیادہ میں کچھ کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ [آپ فدک کی محتاج نہیں؛ کیونکہ] آپ کا رزق خدا کے پاس محفوظ ہے اور جو کچھ عالم آخرت میں آپ کے لیے ذخیرہ

---

1 علل الشرائع: ج۱، ص۱۹۱؛ تفسیر قمی: ج۲، ص۱۵۶؛ الاحتجاج: ج۱، ص۲۳۷.

ہو چکا ہے وہ آپ سے چھن جانے والی چیز سے بہتر ہے۔ پس صبر کیجیے اور یہ امر خدا کے سپرد کر دیجیے۔

[فاطمہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئیں: خدا میرے لیے کافی ہے اور وہ بہترین مدد گار ہے۔][1]

---

[1] امالی طوسی: مجلس ۳۸، ح ۸، ص ۶۸۳؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۲۸۰؛ مناقب آل ابی طالب: ج ۲، ص ۲۰۸.

مترجم عرض کرتا ہے: مذکورہ روایت میں جناب فاطمہ علیہا السلام کی جانب سے امام علی علیہ السلام کے لیے بہت ہی سخت اور غیر موؤب الفاظ نقل کیے گئے ہیں. گو کہ مؤلف نے وہ الفاظ محل و مقام کی مناسبت اور کتاب کے اسلوب کی وجہ سے نقل نہیں کیے البتہ اصل روایت میں وہ الفاظ موجود ہیں. اہلِ تشیع کا عقیدہ ہے کہ جناب زہراءؑ اور امیر المومنینؑ دونوں معصوم ہیں. معصومینؑ آپس میں اس طرح سے گفتگو نہیں فرماتے. جناب زہراءؑ اپنے امام زمانہ کی مطیع تھیں، اور وہ اپنے زمانے کے امام سے اس طرح سے بات نہیں کر سکتیں. لہذا اس قسم کا اندازِ تخاطب و اقوالِ جناب سیدہؑ جیسی بی بی سے بعید ہی نہیں بلکہ ناممکن ہیں. ہو سکتا ہے کہ یہاں کوئی یہ کہہ کر اس بات کی تاویل کرنے کی کوشش کرے کہ جناب سیدہؑ پر ایک ہیجانی اور غم و غصے کی کیفیت طاری تھی جس کی وجہ سے وہ خود پر قابو نہ رکھتے ہوئے یہ بات کہہ گئیں اور جب متوجہ ہوئیں تو علیؑ سے معافی بھی مانگی، ایسی حالات میں بی بی کا اپنے شوہر سے ایسا خطاب انسانی طبیعت کا تقاضا تھا. اس کے جواب میں ہم کہیں گے: اول تو جناب سیدہؑ امیر المومنینؑ کے رُتبے میں تفکیک کی قائل نہیں ہو سکتیں یعنی ایسا نہیں ہے کہ جب وہ انہیں اپنا شوہر سمجھیں تو اس وقت وہ ان کے امام ہونے سے صرف نظر کر لیں جس کی وجہ سے وہ امیر المومنینؑ سے اس طرح مخاطب ہوں. اگر ہمارے سامنے بھی کوئی زمانے کے امام سے اس طرح سے کلام کرے تو ہم اسے اچھا نہیں سمجھیں گے بلکہ اسے امامؑ کی شان میں گستاخی تصور کیا جائے گا، سو جو عمل کسی ایک عام انسان کے لیے جائز تصور نہیں کیا جا سکتا وہ سیدۃ النساء العالمینؑ سے بدرجہءِ اُولیٰ سرزد نہیں ہو سکتا، جبکہ ہم ان کی عصمت کے بھی قائل ہوں. دوم یہ کہ اسی بی بی کی آغوش کی پروردہء عصمت صغریٰ زینب کبریٰؑ کربلا جیسے ہولناک واقعے اور کوفہ و شام جیسے شہروں میں گزرنے والی صعوبتوں کے بعد بھی اپنے اعصاب پر ان مشکلات کو سوار نہیں ہونے دیتیں اور منہ سے کوئی ایسا نہیں نکالتیں جو خلاف رضا ہو، پھر جناب سیدہؑ جن کی آغوش کا اثر زینبؑ کو ثانی زہراءؑ کر دے، وہ کس طرح ان مشکلات سے متاثر ہو کر ایسے الفاظ امام حق کے لیے استعمال کر سکتیں ہیں جن سے اس کی ہتک ہوتی ہو. لہذا ہماری رائے میں یہ جملے جناب سیدہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتے یا تو یہ دشمنانِ علیؑ و بتولؑ کی جانب سے بعد میں اضافہ کیے گئے ہیں اور یا ناقل حدیث سے نقل حدیث کے وقت غلطی سرزد ہوئی ہے. بہر حال ہمیں اس بات

میں کسی تردّد کا شکار نہیں کہ جناب سیدہؑ جیسی بی بی دو عالم سے ایسے جملے اور وہ بھی علیؑ کی شان میں سرزد ہونا محال ہیں.

۷۔ شہادتِ فاطمۃ الزہراؑ علیہا السلام

فاطمہ علیہا السلام نزدیک بہ وداع

[ابھی رسول اللہ ﷺ کا کفن بھی میلا نہ ہوا تھا کہ ان کی دُخترِ نیک اختر فاطمہؑ غموں کے ہجوم اور اصحاب رسول ﷺ کی عہد شکنی دیکھنے کے بعد بستر علالت سے جا لگیں اور خود کو خدا اور اس کے رسول سے ملاقات کے لیے تیار کر لیا۔ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں فاطمہؑ نے مجھے بلایا اور کہا: جلد ہی اس دنیا سے رختِ سفر باندھ لوں گی، مجھے اس بات میں کوئی تردُّد نہیں۔ جو کچھ میرے دل میں ہے آپ سے وصیّت کے طور پر کہنا چاہتی ہوں۔ میں نے ان سے کہا:]

یا بنت رسول اللہ ﷺ! آپ جو چاہیں وصیت کیجیے!

[میں نے گھر خالی کروا دیا۔ ان کے سرہانے بیٹھا۔ فاطمہؑ گویا ہوئیں: اے میرے چچازاد! جتنا عرصہ ہم ساتھ رہے آپ نے مجھ سے کوئی جھوٹ نہیں دیکھا یا خیانت نہیں دیکھی اور نہ میں نے آپ کی خواہش کے خلاف کوئی کام انجام دیا۔

میں نے ان سے کہا:]

خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ آپ خدا کی سب سے زیادہ معرفت رکھنے والی ہستی ہیں۔ آپ خدا کی بہترین اور برترین کنیز ہیں۔ آپ متّقی ترین خاتون ہیں۔ آپ خدا کی اس قدر پرواہ کرنے والی ہیں کہ کل قیامت کے دن میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ آپ نے کوئی چھوٹا سا کام بھی میری نظر اور پسند کے خلاف انجام دیا تھا۔ آپ سے جدائی کا غم نیز آپ کو کھو دینے کا اندوہ بہت سخت ہے۔ افسوس کہ اس جدائی کے سوا کوئی چارہ نہیں! خدا کی قسم، آپ کے فراق کا سوچ کر رسول اللہ ﷺ کی رحلت کا غم دوبارہ زندہ ہو گیا۔ آپ سے جدائی بہت بڑی مصیبت ہے۔ ﴿انا للہ و انا الیہ راجعون﴾ یہ مصیبت بہت سخت، تلخ اور غم انگیز ہے۔ خدا کی قسم، یہ مصیبت اس قدر غم انگیز ہے کہ کوئی بھی چیز اس کی تسکین کا سامان نہیں کر سکتی نہ اس کا مداوا ہو سکتا ہے۔

نکلیں گے یہاں تک کہ میری موت آن پہنچے اور خدا مجھے اس گھر کا مکین بنا دے جس میں آپ ساکن ہیں۔ میرے سینے میں سنگین غم چھپا ہوا ہے جو مسلسل میرے دل کو زخمی کیے جا رہا ہے۔ غم واندوہ نے میرے سارے وجود کو جکڑ لیا ہے۔ ہم کتنا جلدی ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے! اب میں فقط خُدا سے اپنے درد بیان کروں گا۔ جلد ہی آپ کی بیٹی آپ کو بتائے گی کہ آپ کی اُمّت میرے خلاف ایک ہو گئی۔ انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے تاکہ مجھے چکنا چور اور پائمال کر دیں۔ آپ فاطمہ علیہا السلام سے اصرار کے ساتھ (جو ہوا اس کے بارے میں) بار بار پوچھیے گا اور جو کچھ گھٹا اُس کی تفصیل معلوم کیجیے گا۔ اِس کے سینے میں بہت سے غم دفن ہیں۔ ایسے درد جس سے اس کا دل شکستہ ہُوا جاتا تھا لیکن فاطمہؑ کو انہیں بیان کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اب وہ سب باتیں آپ کے سامنے بیان کرے گی۔ البتہ خدا فیصلہ کرے گا؛ اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔ سلام ہو آپ پر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ کی قبر کے کنارے بیٹھنے سے تھکتا نہیں ہوں اور میرا دل اس سے جدا ہونے کو راضی نہیں لیکن الوداع کرنے کو مجبور ہوں۔ اگر میں واپس آتا ہوں تو یہ ملال کی وجہ سے نہیں اور اگر ادھر ہی رہ جاتا ہوں تو یہ خدا کے صابروں سے کیے گئے وعدوں سے بے توجّہی کی وجہ سے نہیں۔ آہ، آہ!۔۔۔ پھر بھی صبر بہتر اور سزاوار ہے۔ اگر مجھے پریشانی نہ ہوتی اور فاطمہ کی قبر کے کنارے بیٹھے رہنا طالبانِ خلافت کے لیے اس راز کے فاش ہونے کا موجب نہ بنتا تو میں خود پر اس کے پاس بیٹھنا ویسے ہی لازم سمجھتا جیسے اعتکاف کرنے والے کرتے ہیں اور اس پر ایسے ہی عزاداری کرتا جیسے خواتین اپنے کسی عزیز کے جدا ہو جانے پر کرتی ہیں۔ خدا کے سامنے اور دوسروں کی نگاہوں سے خُفیہ آپ کی بیٹی مخفیانہ طور پر سپردِ خاک کی گئی ہے۔ اس کا حق پائمال ہوا اور کھلم کھلا اسے اس کی وراثت سے محروم کر دیا گیا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہوا جب آپ کو گزرے زیادہ وقت نہیں ہوا تھا اور آپ کی یادیں ہمارے درمیان تازہ تھیں۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں فقط خدا کی بارگاہ میں شکایت پیش کرتا ہوں۔ اس راہ کو طے کرنا جس پر آپ مجھ سے پہلے چلے، میرے لیے بہترین تسلّی اور دلداری کا وسیلہ ہے۔ خدا کی صلوات، رحمت

اور برکات ہوں آپ پر اور فاطمہ پر۔[1]

فاطمہ علیہا السلام کے سوگ میں مرثیہ

[فاطمہؑ کی تدفین کے بعد گھر واپس پہنچا تو ان کی جگہ خالی دیکھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے سارے غموں نے میرے گرد جمگھٹا لگا لیا ہے۔ اس وقت میں نے یہ اشعار کہے:]

دیکھ رہا ہوں کہ دنیا کی مصیبتوں کا انبوہ مجھ پر ہجوم آور ہے؛

ایسی مصیبتیں کہ اگر یہ کسی پر پڑیں تو مرتے دم تک بھلائے نہ بھولیں۔

رسمِ دنیا ہے کہ وصل ہمیشہ فراق پر منتہی ہوتا ہے اور دوست ہجر کی (مصیبت) میں مبتلا ہوتے ہیں۔

دردِ فراق اتنا جان سوز ہے کہ اس کے مقابل ہر مصیبت ناچیز ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد میں نے فاطمہؑ کو بھی اپنے ہاتھ سے کھو دیا ہے۔

ایک بار دوبارہ ثابت ہو گیا کہ اس دنیا میں کوئی پیوند بھی دوام نہیں رکھتا نہ محبت کے رشتے دائمی ہوتے ہیں۔[2]

فاطمہ علیہا السلام کی قبر پر

[میں فاطمہؑ کی قبر پر زیارت کے لیے گیا ہوا تھا۔ وہاں کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے:]

اپنے دوست اور محبوب کی یاد میں رات ڈھلی اور دن سے آملی۔

گویا میرے کندھے پر گزشتہ غموں کا بار سنگین ہوتا جا رہا ہے۔

دوستی کا اختتام ہجر ہے۔

لیکن کسی عزیز کی موت کے مقابل سارے غم ناچیز ہیں۔

---

[1] امالی مفید: مجلس ۳۳، ح ۷، ص ۱۸۱؛ الکافی: ج ۱، ص ۴۵۸؛ امالی طوسی: مجلس ۴، ص ح ۲۰، ص ۱۰۹؛ دلائل الامامۃ: ص ۱۳۷؛ بشارۃ المصطفیٰ: ص ۲۵۸؛ نہج البلاغہ: خطبہ ۲۰۲، ص ۳۱۹؛ مناقب ابن شہر آشوب: ج ۳، ص ۳۶۴؛ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۵۰۴ و ۵۰۶؛ روضۃ الواعظین: ص ۱۵۲۔

[2] الفصول المہمۃ: ص ۱۴۸۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد فاطمہؑ کو کھو دینا اس دنیا میں الفتوں کی ناپائیداری پر گواہ ہے۔

ایک دن میں بھی یادوں سے محو ہو جاؤں گا اور بھلا دیا جاؤں گا۔

ایک کے بعد ایک دوست دیارِ خاک کے راہی ہوتے رہیں گے۔

اور جب میری عمر کا پیمانہ لبریز ہو گا، تو سوگواروں کے نالے زیادہ دیر تک نہیں رہیں گے۔[1]

ہر روز قبر فاطمہ علیہا السلام کی زیارت

[میں ہر روز فاطمہ علیہا السلام کی قبر پر جاتا اور اس کی زیارت کرتا۔ ایک دن صبر کا بند ٹوٹ گیا، میں فاطمہؑ کی قبر پر گرا اور یہ شعر پڑھے:]

مجھے کیا ہو گیا ہے جو میں دوست کے مزار پر کھڑا ہو کر اسے سلام کرتا ہوں،

لیکن وہ میرے سلام کا جواب نہیں دیتا؟!

اے دوست! تجھے کیا ہو گیا ہے جو دوست کے سلام کا جواب نہیں دیتا؟!

کیا دوستوں کی دوستی سے بے زار ہو گیا ہے؟![2]

---

[1] تاریخ دمشق: ج۳، ص۳۰۶، رقم ۱۳۴۱؛ امالی صدوق: مجلس ۴۷، ح ۱۰، ص ۵۸۰؛ روضۃ الواعظین: ص ۱۵۳؛ مناقب آل ابی طالب: ج۳، ص ۳۶۵؛ شرحِ نہج البلاغہ: ج ۱۰، ص ۲۸۸؛ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۵۰۰؛ فرائد السمطین: ج ۲، ص ۸۷.

[2] الفصول المہمۃ: ص ۱۴۸.

۸۔ خلیفۂ دوم کی خلافت کا آغاز

٭ اقتدار منتقل ہوا

خلیفہ اول ابو بکر نے رسول اللہ ﷺ کے بعد اُمت کی سربراہی اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ وہ اکثر میرے پاس ملاقات کے لیے آیا کرتا تھا۔ ان ملاقاتوں میں وہ مجھ سے میری بیعت توڑنے اور میرے حق کو اَن دیکھا کرنے کے سلسلے میں معذرت کرتا اور معافی مانگا کرتا تھا۔

میں نے سوچھا: اس کے دن لدنے کو ہیں۔ جو حق خدا نے میرے لیے قرار دیا تھا وہ باآسانی مجھے مل جائے گا۔

لیکن جب خلیفۂ اول کی خلافت کا دورانیہ ختم ہوا اور اس نے موت کو سامنے پایا، اس وقت اس نے خلافت اپنے دوست کے سپرد کر دی۔ گزشتہ مصیبت کی طرح میرے سر پر نازل ہونے والی یہ تازہ مصیبت تھی۔ یوں دوسری بار بھی مجھ سے وہ خلافت چھین کر کسی دوسرے کو دے دی گئی جسے خدا نے میرے لیے مقرر کیا تھا اور جس کا فقط میں ہی حق دار و سزاوار تھا۔

دوسری بار بھی اصحاب رسول ﷺ میں سے بعض افراد جن میں سے کچھ دنیا سے گزر چکے ہیں اور کچھ اب بھی زندہ ہیں، میرے پاس جمع ہوئے۔ انہوں نے خلافت اور اسے حکمرانوں سے واپس حاصل کرنے کے لیے اپنی پرانی باتوں کو دُہرایا نیز اس راہ میں اپنی آمادگی اور فداکاری کا اعلان کیا لیکن اس بار بھی میں نے انہیں صبر و تحمل سے کام لینے اور ساتھ ساتھ ثابت قدمی دکھانے کا مشورہ دیا تاکہ اسلامی معاشرہ محفوظ رہے اور جس معاشرے کو رسول اللہ ﷺ نے بڑی محنت اور سختی سے حاصل کیا تھا وہ برباد نہ ہو۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس معاشرے کو تشکیل دینے میں کن زحمات کو سہا تھا۔ آپ نے دقیق تدبیر کے ساتھ زحمت اٹھتے ہوئے کبھی نرمی سے تو کبھی سختی اور شدتِ عمل کے ساتھ، کبھی عفو و بخشش سے تو کبھی تلوار کے ساتھ اسلام کے اس تناور شجر کی حفاظت فرمائی تھی۔ آپؐ لوگوں سے اس قدر محبت کرتے اور ان کے حق میں اتنا

لطف سے کام لیتے کہ فقط ان کے اسلام سے نزدیک ہونے کی وجہ ان کی کسی بھی مدد سے اور ان پر کسی بھی قسم کے احسان کرنے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ نو مسلم مصیبت اور کمی کا احساس نہ کریں، اس بات کے پیشِ نظر تمام ممکنہ امکانات ان کے لیے استعمال کرتے۔ جبکہ ہم یعنی ان کا خاندان طاقت فرسا زحمات برداشت کرتے، ایسے گھروں میں رہتے جن کے دروازے اور چھتے نہ ہوتے تھے، ہمارے گھروں کی دیواریں کھجوروں کے درختوں کی شاخیں تھی، نہ ہمارے پاس کوئی قالین ہوتا، نہ نیچے بچھانے کا کوئی گدا۔ کئی کئی شب و روز بھوکے رہتے۔ اس وقت بھی رسول اللہ ﷺ خمس کا وہ حق جو خدا نے ہم سے مختص فرمایا تھا، دوسروں پر خرچ کرتے اور یوں عرب کے ثروت مند افراد کے دل نرم اور ان کے قلوب کو خود سے نزدیک کرتے۔ (اور ہم آپ کے ان اعمال پر راضی رہتے ہوئے صبر سے کام لیتے)۔

دوسروں کی نسبت معاشرت کی حفاظت کی ذمہ داری مجھ پر زیادہ تھی۔ اسی لیے دل خون ہوتا رہا لیکن اس معاشرے کی تشکیل کے لیے حد درجہ زحمتیں اٹھائیں، مجھ پر کوشش کرنا لازم تھا تاکہ یہ معاشرہ تفرقے اور اختلاف کا شکار نہ ہو۔ اگر میں نے بحرانی حالات میں قیام کیا ہوتا اور لوگوں کو اپنی مدد کے لیے پکارتا، ممکن تھا ایک گروہ میری حمایت میں اٹھ کھڑا ہوتا اور میرے مخالفین سے جنگ بھی لڑتا، لیکن اس صورت میں چاہے میرے ساتھی ان پر فتح پاتے اور چاہے وہ شکست کھاتے لیکن اُمّت کے درمیان دراڑ پڑ جاتی۔ اگر ایک گروہ کنارہ کشی اختیار کر لیتا اور میری مدد کو نہ اٹھتا، مشکل اور سنگین تر ہو جاتی اور وہ یہ تھی کہ کفران کے دامن گیر ہو جاتا؛ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے میرے مقام و مرتبہ کو جانتے تھے اور آپؐ سے بارہا سن چکے تھے کہ مجھے ان سے وہی نسبت ہی جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی۔ نتیجتاً میری مخالفت کرتے ہوئے میری مدد نہ کرنا اس اُمّت کے کفر اور ان پر نزولِ بلا کا موجب بنتا بالکل ویسے ہی جیسے موسیٰؑ کی اُمّت ہارون کی مخالفت میں کفر و بلا میں گرفتار ہوئی تھی۔

ان وجوہات کی بنا پر میں نے قیام نہیں کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ان حالات میں جب تک خدا کوئی راہ نہ نکالے افسوس کرنا اور صبر سے کام لینا بہتر ہے اور میرا اجر و ثواب میں اضافے کا باعث بھی نیز جس اسلامی معاشرے کی میں سے توصیف بیان کی اس کے لیے بھی سہل تر ہے۔

البتہ یہ بات اَن کہی نہ رہ جائے کہ اگر مسلمانوں اور اسلام کے لیے یہ مصلحت اندیشی نہ ہوتی اور میں فقط اپنا حق لینے کے درپے ہوتا تو مَیں اسے حاصل کرنے کی توانائی رکھتا تھا؛ کیونکہ تمام اصحاب رسول ﷺ جو اس وقت دنیا سے گزر چکے ہیں یا وہ جو اب بھی موجود ہیں، جانتے تھے کہ دوسروں کے مقابلے میں مجھ میں قدرت و طاقت زیادہ ہے، میرا قبیلہ زیادہ طاقتور ہے، میرے ساتھی اور پیروکار زیادہ حکم ماننے والے ہیں۔ ان کے پاس میری حمایت کرنے کے لیے متعدد اور واضح دلائل موجود تھے۔ دوسری جانب اسلام میں میرے سوابق اور افتخارات بقیہ افراد کی نسبت سب سے زیادہ تھے۔ پُر افتخار ماضی، رسول اللہ ﷺ سے قرابت، آپ سے ملنے والی وراثت کے علاوہ میں آپؐ کی صریح وصیت اور خلافت غصب کرنے والوں کے گردن پر حقِ بیعت رکھنے کی وجہ سے، خلافت کا مستحق تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اِس دنیا کو اُس وقت خیر باد کہا تھا جب آپ اپنے خاندان میں اپنا خلیفہ اور جانشین معیّن فرما چکے تھے جبکہ جن افراد نے خلافت کو ہتھیایا آپؐ ان کے لیے خلافت میں کسی حصے کے قائل نہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا وہ خاندان جس سے خدا نے ہر قسم کی نجاست کو دور فرما کر ایسے پاک رکھا تھا جیسے پاک رکھنے کا حق تھا، صحیح معنوں میں ان کے بعد ان کی خلافت اور جانشینی کا حق دار اور سزاوار تھا۔ ان میں خلافت کے لیے تمام لازم خصوصیات جمع تھیں۔[1]

ناقۂ خلافت

[جب ابو بکر کی وصیّت کے بعد لوگوں کے عمر کی بیعت کی اور اُمّت کی سربراہی اس کے سپرد کی تو میں نے اس سے ایک مختصر جملہ کہا:]

تو نے ناقۂ خلافت کا دُودھ دوہا، اور اس کا آدھا دودھ تیرے لیے باقی بچ گیا ہے! ابو بکر کی خلافت کے پہلے سال تُو نے لوگوں سے اس کے لیے بیعت لی تاکہ امسال لوگوں سے تیری بیعت لی جائے۔[2]

[1] الخصال: ص ۳۷۲؛ الاختصاص: ۱۷۱؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۵۰.

[2] انساب الاشراف: ج ۱۰، ص ۳۷۵.

۹۔ امین مشاور؛ شفیق نقاد

۞ **خلیفۂ دوم کا تنہا مشاور**

[میں خلافت کو اپنا حق سمجھتا تھا اور اگر اُمّتِ اسلامیہ میں وحدت کی ضرورت نہ ہوتی، میں کبھی بھی ابو بکر و عمر کے ساتھ نہ بیٹھتا؛ لیکن انہوں نے جب بھی مجھ سے مشورہ مانگا، امانت داری اور شفقت کے ساتھ اُن کی اسلام اور مسلمانوں کے سود و صلاح کی جانب رہنمائی کرتا رہا۔]

ابو بکر کے بعد عمر مسلمانوں کے امور کا زمامدار ہو گیا۔ وہ اپنے کاموں میں مجھ سے مشورے لیتا نیز اہم امور اور مشکل و بحرانی حوادث میں میری رائے طلب کرتا۔ پھر میری رہنمائی کے مطابق ہی عمل کرتا اور میری رائے کو مدِّ نظر رکھ کر حکم صادر کرتا تھا۔ اس کا خاص مشاور فقط میں تھا۔ میں کسی دوسرے کو نہیں جانتا جس سے وہ میری طرح مشورہ کرتا ہو یا اس پر میری طرح اعتماد کرتا ہو۔[1]

۞ **ایک جنگ میں خلیفہ کا مجھ سے مشورہ کرنا**

[ایک جنگ میں خلیفۂ دوم بھی لشکر کے ساتھ دشمن کے مدِّ مقابل جانے کا قصد رکھتا تھا۔ اُس نے اس حوالے سے مجھ سے مشورہ طلب کیا۔ میں نے اس سے کہا:]

اللہ نے دین والوں کی حدوں کو تقویت پہنچانے اور ان کی غیر محفوظ جگہوں کو (دشمن کی) نظر سے بچائے رکھنے کا ذمہ لیا ہے۔ وہی خدا اب بھی زندہ اور غیر فانی ہے، جس نے اُن کی اس وقت بھی تائید و نصرت کی تھی جب وہ تعداد میں اتنے تھوڑے تھے کہ دشمن سے انتقام نہیں لے سکتے تھے۔ اس نے ان کی اُس وقت حفاظت کی جب وہ اتنے کم تھے کہ خود کو محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے۔ تم اگر خود ان دشمنوں کی طرف بڑھے، ان سے ٹکرائے اور کسی مصیبت میں پڑ گئے تو اس صورت میں مسلمانوں کے لیے آخری شہر کے علاوہ اور کوئی پناہ گاہ نہیں بچے گی اور نہ تمہارے بعد کوئی ایسی پلٹنے کی جگہ ہو گی جس کی جانب پلٹ سکیں۔ تم ان کی جانب (اپنی بجائے) کوئی تجربہ کار آدمی بھیجو اور اس کے ساتھ

---

[1] الخصال: ص ۳۷۴؛ الاختصاص: ۱۷۳؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۵۱.

تجربہ کار کردگی والے، خیر خواہ افراد کو روانہ کرو۔ اگر خدا نے فتح سے نوازا تو تم یہی چاہتے ہو اور اگر تمہیں شکست ہوئی تو تم لوگوں کے لیے کوئی سہارا اور پلٹنے کا مقام موجود رہے گا۔ [1]

ایک اور جنگ میں خلیفہ ثانی کا مشورہ لینا

[ایک دوسری جنگ میں بھی خلیفہ ثانی نے مجھ سے اس میں خود شریک ہونے کے حوالے سے مشورہ طلب کیا۔ میں نے اس سے کہا:]

یاد رکھو کہ اسلام کی کامیابی اور ناکامیابی کا دارومدار قلت و کثرت پر نہیں بلکہ یہ دین، دینِ خدا ہے جسے اُسی نے غالب بنایا ہے اور یہ اُسی کا لشکر ہے جسے اُسی نے تیار کیا ہے اور اُسی نے اِس کی امداد کی ہے یہاں تک کہ اِس منزل تک پہنچ گیا اور اِس قدر وسعت حاصل کر لی ہے۔ ہم پروردگار کی طرف سے ایک وعدے پر ہیں اور وہ اپنے وعدے کو بہر حال پورا کرنے والا ہے اور اپنے لشکر کی بہر حال مدد کرے گا۔

ملک میں نگراں کی منزل مہروں کے اجتماع میں دھاگے کی ہوتی ہے کہ وہی سب کو جمع کیے رکھتا ہے۔ اگر وہ ٹوٹ جائے تو سارا اسلسلہ بکھر جاتا ہے اور پھر کبھی جمع نہیں ہو پاتا۔ آج عرب اگرچہ قلیل ہیں لیکن اسلام کی بنا پر کثیر ہیں اور اپنے اتحاد و اتفاق کی بنا پر غالب آنے والے ہیں۔ لہٰذا تُو مرکز میں رہ اور اس چکی کو انہیں کے ذریعہ گھما اور جنگ کی آگ کا مقابلہ اُنہیں کو کرنے دے، تُو زحمت نہ کر۔ اگر تو نے اِس سرزمین کو چھوڑ دیا تو عرب چاروں طرف سے ٹوٹ پڑیں گے اور سب اِس طرح شریکِ جنگ ہو جائیں گے کہ جن محفوظ مقامات کو تو چھوڑ کر جائے گا اُن کا مسئلہ جنگ سے زیادہ اہم ہو جائے گا۔ اِن عجموں نے اگر تجھے میدانِ جنگ میں دیکھ لیا تو کہیں گے کہ عربیت کی جان یہی ہے اِس کو کاٹ دیا تو ہمیشہ کے لیے سکون مل جائے گا اور اس طرح ان کے حملے شدید تر ہو جائیں گے اور وہ تجھ میں زیادہ ہی دلچسپی لیں گے۔ اور یہ جو تو نے ذکر کیا ہے کہ لوگ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے آرہے ہیں تو یہ بات خدا کو تجھ سے زیادہ ناگوار ہے اور وہ جس چیز کو ناگوار سمجھتا ہے اس کے بدل دینے پر قادر بھی ہے اور یہ جو تُو نے دشمن کی تعداد کا ذکر کیا ہے تو یاد رکھ کہ ہم لوگ ماضی میں بھی

1۔ نہج البلاغہ: خطبہ: ۱۳۴.

کثرت کی بنا پر جنگ نہیں کرتے تھے بلکہ پروردگار کی نصرت اور اِعانت کے بل بوتے پر جنگ لڑتے تھے۔[1]

آج کل حالات یہ ہیں کہ: اگر اہلِ شام کو ان علاقے سے نکالو گے، رومی کمین لگا کر خواتین اور بچوں پر حملہ کر دیں گے۔ اگر اہلِ یمن کو بلاؤ گے، حبشی وہاں حملہ کر دیں گے اور اگر مکّہ و مدینہ کے باسیوں کو جنگ کے لیے بھیجو گے تو ان دونوں شہروں کے اطراف میں موجود عرب شورش کر دیں گے؛ نتیجہ یہ ہو گا کہ جو مشکلات تیرے پیچھے جنم لیں گی نیز عرب خاندانوں کا غم وغصّہ، اِن مشکلات سے زیادہ اور اہم ہو گا جو تیرے سامنے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ شام، یمن اور مکّہ و مدینہ کے لوگوں کو ان کے شہروں سے باہر نہ نکالو، اِنہیں اِن کے شہروں میں رہنے دو اور فقط اہل بصرہ کو تین گروہوں میں تقسیم ہونے کا حکم دو: ایک گروہ خواتین اور بچوں نیز شہر کی حفاظت کے لیے بصرہ میں ہی قیام کرے، دوسرا گروہ ذمی کفّار کا دھیان رکھے تا کہ وہ عہد شکنی کر کے شورش برپا نہ کریں، اور تیسرا گروہ اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے میدان جنگ کی جانب روانہ ہو جائے۔

[عمر نے کہا: ہاں! نظر صائب یہی ہے۔ مجھے یہ رائے عمل کے لیے پسند آئی۔ عمر نے یہ بات چند بار دُہرائی۔ وہ تعجب کے ساتھ اسے دوسروں کے لیے نقل کیے جا رہا تھا۔][2]

۞ کعبے کے زینتی اسباب و اموال کے بارے میں مشورہ

[ایک گروہ نے خلیفۂ دوم کو اسلامی لشکر کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کعبے کے زینتی اسباب اور اموال سے استفادہ کرنے کا مشورہ دیا۔ کیونکہ وہ بہت زیادہ تھے نیز کعبے کو زینت و آرائش کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس نے بھی اس مشورہ پسند کرتے ہوئے میری رائے طلب کی۔ میں نے اس کی مشورے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا:]

یہ قرآن پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ پر نازل ہوا ہے اور آپ کے دور میں اموال کی چار قسمیں تھیں۔ ایک مسلمان کا ذاتی مال تھا جسے حسب فرائض ورثاء میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ ایک بیت المال کا مال

---

[1] نہج البلاغہ: خطبہ ۱۴۶؛ اخبار الطوال: ص ۱۳۴؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۲۱۳؛ الفتوح: ج ۲، ص ۳۷۔

[2] الارشاد: ج ۱، ص ۲۰۹۔

تھا جسے مستحقین میں تقسیم کرتے تھے۔ ایک خمس تھا جسے اس کے حقداروں کے حوالہ کر دیتے تھے اور کچھ صدقات تھے جنہیں اِنہیں کے مقام پر صَرف کیا کرتے تھے۔ کعبے کے زیورات اس وقت بھی موجود تھے اور پروردگار نے اُنہیں اِسی حالت میں چھوڑ رکھا تھا۔ نہ وہ اُنہیں بھُولا تھا اور نہ ان کا وجود اس سے پوشیدہ تھا۔ لہٰذا اُنہیں اِسی حالت پر رہنے دیں جس حالت پر خدا اور رسول ﷺ نے رکھا ہے۔

[عمر نے کہا: اگر تم نہ ہوتے ہم سارے رسوا ہو جاتے! اس کے بعد اس نے کعبے کے زیورات سے استفادہ کرنے کا نہیں سوچا۔][1]

کوفے کے باغات کی تقسیم پر مشاورت

[خلیفہ دوم نے کُوفے میں موجود باغات کی تقسیم پر اصحاب رسول ﷺ سے مشورہ کیا۔ ایک گروہ نے کہا کہ انہیں اصحابِ رسول ﷺ کے درمیان تقسیم کر دو۔ اس سلسلے میں خلیفہ نے مجھ سے میری رائے پوچھی۔ میں نے کہا:]

اگر آج تُو نے انہیں تقسیم کر دیا پھر کل ہمارے بعد آنے والوں کے لیے کچھ نہ بچے گا؛ لہٰذا بہتر ہے کہ یہ باغ ایسے افراد کے ہاتھوں میں دے جو ان میں کام کریں تاکہ اِن سے موجودہ نسل بھی فائدہ اٹھائے اور ہمارے بعد آنے والی نسلیں بھی ان سے بہرہ مند ہوں۔

[عمر نے کہا: خدا آپ کی توفیقات میں اضافہ فرمائے! صحیح رائے یہی ہے۔][2]

بیت المال میں باقی بچے اموال کے بارے میں مشاورت

ایک دن عمر نے لوگوں سے پوچھا: بیت المال سے مال تقسیم ہونے کے بعد جو کچھ بچ جاتا ہے اس اضافی مال کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ کچھ افراد نے کہا: اے امیر المومنین! خلافت کی ذمہ داری نے آپ کو اپنے گھریلو امور، معیشت اور تجارت میں مشغول رہنے کی فرصت سے باز رکھا ہوا ہے۔ اس لیے بیت المال سے جو بھی اضافی بچ جائے وہ آپ سے مختص ہونا چاہیے۔

---

[1] نہج البلاغہ: کلمات قصار: ۲۷۰؛ مناقب ابن شہر آشوب: ج۲، ص۳۶۸.

[2] تاریخ یعقوبی: ج۲، ص۱۵۱.

خلیفہ نے میری رائے طلب کی۔ میں نے کہا: بقیہ افراد نے تجھے جواب دے دیا ہے۔
لیکن اس نے صاف الفاظ میں مجھ سے میری رائے کا تقاضا کیا۔
میں نے کہا: جس چیز میں تجھے یقین ہے اس میں تردید کو راہ کیوں دیتا ہے؟
عمر کو میرا یہ کہنا اچھا نہیں لگا۔ اس نے کہا: اپنے دعوے کو ثابت کرو۔

میں نے کہا: ہاں! خدا کی قسم، جو میں نے کہا ہے اس کی ذمہ داری اُٹھاؤں گا۔ کیا تجھے یاد ہے، رسول اللہ ﷺ نے تجھے ایک ماموریت سونپی تھی اور اس میں تیرے اور عباس بن عبد المطلب کے درمیان اختلاف ہو گیا تھا؟ تُو نے مُجھ سے رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے کا تقاضا کیا تھا تاکہ عباس کے رویے کی شکایت کروں! ہم دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے؛ لیکن محسوس ہوا جیسے رسول اللہ ﷺ کسی بات پر ناخوش ہیں؛ اِسی وجہ سے اُس وقت ہم نے کچھ نہ کہا اور واپس لوٹ گئے۔ اگلے دن پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپؐ کو خوش حال پایا۔ تُو نے بات کرنے کے لیے موقع غنیمت جانا اس لیے بات کر دی اور رسول اللہ ﷺ سے جواب بھی ملا۔

اس کے بعد ہم نے رسول اللہ ﷺ سے گزشتہ روز ناخوش ہونے کی وجہ پوچھتے ہوئے کہا: گزشتہ کل آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو آزُردہ خاطر پایا تھا؛ لیکن آج آپ خوشحال ہیں۔ کیا کوئی واقعہ پیش آیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کل جب تم میرے پاس آئے تھے، میرے پاس صدقے کے دو دینار باقی تھے۔ وہ اپنے اہل تک نہ پہنچ سکے تھے۔ میں ان دو دینار کی وجہ سے ناخوش تھا لیکن آج میں نے وہ دو دینار اس کے حق دار تک پہنچا دیے ہیں اس لیے اب کوئی پریشانی نہیں۔
عمر نے یہ بات سن کر کہا: سچ کہتے ہو، خدا کی قسم، میں دنیا و آخرت میں تمہارا شکر گزار رہوں گا۔[1]

خیر خواہانہ نصیحت

[ایک دن میں نے خلیفہ دوم سے کہا:]
اگر تُو تین امور کی جانب توجّہ کر لے اور ان پر عمل کرے تو یہ تجھے بقیہ کام انجام دینے سے بے

[1] مسند احمد بن حنبل: ج ۱، ص ۴۸۳؛ ذخائر العقبیٰ: ص ۱۵۰۔

[illegible] گے لیکن اگر تُونے اِنہیں ترک کیا تو بقیہ کام تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔

[illegible] نے پوچھا: یا ابوالحسنؑ! وہ تین کام کون سے ہیں؟

میں نے کہا:

۱۔ حدودِ الٰہی کا اجرا، چاہیے، دُور ہو یا نزدیک، رشتے دار ہو یا بیگانہ۔

۲۔ خدا کی کتاب کے مطابق حکم دینا، چاہے خوشی کی حالت میں ہو یا غضب و غُصّے کی حالت میں۔

۳۔ ہر سیاہ و سرخ کے درمیان عادلانہ طور پر مال تقسیم کرنا۔

خلیفہ نے کہا: مجھے میری جان کی قسم، تم نے مختصر بات کی؛ لیکن سب کچھ بیان کر دیا۔ [1]

---

[1] المناقب: ج ۲، ص ۱۴۷؛ دعائم الاسلام: ج ۲، ص ۴۴۳.

۱۰۔ انحرافات کی کھُلی مخالفت

۞ واضح اور کھُلے الفاظ میں بغیر کسی لگی لپٹی کے بات کرنا

[ایک دن خطبہ دیتے ہوئے خلیفہٗ دوّم نے لوگوں سے کہا: اگر کسی دن میں تمہیں خوبیوں کی بجائے برائیوں کی جانب لے جاؤں، تو تم کیا کرو گے؟

سارے خاموش بیٹھے تھے۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ اس نے تین بار اپنا سوال دُہرایا لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ میں اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا:]

اس وقت ہم تُجھ سے کہیں گے: توبہ کر اور راہِ حق کی جانب لوٹ آ۔ اگر تُو نے توبہ کرلی اور حق کی طرف لوٹ آیا تو ہم قبول کرلیں گے۔

[عمر نے کہا: اور اگر توبہ نہ کروں، تو کیا کرو گے؟ میں نے کہا:]

پھر تیرے اس سر کو تن سے جدا کر دیں گے جس میں تیری آنکھیں ہیں۔

[عمر نے کہا: اُس خدا کی حمد ہے جس نے اس اُمّت میں ایسے افراد رکھے ہیں کہ میں جب بھی بے رہروی کا شکار ہُوا وہ مجھے صحیح راہ پر لے آئیں گے۔]

۞ قانون میں حاکم اور عوام سب برابر ہیں

[ایک رات خلیفہٗ دوم مدینے کی گلیوں میں گشت کر رہا تھا۔ اس نے ایک مرد وزن کو فعل حرام کا ارتکاب کرتے دیکھا۔ صبح مسجد میں لوگوں سے پوچھا: اگر کوئی حاکم کسی مرد وزن کو فعلِ حرام کرتے دیکھے اور اپنے ذاتی مشاہدے کی بنا پر ان پر حد جاری کرے تو اس کا یہ اقدام صحیح ہے یا نہیں؟ لوگوں نے اس کے جواب میں کہا: تو حاکم ہے اور اس اختیار کا حامل ہے لیکن میں نے صاف لفظوں میں کہا:]

تجھے ایسا کوئی حق حاصل نہیں، اگر تُو نے ایسا کیا، خود تجھ پر حد جاری ہو گی؛ کیونکہ اس معاملے میں خدا چار گواہوں سے کم پر راضی نہیں ہوتا۔

[یہ بات ہوئے کچھ عرصہ گزرا۔ خلیفہٗ دوم نے پھر یہی سوال پیش کیا۔ لوگوں نے بھی پہلے جیسا

جواب دیا لیکن میں نے اپنی پرانی رائے پر تاکید کی یہاں تک کہ اُس نے قبول کر لیا، اسے ایسے اقدام کا کوئی حق حاصل نہیں۔][1]

■ بنی اُمیہ کے خطرے سے خبردار کیا

[ایک دن میں نے عمر سے کہا:]

کیا تجھے قرآن میں بنی اُمیہ کے بارے میں نازل ہونے والی آیت کی خبر دوں؟

[اس نے جواب دیا: ہاں بتاؤ۔ میں نے کہا:]

یہ آیت: ﴿وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ﴾[2]

اور وہ درخت جسے قرآن میں ملعون ٹھہرایا گیا ہے۔

بنی اُمیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

[عمر یہ آیت سن کر سیخ پا ہو گیا اور کہا: بنی اُمیہ تجھ سے بہتر ہیں۔ وہ بہتر انداز میں رشتے داری نبھاتے ہیں۔][3]

1۔ المحاضرات الاسلامیہ: ج ۲، ص ۴۲۸؛ نقل از الغدیر: ج ۶، ص ۱۲۳.

2۔ سورہ اسراء: ۶۰.

3۔ تفسیر حیوۃ: ج ۲، ص ۲۹۷.

۱۱۔ عدالتی معاملات میں رہنمائی

❁ خلیفہ سے عدالت کی اُمید

[ہم عمر کے پاس بیٹھے تھے۔ ایک شخص نے اس سے میری شکایت کی اور عمر سے فیصلہ سنانے کی درخواست کی۔ عمر نے میری طرف رخ کر کے کہا: یا ابا الحسنؑ! اُٹھیے اور اپنے شاکی کے ساتھ جا بیٹھیے تا کہ میں فیصلہ کروں۔ میں اُٹھا اور اس شکایت کرنے والے کے ساتھ جا بیٹھا۔ فیصلہ سنا دیا گیا۔ اس کے بعد مَیں اُٹھا اور اپنی پرانی جگہ پر آ بیٹھا؛ عمر میرے چہرے پر ناراضی کے آثار دیکھ کر کہنے لگا: یا ابا الحسن! لگتا ہے آپ ناخوش ہیں۔ جو ہُوا کیا اس سے ناراض ہیں؟ میں نے اپنے ناخوش ہونے کی وجہ یوں بیان کی:]

میرے ناخوش ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تُو نے شکایت کرنے والے کے سامنے میرا احترام کیا اور مجھے میری کنیّت سے بلا کر کہا: یا ابا الحسنؑ، اُٹھیے اور اپنے شاکی کے ساتھ بیٹھیے۔ تُو نے یہ کیوں نہیں کہا کہ یا علیؑ اٹھیے اور اپنے شاکی کے ساتھ جا بیٹھیے؟

[عمر اپنی جگہ سے اٹھا، میرا سر ہاتھوں سے پکڑا اور میری پیشانی اور دونوں آنکھوں کے بیچ بوسہ لے کر کہا: میرا باپ تم پر قربان، خدا نے ہمیں تمہارے وسیلے سے ہدایت کی، تاریکی سے نکالا اور نور میں لے آیا۔]

❁ بے گناہ خاتون پر حد جاری کرنے کی ممانعت

[ایک خاتون کے یہاں اپنے شوہر کے ساتھ چھ ماہ رہنے بعد بچہ متوّلد ہوا۔ اسے زنا کے جرم میں خلیفہٗ دوم کے پاس لایا گیا۔ خلیفہ نے یہ سوچ کر کہ یہ خاتون زنا کی مرتکب ہوئی ہے، اس پر حد جاری کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس وقت میں اجرائے حد میں مانع ہوا اور کہا:]

اگر تُو چاہے تو میں قرآن سے اس عورت کی بے گناہی ثابت کرتا ہوں۔ اس پر حد جاری نہیں ہونی چاہیے۔ خداوندِ متعال ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾[1]

اس کے حمل اور دودھ چھڑانے میں تیس ماہ لگ جاتے ہیں۔

ایک اور آیت میں فرماتا ہے:

﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾[2]

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (یہ حکم) ان لوگوں کے لیے ہے جو پوری مدّت رضاعت پوری کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی آیت میں دورانِ حمل اور رضاعت کا دورانیہ ۳۰ ماہ ذکر کیا گیا ہے جبکہ دوسری آیت میں رضاعت کا دورانیہ ۲۴ ماہ بتایا گیا ہے۔ اگر ۳۰ میں سے ۲۴ ماہ نکل جائیں تو ۶ ماہ باقی بچیں گے اور یہ حمل کا کم ترین دورانیہ ہے۔

[یہ استدلال سن کر عمر نے خاتون کو آزاد کر دیا اور اس کے بعد یہ حکم قطعی ہو گیا۔][3]

دیوانے پر اجرائے حد کی ممانعت

[ایک دیوانی خاتون کو عمر کے پاس حد جاری کرنے کے لیے لایا گیا۔ میں پہلے سے ہی اس خاتون کی بیماری اور حالت سے واقف تھا؛ لیکن معلوم ہوا کہ عمر نے اجرائے حد کا حکم صادر کر دیا ہے۔ میں نے اس وقت کہا:]

اس خاتون کو عمر کے پاس واپس لے جاؤ اور اس سے کہو: کیا تجھے نہیں معلوم کہ اس دیوانی عورت کا تعلق فلاں قبیلے سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: دیوانے شخص پر اس وقت تک کوئی شرعی تکلیف نہیں جب تک وہ صحیح نہ ہو جائے؟! اس عورت کی عقل زائل ہو گئی ہے جس کی وجہ سے یہ خود پر قابو نہیں رکھتی۔

---

1. احقاف: ۱۵
2. بقرہ: ۲۳۳
3. [illegible] ج ۱، ص ۲۰۶؛ السنن الکبریٰ: ج ۷، ص ۴۴۲؛ مناقب آل ابی طالب: ج ۲، ص ۳۶۵ و ۳۷۱؛ ارشاد القلوب: ص ۲۱۳؛ المناقب: ص ۹۵؛ تذکرۃ الخواص: ص ۱۴۸؛ الطرائف: ص ۵۱۶؛ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۱۱۸؛ [illegible]: ص ۱۴۸؛ کشف الیقین: ص ۶۲.

[اس خاتون کو عمر کے پاس لے جایا گیا اور میری بات اس تک پہنچائی گی۔ عمر نے کہا: خدا علیؑ کے کاموں میں وسعت وگشائش پیدا کرے، میں اس خاتون پر حد جاری کر کے ہلاک ہونے کو تھا۔][1]

[1] الارشاد: ج ا، ص ۲۰۳؛ مسند احمد بن حنبل: ج ۲، ص ۱۴۸؛ سنن ابی داوٗد: ج ۴، ص ۱۴۰؛ الخصال: ج ا، ص ۹۳؛ مستدرک: ج ا، ص ۳۸۹؛ السنن الکبریٰ: ج ۸، ص ۲۶۴؛ مناقب خوارزمی: ص ۸۰؛ تذکرۃ الخواص: ص ۱۴۷؛ ذخائر العقبیٰ: ص ۱۴۸؛ کشف الیقین: ص ۶۲.

۱۲۔ چھ رکنی شوارئے خلافت

✱ خلیفۂ دوم کا آخری کارنامہ

عمر پر اچانک حملہ ہوا۔ وہ بستر مرگ سے جالگا۔ خلافت بڑی سہولت اور عافیت سے میرے ہاتھ میں آنے والی تھی تا کہ میں بغیر کسی خاص مشکل کے صحیح اور سالم حالات میں اُمّت اسلامیہ کے سلسلے سے خود پر عائد ہونے والی ذمہ داریاں نبھاؤں اور ایک روشن اور اُمید بخش مستقبل کی بناڈالوں لیکن بستر مرگ پر خلیفۂ دوم نے ایک نیا ارادہ کیا۔ اس نے خلافت کے لیے چھ افراد کو نامزد کر دیا اور میں ان میں سے ایک میں بھی تھا۔ اس نے میرے امتیازات میں سے کوئی چیز مدِ نظر نہیں رکھی، بلکہ دیگر افراد کو مجھ پر ترجیح بھی دی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ میرے تمام سوابق من جملہ رسول اللہ ﷺ کی [illegible] اور [illegible]نت اور ان سے نزدیکی رابطہ بھولا بیٹھا تھا۔ شوریٰ کے دیگر اراکین میں سے کوئی بھی اسلام میں مجھ جیسا درخشاں ماضی اور کثیر خدمات نہیں رکھتا۔

بہر حال، اس نے خلافت کو چھ رکنی شوریٰ میں محصور کر دیا تا کہ وہ اکثریتی رائے کی بنا پر اپنے درمیان میں سے کسی کو بطورِ خلیفہ چن لیں۔ اس نے اپنے بیٹے کو بھی ہم پر مسلّط کر دیا تا کہ اگر ہم اپنے درمیان سے کسی کو خلافت کے لیے نہ چنیں اور اس کے حکم کی تعمیل نہ کریں تو وہ ہم سب کی گردن مار دے۔[1]

✱ عجیب و غریب!

عمر نے مجھے چھ رکنی شوریٰ کا آخری نفر رکھا اور صُہیب کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ دوسری جانب ابو طلحہ زید بن سعد انصاری کو بلایا اور اس سے کہا: اپنے قبیلے کے پچاس افراد کے ساتھ ان چھ افراد سے ہشیار رہ اور ان میں سے جو بھی حکم کی تعمیل میں کوتاہی کرے اور راضی نہ ہو اسے قتل کر دے۔

---

[1] [illegible]: ج ۲، ص ۳۷۴؛ الاختصاص: ص ۱۷۳؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۵۱.

مجھے لوگوں کی بے خبری پر تعجب تھا جو سوچتے تھے ابو بکر کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا، اگر یہ بات درست ہوتی تو انصار سے کہاں چھپی رہتی تھی۔ لوگ یہ بات بھول گئے تھے کہ انہوں نے خود ایک شوریٰ تشکیل دے کر ابو بکر کی بیعت کی تھی جبکہ ابو بکر نے فقط اپنی ذاتی خواہش اور ارادے سے عمر کو خلیفہ نامزد کیا تھا۔ عمر نے بھی اپنی نظر اور رائے سے خلیفہ کا انتخاب چھ رکنی شوریٰ کے ذمہ لگایا تھا۔ ان کے عمل اور طریقہ کار میں اس قدر اختلاف اور فرق بڑا ہی عجیب و غریب ہے!

مجھے پسند نہیں کہ اس کی بات دُہراؤں جس میں عمر نے کہا تھا: رسول اللہ ﷺ جب دنیا سے گئے تو اس جماعت سے راضی تھے۔ پس مقامِ تعجب ہے کہ عمر نے اس جماعت کے قتل کا حکم کیسے صادر کیا جس کے بارے میں وہ کہہ رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ ان سے راضی تھے؟ واقعاً بڑی ہی تعجب خیز بات ہے![1]

شوریٰ کے فیصلے کی پیش گوئی

[جب عمر نے شوریٰ کی ترتیب معیّن کی۔ میں نے عباس سے کہا:]

انہوں نے ایک بار پھر ہم سے خلافت چھین لی ہے۔

[عباس نے پوچھا: وہ کیسے؟ میں نے کہا:]

کیونکہ اس نے عثمان کو میرے ساتھ شوریٰ میں رکھا ہے اور کہا ہے: اکثریت کی رائے معتبر ہو گی۔ اگر کسی کے بارے میں اکثریتی رائے موجود نہ ہوئی اور تین تین افراد کے دو گروہ بن گئے تو عبد الرحمن بن عوف کے گروہ سے خلیفہ منتخب ہو گا۔ عبد الرحمن بن عوف سعد کا چچا ہے اس لیے وہ اس کی مخالفت نہیں کرے گا۔ دوسری جانب عبد الرحمن عثمان کا داماد بھی ہے اس لیے عثمان کو مجھ پر ترجیح دے گا۔ یہ تین افراد ایک دوسرے کے خلاف نہیں جائیں گے اور عبد الرحمن ان تین میں سے ایک ہے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ یا تو عبد الرحمن عثمان کو خلیفہ بنانے کی رائے دے گا یا عثمان عبد الرحمن کو خلیفہ بنائے گا۔ ایسی صورت میں اگر دوسرے دو افراد (یعنی طلحہ و زبیر) میرا ساتھ دیں، تب بھی کوئی فائدہ

---

[1] کشف المحجۃ: ص ۲۴۵.

[illegible] میں مطمئن ہوں کہ ان دونوں (عثمان یا عبدالرحمن) میں سے کوئی ایک خلیفہ بنے گا۔[1]

● [illegible] میں شرکت کی حکمت

[illegible] بن عباس کا بھی یہی کہنا تھا کہ جس طرح ارکینِ شُوریٰ کی ترتیب رکھی گئی ہے، اس کے [illegible] کا خلیفہ بننا قطعی ہے؛ اسی وجہ سے انہوں نے مجھ سے شُوریٰ میں شرکت نہ کرنے کا تقاضا [illegible] پاس شُوریٰ میں شمولیت کی دیگر وجوہات تھی اس لیے عبد اللہ بن عباس سے کہا:] [illegible] شوریٰ کا نتیجہ معلوم ہے۔ جانتا ہوں کہ عثمان کا ہی انتخاب کیا جائے گا لیکن پھر بھی شُوریٰ [illegible] کروں گا کیونکہ شُوریٰ میں شرکت کا مطلب عمر کا مجھے خلافت کے لائق سمجھنا ہے؛ جبکہ [illegible] سقیفہ میں رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتا پھرتا تھا کہ نبوت اور امامت ایک خاندان [illegible] ہوں گی۔ میں عمر کی معیّن کردہ شُوریٰ میں شریک ہوں گا تاکہ لوگوں پر ثابت ہو جائے [illegible] اس قول کے مخالف ہے جو اس نے رسول اللہ ﷺ کی جانب نسبت دے کر نقل کیا [illegible]

● [illegible] کے اندر کا حال سنو!

[illegible] شوریٰ میں سے ہر ایک اپنے اپنے فائدے کو مدِّنظر رکھے ہوئے تھا۔ بہت زیادہ گفت و [illegible] ہوئی۔ میں ہر بات میں خاموش رہا یہاں تک کہ مجھ سے میری رائے پوچھی گئی۔ میں نے [illegible] کے ماضی اور سابقے کے بارے گزارشات پیش کیں۔ وہ باتیں جو ان پر بھی پوشیدہ نہیں [illegible] یاد آوری اور اِتمامِ حُجّت کے لیے ان کے سامنے پیش کیا۔ میں نے مقام خلافت کے [illegible] اور قابلیت کی وجوہات اور دلائل پیش کیے۔ آخر میں مَیں نے رسول اللہ ﷺ کی [illegible] اور سفارش اور اہلِ شُوریٰ کی گردن میں پڑی بیعت کا ذکر کیا لیکن حکومت اور مقام [illegible] مقام اور منصب کا چسکا اور گزشتہ افراد کی راہ و روش کی پیروی ان کے خلافت اور اس

[illegible] ص ۲۹۴؛ انساب الاشراف: ج ۶، ص ۱۲۴؛ العقد الفرید: ج ۴، ص ۲۷۶؛ الکامل: ج ۲، ص
[illegible] ج ۱، ص ۱۹۱، ح ۱۲، ص ۲۶۲۔
[illegible] ص ۱۸۹۔

حق کے درپے ہونے کا موجب بنی جو خدا نے ان کے لیے مقرر نہیں کیا تھا۔

میں ان میں سے ہر ایک سے تنہا بات کر رہا تھا، انہیں آخرت کی یاد دلاتا، ان کے کام کے نتیجے سے باخبر کرتا، جس مقام کی ناحق جستجو میں وہ تھے اس کے انجام سے انہیں ڈراتا، وہ میری باتیں قبول کرتے اور میری حقانیّت کا اعتراف کرتے؛ لیکن مجھ سے بیعت پر شرط رکھتے کہ اپنے بعد خلافت اس کے سپرد کر دوں۔

مجھ سے گفتگو کے درمیان وہ واضح طور پر جان گئے تھے کہ میں فقط حق کو زندہ اور صراطِ مستقیم الٰہی پر چلنے کی فکر میں ہوں۔ میری تمام تر کوشش کتابِ خدا اور وصیتِ رسول ﷺ پر عمل کرنا ہے۔ وہ جان چکے تھے کہ خدا نے ان کے لیے جو حقوق مقرر کیے ہیں میں ان کے علاوہ انہیں کوئی حق نہیں دوں گا اور جو چیز خدا نے انہیں نہیں بخشی تھی، میں بھی نہیں بخشوں گا۔ درحقیقت وہ جان گئے تھے کہ میں ان سے کوئی امتیازی سلوک نہیں کروں گا۔ وہ سب جانتے تھے کہ فقط میں خلافت کے لائق ہوں۔ اس وجہ سے ان میں سے ایک خود سر اُٹھا اور سختی کے ساتھ سارا معاملہ میرے خلاف کر دیا اور غیر شرعی فائدوں کے لالچ میں خلافت عثمان کے سپرد کر دی۔ وہ عثمان کو اچھے سے پہچانتے تھے اور اس کے سوابق سے بھی آگاہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ عثمان میں اُمّت کی سربراہی کے لیے پائی جانے والی لازم لیاقت اور قوّت نہیں، نہ وہ درخشاں سوابق کا حامل ہے۔ وہ نہ تو اس کا اہلِ شوریٰ کے ساتھ تقابل کر سکتے تھے اور نہ شوریٰ میں غیر موجود افراد کے ساتھ۔ جنگ بدر جو مسلمانوں کے افتخار کی چوٹی تھی، اس میں عثمان کا کوئی کردار نہیں تھا۔ وہ دوسرے تقدیر ساز میدانوں میں بھی موجود نہیں تھا جہاں خدا نے اپنے رسول ﷺ اور ان کے اہل بیتؑ کو کرامتوں سے نوازا تھا۔ نہ اس کا کوئی درخشاں سابقہ تھا۔[1]

اہلِ شوریٰ کو نصیحت

[اہلِ شوریٰ سے خطاب کر کے کہا:]

حمد اسی خدا سے مخصوص ہے جس نے ہمارے درمیان سے محمد ﷺ کو بطورِ پیغمبر مبعوث فرمایا اور

[1] الخصال: ج ۲، ص ۳۷۵؛ الاختصاص: ص ۱۷۳؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۵۳.

رسول ہماری جانب بھیجا۔ ہم خاندان نبوت، معدن حکمت، اہلِ زمین کے لیے امان اور گنہگاروں کے لیے نجات ہیں۔ ہمارا ایک حق ہے، اگر وہ ہمیں دیا گیا تو اسے لیں گے، اگر دیا گیا تو اپنی استقامت پر قائم رہیں گے؛ چاہے وقت کتنا ہی طول پکڑ جائے۔ اگر رسول نے ہم سے عہد نہ لیا ہوتا، بغیر کسی کمزوری اور سستی کے اسے انجام دیتے۔ اگر انہوں نے کہا ہوتا تو اپنی جان کے آخری لمحے تک اس کے انجام پذیر ہونے کے لیے جنگ لڑتے۔

سے پہلے کسی نے دعوتِ حق قبول نہیں کی تھی۔ میں ایمان لانے والا پہلا شخص تھا جس نے کا حق ادا کیا۔«و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم»۔ میری بات اچھے سے سنو اور پر توجہ کرو۔ شاید اس مجلس کے بعد تلواریں نیاموں سے باہر آ جائیں، پیمان توڑ دیے پیشوا گمراہ ہو جائیں اور جاہلوں کی پیروی کرنے لگیں۔[1]

عبدالرحمن کی شرط قبول کرنے سے انکار

میں زبیر نے مجھے، طلحہ نے عثمان کو چُنا اور سعد نے عبد الرحمن کے لیے رائے دی۔ ایسی عبدالرحمن کی رائے تقدیر ساز قرار پائی یعنی اس کے علاوہ میں اور عثمان بچے تھے۔ وہ ہم سے جسے بھی منتخب کرتا، خلیفہ اسی نے بننا تھا۔ عبد الرحمن نے ہم دونوں سے تین بار پوچھا: سے کون خلافت کو اس شرط پر قبول کرتا ہے کہ سیرت رسول اللہ ﷺ اور اسی طرح سیرت عمر کے مطابق عمل کرے گا اور ان کی سیرت سے تجاوز نہیں کرے گا؟

نے تینوں بار ایک ہی جواب دیا:]

خلافت کو اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ جس حد تک ہو سکا اور مقدور ہوا اُمّتِ اسلامیہ کے سیرت رسول خدا ﷺ کے مطابق پیش آؤں گا اور اس امر میں کامیابی کے لیے خدا سے مدد

عثمان نے مثبت جواب دیا اور سیرت شیخین پر عمل کرنا بھی قبول کیا۔ یوں عبد الرحمن بیعت کر لی اور چھ رکنی شُوریٰ کا نتیجہ عثمان کو خلیفہ منتخب کرنے کی صورت میں برآمد

---

[1] ج ۱، ص ۱۹۵۔

ہوا۔][1]

سیرت شیخین سے مراد و مقصود

[عبد الرحمن نے سیرت شیخین سے اپنی مراد اس طرح بیان کی: میں تیری بیعت اسی شرط پر کرتا ہوں جو عمر کے پیش نظر تھی؛ یعنی تم بنی ہاشم میں سے کسی کو بھی اہم حکومتی امور پر معیّن نہیں کرو گے۔ میں نے اسے صاف الفاظ میں جواب دیتے ہوئے کہا:]

جب تم حکومت چلانے کی ذمہ داری میرے سپرد کر رہے ہو تو پھر میں حکومتی معاملات کی ذمہ داری کسے سونپوں، تمہیں اس سے کیا مطلب؟ میری ذمہ داری اُمّت اسلامیہ کو صحیح انداز میں چلانے پر اپنی تمام تر کوششیں صرف کرنا ہے۔ میں جسے بھی کسی ذمہ داری نبھانے پر قادر اور امانت دار پاؤں گا اس سے کام لوں گا، چاہے وہ بنی ہاشم میں سے ہو ان کے باہر سے۔

[عبد الرحمن نے جواب دیا: خدا کی قسم، جب تک یہ شرط قبول نہیں کرے گا میں تیری بیعت نہیں کروں گا۔ میں نے صاف جواب دیا:]

خدا کی قسم تا قیامت تجھ سے ایسا وعدہ نہیں کروں گا![2]

عثمان کو خلیفہ بنانے کے لیے عبد الرحمن کی کوششیں

[عبد الرحمن کی پیش کردہ شرط کے جواب میں، مَیں نے اس کے حقیقی مقصود کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:]

قرآن و سُنّت رسول ﷺ کے ہوتے ہوئے کسی دوسری چیز کی کوئی ضرورت نہیں جو ہم اس کے مقروض ہوں۔ لیکن تُو سیرتِ شیخین کی پیروی کی شرط رکھ کر حکومت میرے ہاتھ سے لینے کی کوششوں میں ہے۔[3]

---

[1] امالی طوسی: مجلس ۲، ج ۷، ص ۵۵۷.

[2] الامۃ والسیاسۃ: ج ۱، ص ۴۵.

[3] تاریخ یعقوبی: ج ۲، ص ۱۶۲.

● عبدالرحمن کی عثمان کی بیعت کرنے کی وجہ

[illegible] عبدالرحمن نے عثمان کی بیعت کی، میں نے اس کے محرکات یوں بیان کیے:]

[illegible] نے یہ کام اس لیے کیا کیونکہ تجھے عثمان سے توقعات ہیں؛ ویسے ہی توقعات جیسی عمر کو [illegible] تھیں۔ خدا تمہارے درمیان جدائی ڈال دے۔[1]

[illegible] عبدالرحمن کو یاددہانی کروائی:]

[illegible] جو تم نے ہم پر حملہ کیا ہے اور ہمارا حق ضائع کیا ہے۔ میں صبر جمیل سے کام لوں گا [illegible] یار و مددگار ہے۔ خدا کی قسم، تُو نے عثمان کو اس لیے مسندِ خلافت پر چڑھایا تاکہ [illegible] تجھے اس مسند پر بٹھائے، لیکن خدا ہر روز ایک تدبیر کرتا ہے۔

[illegible] عبدالرحمن نے مجھے دھمکی دیتے ہوئے کہا: یا علیؑ! اپنی جان خطرے میں نہ ڈالو! میں نے بہت [illegible] سے کام لیا اور لوگوں سے مشاورت بھی کی، لوگ عثمان کے علاوہ کسی دوسرے پر راضی [illegible]

● ایک تہمت کا جواب

[illegible] کے پاس میرے قوی استدلال کا کوئی جواب نہ تھا۔ ناچار اس نے یہ الزام دھر دیا:]

[illegible] کے بیٹے! تجھے خلافت کا لالچ ہے۔

[illegible] کے جواب میں کہا: خدا کی قسم، تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ دور رہتے ہوئے [illegible] لالچ رکھتے ہو جبکہ میں خلافت کا حق دار اور رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نزدیک ہوں۔ [illegible] کا مطالبہ کر رہا ہوں اور یہ تم لوگ ہو جو مسلسل اس راہ میں حائل ہوئے جاتے ہو۔

[illegible] اس انداز میں بات کی اور حاضرین کے سامنے دلیل قائم کی، عبدالرحمن مبہوت رہ [illegible] کو کوئی جواب نہیں تھا۔[1]

[illegible] بیعت کے بعد زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ عثمان اور عبدالرحمن کے تعلقات میں دراڑیں [illegible] عبدالرحمن زندہ رہا ان دونوں نے ایک دوسرے سے بات چیت نہیں کی۔ (شرح نہج البلاغہ: [illegible]

[illegible] ۲۹۷؛ العقد الفرید: ج۴، ص۲۷۹؛ الکامل: ج۲، ص۲۲۳۔

❁ تیسری مرتبہ

[اہلِ شُوریٰ کو یاد دہانی کروائی:]

خدا کی قسم، لوگوں نے اس وقت ابو بکر کی بیعت کی جب میں کسی بھی دوسرے کی نسبت سب سے زیادہ خلافت کا حق دار اور اس کے لائق تھا لیکن پھر بھی میں نے ساتھ دیا اور خاموش رہا؛ کیونکہ مجھے لوگوں کے مرتد ہو جانے کا ڈر تھا۔ اگر میں مخالفت کرتا تو داخلی جنگ چھڑ جانے کا خدشہ تھا کہ کہیں لوگ تلواریں اٹھا کر ایک دوسرے سے نہ لڑنے لگیں۔

ابو بکر نے عمر کے لیے بیعت لینے کا زمینہ فراہم کیا اور زمامِ خلافت اس کے ہاتھ میں دے دی؛ جبکہ خدا کی قسم میں اس سے زیادہ لائقِ خلافت تھا نیز خلافت میرا مُسلّمہ حق تھی۔ میں نے پھر بھی ہمراہی کی اور خاموش رہا۔ اس کی وجہ وہی پریشانی تھی جو اس سے قبل لاحق تھی، مجھے لوگوں کے مرتد ہونے اور ایک دوسرے سے جنگ پر تل جانے کا ڈر تھا۔ اب عمر دنیا سے رخصت ہو گیا ہے، تم لوگوں نے عثمان کی بیعت کرنے اور خلافت اس کے سپرد کرنے کی ٹھان لی ہے؛ لیکن اس بار میں تمہارے ساتھ نہیں چلوں گا اور نہ تمہاری بات مانوں گا۔ عمر نے مجھے پانچ افراد کے ساتھ لا کھڑا کیا اور میں ان میں چھٹا شخص گردانا گیا ہوں! اس نے میرے مقام اور صلاحیت کی جانب ذرا توجّہ نہ کی۔ دوسروں نے بھی میری منزلت کی جانب توجّہ سے بے اعتنائی برتی نیز میرے حق کو اَن دیکھا کر دیا، جیسے ہم سارے ایک جیسے ہوں! خدا کی قسم، اگر میں لب کھولنا چاہوں اور اپنے بارے میں حقائق بیان کرنا چاہوں تو کوئی شخص میرے کسی ایک جملے کو بھی جھٹلا نہیں پائے گا۔[2]

❁ اہلِ شُوریٰ پر اتمامِ حُجت

[اہلِ شُوریٰ نے خلافتِ عثمان قبول کر لی اور اس کی بیعت کرنے کی نیّت باندھ لی۔ اس وقت میں اِتمامِ حُجّت کے لیے کھڑا ہوا اور اپنے چند سوابق اور فضائل کی جانب اشارہ کیا۔ میری ہر بات کے بعد انہوں نے میرے کہے کا اعتراف کیا۔ گفتگو کے آغاز میں ان سے کہا:]

---

[1] نہج البلاغہ: خطبہ ۱۷۲؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۴، ص ۱۰۳.

[2] المناقب خوارزمی: رقم ۳۱۴، ص ۳۱۳.

تم میری باتیں سنوں تاکہ اگر حق ہو تو قبول کرو اور اگر باطل ہو تو اس کا انکار کر

جو کہنا چاہتے ہو کہو۔ میں نے ان سے پوچھا:]

خدا کی قسم دیتا ہوں جو تمہارے ضمیر اور باطن سے آگاہ ہے۔ اگر تم سچ بولو گے،

گوئی سے بھی آگاہ ہے اور اگر جھوٹ بولو گے، وہ تمہاری دروغ گوئی سے بھی واقف

میان کوئی ایسا ہے جو مجھ سے قبل خدا اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لایا ہو اور

رخ کر کے نماز پڑھی ہو؟

میان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں خدا نے یہ فرمایا ہو:

﴿ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ ﴾[1]

کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان امر ہیں ان کی اطاعت

میان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے والد نے رسول اللہ ﷺ کی مدد اور ان کی

میان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کا بھائی دو بہشتی پروں سے آراستہ ہو؟

میان کوئی ایسا ہے جس نے مجھ سے قبل خدا کی وحدانیت کی معرفت حاصل کی ہو

کوئی شریک قرار نہ دیا ہو؟

میان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے چچا حمزہؓ، سید الشہداء ہوں؟

میان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کی زوجہ جنّت کی خواتین کی سردار ہو؟

میان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے دو بیٹے جوانانِ جنّت کے سردار ہوں؟

میان کوئی ایسا ہے جو مجھ سے زیادہ قرآن کے ناسخ و منسوخ نیز سنّت رسول ﷺ کا

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جسے خدا نے قرآن کی دس آیات میں مومن کہا ہو؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جسے نے دس بار رسول اللہ ﷺ سے نجوی (راز کی باتیں) کیا ہو اور ہر بار نجوی کرنے سے قبل صدقہ دیا ہو؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «جس کا میں مولا ہوں یہ علیؑ اس کا مولا ہے۔ خدایا اس کے مددگاروں کی مدد فرما اور اس کے دشمنوں کو دشمن رکھ۔ حاضرین میری یہ بات غائبین تک پہنچا دیں»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس سے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «کل عَلَم اُس مرد کو دوں گا جو خدا اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہو گا نیز خدا اور اس کا رسول ﷺ بھی اسے دوست رکھتا ہو گا۔ بڑھ بڑھ کر حملے کرنے والا ہو گا، پشت نہیں دکھائے گا اور خدا اس کے ہاتھ پر جنگ کا فیصلہ کرے گا»؟ جس وقت ابو بکر اور عمر شکست خوردہ واپس لوٹ آئے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا، میری آنکھوں میں درد تھا۔ انہوں نے میری آنکھوں میں آب (دہن) لگا کر فرمایا: «خدایا، علیؑ کو گرمی سردی سے محفوظ رکھ»۔ وہ دن اور آج کا دن، مجھے کبھی گرمی سردی نے تکلیف نہیں دی۔ اس کے بعد مجھے علم عنایت فرمایا۔ میں میدان میں پہنچا اور خدا نے میرے ہاتھوں پر خیبر فتح فرمایا۔ میں نے ان کے جنگجوؤں کو تہہ تیغ کیا، جن میں مرحب بھی شامل تھا۔ میں نے ان کے بچوں کو اسیر کیا۔ کیا میرے علاوہ کسی دوسرے نے ایسا کیا؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «خدایا! اس وقت اپنے اور میرے نزدیک سب سے محبوب نیز اپنے سے اور مجھ سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے شخص کو میرے پاس بھیج تاکہ وہ میرے ساتھ یہ غذا تناول کرے» اس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا ہو اور ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا ہو؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «اے «بنی ولیعہ» یا تو ہاتھ اٹھا لو یا میں تمہاری جانب اپنے جیسا کوئی مرد بھیجوں، جس کی اطاعت میری اطاعت اور جس کی نافرمانی میری نافرمانی ہے، تاکہ تمہیں عصا سے ضربیں لگائے یا تلوار سے تہہ تیغ

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو:
[illegible] دشمنی رکھے اور خیال کرے کہ مجھ سے محبت رکھتا ہے، وہ جھوٹا ہے»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جو لیلۃ القلیب میں رسول اللہ ﷺ کے لیے پانی
[illegible] لیا ہو اور اسی وقت ایک گھنٹے میں تین ہزار فرشتوں نے اس پر سلام کیا ہو جن میں جبرائیل،
میکائیل اور اسرافیل بھی موجود تھے؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ناکثین،
قاسطین اور مارقین سے جنگ کرے گا؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «بے شک
تم نے تنزیلِ قرآن پر جنگ کی تھی اور تو تاویلِ قرآن پر جنگ کرے گا»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے مقرب فرشتوں کے ہمراہ روح و ریحان
[illegible] رسول اللہ ﷺ کو غسل دیا ہو؟ فرشتوں نے میری مدد کی۔ میں ان کی باتیں سن رہا تھا جب
[illegible] تھے: اپنے پیغمبر کے بدن کو ڈھانپو تاکہ خدا تمہیں ڈھانپے رکھے۔

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو کفن دیا ہو اور ان کا بدن
[illegible]؟

کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا ہے جس نے وقتِ وفاتِ رسول ﷺ جب فاطمہؑ ان پر گریہ کر رہی
[illegible] کے پیچھے سے ایک پنہاں آواز سنی ہو جو کہہ رہی تھی: «تم پر خدا کا سلام، رحمت اور
[illegible] اے اہل بیتؑ۔ تمہارا رب تمہیں سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے: بے شک راہِ خدا میں ہر
[illegible] (ممکن) ہے، ہر وفات پانے والے کے لیے تسلیت ہے اور ہر جانے والے کے لیے
[illegible] ہے۔ لہٰذا خدا کی تسلیت و تعزیت سے صبر فرمائیے اور جان لیجیے کہ اہلِ زمین مر جائیں
[illegible] آسمان بھی باقی نہیں رہیں گے۔ خدا کا آپ پر سلام، رحمت اور برکات ہوں»؟ اس وقت
[illegible] حسنؑ و حسینؑ اور میرے علاوہ کوئی پانچواں شخص نہیں تھا، سوائے رسول اللہ ﷺ
[illegible] کفن میں لپٹے ہوئے تھے۔

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے سورۂ برائت کی تبلیغ کا حکم دیا ہے۔ ابو بکر کے سورۂ برائت لے جانے کے بعد آپ نے اسے واپس بلا کر سورۂ برائت اس سے واپس لے لی۔ اس نے واپس لوٹ کر رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا: یا رسول اللہ ﷺ کیا خدا نے میرے بارے میں کوئی چیز نازل کی ہے؟ آپؐ نے اس سے فرمایا: «یہ کام یا میں انجام دوں گا یا پھر علیؑ»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «تجھے مجھ سے وہی نسبت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اور اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یا علیؑ وہ تم ہوتے»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «بے شک مومن کے سوا کوئی تجھ سے بغض نہیں رکھے گا اور کافر کے سوا کوئی تجھ سے دشمنی نہیں کرے گا»؟

کیا تمہیں معلوم ہے، رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں کھلنے والے تمہارے گھروں کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا تھا لیکن میرے دروازے کو کھلا رہنے دیا۔ جب تم لوگوں نے اعتراض کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نہ تو تمہارے دروازے بند کرنے والا میں تھا اور نہ علیؑ کا دروازہ کھلا چھوڑنے والا میں ہوں، بلکہ یہ تو خدا تھا جس نے تمہارے گھروں کے دروازے بند کیے ہیں اور علیؑ کے گھر کا دروازہ کھلا چھوڑا ہے»؟

کیا تمہیں معلوم ہے، رسول اللہ ﷺ نے روزِ طائف مجھ سے راز کی باتیں کی تھیں نہ کہ کسی دوسرے سے۔ وہ باتیں طولانی ہو گئیں اور جب تم میں سے کچھ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ ہم پر علیؑ کو ترجیح دیتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «میں نے علیؑ کے ساتھ نجویٰ نہیں کیا بلکہ یہ تو خدا ہے جس نے علیؑ کے ساتھ راز کی باتیں کی ہیں»؟

کیا تمہیں معلوم ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «میرے بعد حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہے۔ جہاں علیؑ جائے گا، حق بھی اسی جانب جائے گا»؟

کیا تمہیں معلوم ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «میں تمہارے درمیان دو گراں قدر امانتیں چھوڑے جا رہا ہوں: کتاب اللہ اور میری عترت یعنی اہل بیتؑ۔ یہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں

[illegible] یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں گے، تم جب تک ان کی پیروی کرو گے اور ان [illegible] سے متمسک رہو گے، گمراہ نہیں ہو گے»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کی اپنی جان کی بازی لگا [illegible] مشرکین کے مکر و فریب کو اپنی جان پر کھیل کر پلٹایا ہو، بستر رسول ﷺ پر سویا ہو اور [illegible] اس فروخت کی ہو؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اپنے اصحاب کے [illegible] اخوت قائم کیا تو وہ ان کا بھائی بنا ہو؟

کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا ہے جسے خدا نے ویسے یاد کیا ہو جیسے اس نے مجھے یاد کیا ہے۔ وہ فرماتا [illegible]

﴿[illegible] السّٰبِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾[1]

اور سبقت لے جانے والے تو آگے بڑھنے والے ہی ہیں۔ یہی وہ مقرّب لوگ ہیں۔

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دی ہو اور اس کے [illegible] میں یہ آیت نازل ہوئی ہو:

﴿[illegible] اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ﴾[2]

تمہارا ولی تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ اہلِ ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع [illegible] دیتے ہیں۔

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جو عمرو بن عبدود کے مقابلے پر گیا ہو، جب وہ اکیلا [illegible] آیا تھا اور تم سب کو مقابلے کے لیے للکار رہا تھا، تم سب ایک دوسرے کے پیچھے چھپتے تھے [illegible] اس کے مقابل جا کر اسے قتل کیا تھا؟ خدا نے اسی سبب مشرکین اور بقیہ گروہوں کی ہَوا [illegible] تمہیں پراکندہ کر دیا۔

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے گھر کا دروازہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کی

---

[1] [illegible]

[2] [illegible]

جانب کھلا رکھا ہو، جو کچھ رسول اللہ ﷺ کے لیے حلال ہو وہی اس کے لیے حلال ہو اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ پر حرام ہو وہی اس پر حرام ہو؟

کیا تمہارے درمیان میرے، میری زوجہ اور میرے بیٹوں کے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے لیے خدا نے آیۂ تطہیر نازل کی ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾[1]

اللہ کا ارادہ بس یہی ہے ہر طرح کی ناپاکی کو اہل بیتؑ! آپ سے دور رکھے اور آپ کو ایسے پاکیزہ رکھے جیسے پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «میں بنی آدم کا سید و سردار ہوں اور علیؑ عرب کا سید و سردار ہے»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «میں نے خدا سے اپنے لیے جو چیز طلب کی ہے ویسی ہی تیرے لیے بھی طلب کی ہے»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جو ہر جگہ رسول ﷺ کے ہمراہ رہا ہو؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے پیروں کے نیچے سے رسول اللہ ﷺ نے ایک مُشتِ خاک اٹھا کر کافروں کی جانب پھینکی ہو اور وہ شکست کھا گئے ہوں؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے قرضے اتارے اور ان کے وعدے نبھائے ہوں؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے دیدار کے فرشتے مشتاق ہوں اور خدا سے اس کے دیدار کے لیے اجازت مانگتے ہوں؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے ہتھیار اور ذاتی سامان کی اشیاء وراثت میں پائی ہوں؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاندان میں اپنا جانشین بنایا ہو اور اپنی وفات کے بعد اپنی ازواج کا معاملہ اس کے سپرد کیا ہو؟

---

[1] احزاب: ۳۳.

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے اپنے شانوں پر اٹھایا ہو تاکہ کعبے کے بت توڑ دے؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ لیٹا ہو، جب انہوں نے [illegible] امانات اپنے ذمہ لی تھی؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے کہا ہو: «تو دنیا و آخرت میں میرا علمدار ہے»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جو ہر روز رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرنے والا پہلا شخص اور آپ سے جدا ہونے والا آخری شخص ہو تاکہ ایک لحظے کو بھی ان سے دور نہ رہے؟

کیا تمہارے درمیان میرے، میری زوجہ اور میرے دو بیٹوں کے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہو:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾[1]

وہ اپنی خواہش کے باوجود مسکین، یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں۔

[illegible] ے میں ہمارے بارے میں دیگر وہ حقائق جو خدا نے بیان کیے ہیں؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہو:

﴿أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾[2]

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد الحرام کی آبادکاری کو اس شخص کے برابر قرار دیا ہے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا اور جس نے راہ خدا میں جہاد کیا؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہو:

﴿أَفَمَن كَانَ مُؤْمِنًا كَمَن كَانَ فَاسِقًا ۚ لَّا يَسْتَوُونَ﴾[3]

بھلا جو مومن ہو وہ فاسق کی طرح ہو سکتا ہے؟ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

اس کے علاوہ دوسری وہ آیات جن میں خدا نے مومنین کا حال بیان کیا ہے؟

کیا تمہارے درمیان میرے، میری زوجہ اور دو بیٹوں کے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں آیۂ مباہلہ نازل ہوئی ہو اور جس کا نفس، نفسِ رسول قرار دیا گیا ہو؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے شبِ ہجرت رسول اللہ ﷺ کی حمایت کی ہو اور یہ آیت اس کی شان میں نازل ہوئی ہو:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾[1]

اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کی رضاجوئی میں اپنی جان بیچ ڈالتا ہے۔

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کو چشمۂ مہراس[2] سے پانی پلایا ہو، جب آپ بہت پیاسے تھے اور آپ کے اصحاب ڈرے بیٹھے تھے؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «خدایا میں وہی کہتا ہوں جو موسیٰؑ نے کہا تھا:

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۞ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۞ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۞ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۞ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۞ هَارُونَ أَخِي ۞ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي﴾[3]

موسیٰؑ نے کہا: میرے رب! میرا سینہ کشادہ فرما، اور میرے کام کو میرے لیے آسان کر دے، اور میری زبان کی گرہ کھول دے،۔ تاکہ وہ میری بات سمجھ جائیں اور میرے کنبے میں سے میرا ایک وزیر بنا دے۔ میرے بھائی ہارون کو۔ اسے میرا پشت پناہ بنا دے۔

اور آخر تک جو موسیٰؑ نے مانگا تھا رسول ﷺ نے کسی دوسرے کے لیے مانگا ہو، سوائے نبوّت کے؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جو روزِ قیامت تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ

---

[1] بقرہ:۲۰۷.

[2] کوہ احد میں موجود ایک چشمہ.

[3] طہٰ:۲۵تا۳۱.

رسول اللہ ﷺ کے نزدیک ہو، جیسا کہ خود حضرت نے یہ بات تمہیں بتائی تھی؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «تیرے شیعوں میں قبیلۂ ربیعہ اور مضر کی تعداد کے برابر ایسے شیعہ ہیں جو تیری شفاعت سے بہشت میں داخل ہوں گے»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «تو اور تیرے شیعہ کامیاب ہیں، روزِ قیامت وہ سیراب اور شاداب ہونگے جبکہ تیرے دشمن پیاسے اور بد حال ہوں گے»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں اور جس کے خاندان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «جو کوئی بھی ان «شعرات» سے محبت رکھے گا اس نے مجھ سے محبت کی، جو مجھ سے محبت کرے گا اس نے خدا سے محبت کی۔ اور جو کوئی بھی شعرات سے دشمنی رکھے گا اور انہیں تکلیف دے گا اس نے مجھ سے دشمنی رکھی اور مجھے تکلیف دی اور جس نے مجھے تکلیف دی اس نے خدا کی تکلیف دی اور جو کوئی خدا کی تکلیف دے گا، خدا اس پر لعنت کرے گا نیز اس کے لیے دوزخ کو آمدہ کرے گا، اور یہ کتنا برا انجام ہے»؟ اصحاب نے پوچھا: آپ کے شعرات کون ہیں؟ حضرت نے فرمایا: علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ (علیہم السلام)۔

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «تو امیر المومنین ہے اور ظالموں کا امیر مالِ دنیا ہے۔ تو صدیقِ اکبر اور فاروقِ اعظم ہے۔ تو وہ ہے جو حق کو باطل سے جدا کرتا ہے»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اس کے سر پر اپنی عبا ڈال رکھی تھی، نیز فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ اس عبا کے اندر تھے، اس وقت آپؐ نے اس کے لیے فرمایا ہو: «خدایا! میں اور میرے یہ اہل بیتؑ ہیں، ہم تیری جانب سفر کریں نہ کہ آگ کی جانب»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے غدیرِ خُم کے پاس کہا ہو: «جس نے تیری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ نیز جس نے تیری نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور جس

نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے جنگِ خیبر میں، درِ خیبر اکھاڑ کر کچھ دیر اپنے کندھوں پر اٹھائے رکھا ہو اور اس کے بعد زمین پر پھینک دیا ہو، اس کے بعد لوگوں نے اسے زمین سے اٹھانے کی کوشش کی ہو لیکن وہ اسے نہ اٹھا سکے ہوں؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «تو میرے بہشتی محل میں میرے ساتھ ہوگا اور جنّت میں میرا اور تیرا گھر آمنے سامنے ہوگا»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «میرے بعد تو میری اُمّت کے لیے سب سے زیادہ حق دار شخص ہے۔ جو تجھ سے محبت رکھے گا، وہ خدا کا دوست ہے اور جو تجھ سے دشمنی رکھے گا وہ خدا کا دشمن ہے۔ خدا اس سے جنگ کرے جو میرے بعد تجھ سے جنگ کرے»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: یا علیؑ! روزِ قیامت تُو عرش کی دائیں جانب سے آئے گا، خدا تجھے دو فاخرہ لباس پہنائے گا، ایک سبز جبکہ دوسرا سرخ رنگ کا ہوگا»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے جنّت کے پھل کھلائے ہوں جو ان کے لیے جبرائیل بطور ہدیہ لائے تھے اور کہا تھا: «ان پھلوں کو دنیا میں کوئی نہیں کھا سکتا سوائے پیغمبر ﷺ یا ان کے وصی کے»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو: «تو جہنم کا تقسیم کرنے والا ہے۔ تو ہر ایمان لانے والے اور اقرار کرنے والے کو دوزخ سے باہر نکالے گا اور جس نے بھی کفر اختیار کیا ہوگا، اسے جہنم میں رہنے دے گا»؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جس نے چشمے کے اندر جا کر کہا ہو: جاری ہو جا! اور چشمہ لبریز ہو گیا ہو، لوگوں نے اس سے پانی پیا ہو، رسول اللہ ﷺ اور مسلمان آئے ہوں اور اس سے سیراب ہوئے ہوں، ان کے گھوڑوں نے بھی اس سے پانی پیا ہو اور ان کے برتن بھی اس سے بھر گئے ہوں؟

کیا تمہارے درمیان میرے علاوہ کوئی ایسا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے بہشتی حنوط دے کر فرمایا ہو: اسے تین حصوں میں تقسیم کرو۔ ایک سے مجھے حنوط کرنا، ایک سے میری بیٹی فاطمہؑ کو اور ایک خود تیرے لیے ہے»؟

[ان سوالوں کے جواب میں ان کے پاس میری ہاں میں ہاں ملانے کے علاوہ اور کوئی جواب نہ تھا۔ میں نے سوال پوچھنے کے بعد ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا:]

اب جبکہ تم سب اعتراف کر چکے ہو اور تم پر میری دلیل روشن ہو چکی ہے، تم سب کو خدائے واحد کا تقویٰ اپنانے کی سفارش کرتا ہوں، تمہیں خدا کے غضب سے خبردار کرتا ہوں۔ پس رخ نہ موڑو، میرا کام خراب نہ کرو، حق کو اس کے صاحب کے حوالے کرو نیز اپنے نبی کی اور ان کے بعد میری سنّت کی پیروی کرو؛ کیونکہ اگر تم میری مخالفت کرتے ہو تو یوں تم نے اپنے نبی کی مخالفت کی ہے۔ تم سب نے رسول اللہ ﷺ سے حق سن رکھا ہے؛ لہذا اس امر کو اُسے دو جو اس کے لائق ہے اور یہ امر اُس کے لائق ہے۔ خدا کی قسم! مجھے تمہاری دنیا کی کوئی حاجت نہیں، جو کچھ میں نے تم سے کہا، اپنے فخر یا ستائش کے لیے نہیں تھا؛ بلکہ میں نے خدا کی نعمتوں کا ذکر کیا ہے اور تم پر حجّت تمام کی ہے۔

امالی طوسی: مجلس ۲۰، ح۴، ص ۵۴۵؛ تاریخ دمشق: ج۳، ص ۱۱۸؛ الطرائف: ص ۴۱۱؛ کشف الیقین: ص ۴۳۳؛ الاحتجاج: ج۱، ص ۳۳۱؛ ارشاد القلوب: ص ۲۵۹؛ المسترشد: ص ۶۲۔

راوی کہتے ہیں: امیر المومنین علیہ السلام یہ باتیں بیان کرنے کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس گروہ نے ایک دوسرے سے مشاورت کے بعد کہا: بے شک خدا نے علیؑ بن ابی طالب کو ان تمام باتوں کی وجہ سے فضیلت دی ہے جو انہوں نے بیان کیں؛ لیکن وہ ایسا شخص ہے جو ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے گا۔ تمہیں اور تمہارے غلاموں کو مساوی قرار دے گا۔ اگر اسے مسندِ خلافت دو گے تو وہ تمہارے سیاہ و سفید کے ساتھ یکساں معاملہ کرے گا؛ چاہے اس کے لیے اسے تمہاری گردنوں پر تلوار ہی کیوں نہ رکھنی پڑے۔ لہذا عثمان کو خلیفہ بناتے ہیں کیونکہ وہ اس امر میں تمہارے لیے رغبت رکھتا ہے اور تم میں حکمرانی کے معاملے میں سب سے زیادہ نرم خُو ہے جو تمہاری خشنودی حاصل کرنے کے لیے بھی تیار ہے اور اس کی جانب میل رکھتا ہے۔

۱۳۔ عثمان کی خلافت کا آغاز

❁ عثمان کی بیعت

[شوریٰ خلافت میں میری یاد دہانیوں کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ان سے اہلِ شوریٰ کی رائے میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوئی؛ کیونکہ انہیں کچھ (اور ہی) پریشانیاں لاحق تھیں:]

... وہ پریشان اور ڈرے ہوئے تھے کہ اگر میں ان پر حاکم ہو گیا، تو ان کی ہَوائے نفس کی تسکین کی راہ بند کر دوں گا، ان کے گلے دبا دوں گا اور ان کے لیے حکومت میں کوئی حصّہ نہیں بچے گا۔ اس لیے وہ سارے میرے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھ سے حکومت لے کر عثمان کو دینے پر متفق ہو گئے۔ اِس اُمید کے ساتھ کہ یوں انہیں حکومت میں حصّہ مل جائے گا اور وہ خلافت کو اپنے ہی درمیان گھماتے رہیں گے۔ انہوں نے مجھ سے عثمان کی بیعت کرنے کو کہا۔ میں نے زور زبردستی سے بیعت کی، صبر کیا تاکہ خدا اُن سے حساب لے۔[1]

میں نے اہلِ قنوت کو تعلیم دی کہ اپنے قنوت میں پڑھا کریں: بارِ الہا! قلوب تیرے لیے خالص ہیں اور آنکھیں تیری جانب اُٹھی ہوئی ہیں۔ تیرا نام زبانوں پر جاری ہے اور کاموں کا فیصلہ تیرے سپرد کیا گیا ہے۔ پس ہمیں اور ہماری قوم کو راہِ حقیقت دکھا۔ بارِ الہا! ہم تجھ سے اپنے پیغمبر کے چلے جانے، دشمنوں کی کثرت، دوستوں کی قلت، لوگوں کی نگاہ میں اپنے ذلیل و خوار ہونے، سخت حالات اور فتنوں کا ہماری طرف رخ کر لینے کی شکایت کرتے ہیں۔ بار الہا! اپنے عدل کو آشکار کرنے اور حقیقت کو غالب کرنے کے ذریعے سے جیسا کہ تیرے علم میں ہے ہمیں وسعت اور گشائش سے نواز۔[2]

---

[1] مترجم عرض کرتا ہے: بیعت کے حوالے سے اس سے قبل لگایا گیا حاشیہ یہاں بھی نافذ ہے۔

[2] کشف المحجۃ: ص ۲۴۶۔

پھر صبر و تحمل

[عثمان کی خلافت کے بارے میں سب میری رائے سننے کے منتظر تھے؛ پس میں نے ایک خطبہ دیا جس میں اعلان کیا:]

تمہیں معلوم ہے کہ میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خلافت کا حقدار ہوں اور خدا گواہ ہے کہ میں اس وقت تک حالات کا ساتھ دیتا رہوں گا جب تک مسلمانوں کے مسائل ٹھیک رہیں اور ظلم صرف میری ذات تک محدود رہے تاکہ میں اس کا اجر و ثواب حاصل کرسکوں اور اس زیب و زینتِ دنیا سے اپنی بے نیازی کا اظہار کرسکوں جس کے لئے تم سب مرے جارہے ہو۔[1]

بے یاوری کے ایام

[عثمان کی بیعت ہوگئی۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس بیعت کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ اس وقت جُندب میرے پاس آیا اور پوچھا: جو حالات درپیش ہیں، ان کے مطابق آپ نے کیا ارادہ کیا ہے؟

میں نے اس سے پوچھا: تمہاری نظر میں کیا بہتر ہے؟

اس نے جواب دیا: لوگوں کے درمیان قیام کیجیے اور انہیں اپنے طرف بلائیں، انہیں آگاہ کیجیے کہ تمام افراد میں آپ جانشینی رسول ﷺ کے سب سے زیادہ حقدار و سزاوار ہیں، فضیلت اور سبقت در اسلام میں دوسروں سے برتر ہیں، ان سے مدد طلب کیجیے۔ اگر سو افراد میں سے دس نے بھی آپ کی دعوت پر لبیک کہا تو آپ ان دس کے ساتھ ان سو سے سختی سے نمٹ سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے آپ کو قبول کر لیا تو آپ کو اپنی چاہت حاصل ہوجائے گی اور اگر قبول نہ کیا تو ان کے ساتھ جنگ کریں۔ اگر آپ غالب آگئے تو یہ وہی حکومت ہوگی جو خدا نے اپنے رسول ﷺ کے توسُّط سے آپ کو سونپی ہے اور آپ اس کے حقدار ہیں اور اگر اس تک پہنچنے کی راہ میں مارے گئے تو شہید ہیں نیز بارگاہ خدا میں معذور بھی۔ میں نے اس سے کہا:]

اے جندب! کیا تجھے لگتا ہے سو افراد میں سے دس افراد میری بیعت کرنے کو تیار ہوجائیں گے؟

[اس نے کہا: مجھے اُمید ہے۔ میں نے اس سے کہا:]

1۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۷۴۔

لیکن مجھے اس کی کوئی اُمید نہیں۔ بلکہ مجھے یہ اُمید بھی نہیں کہ ہر سو افراد میں سے دو فرد بھی میری بیعت کریں گے۔ میں تجھ بتاتا ہوں کہ میری یہ نااُمیدی کس وجہ سے ہے۔ لوگوں کی توجہ پہلے دن سے ہی قریش کی جانب تھی۔ قریش بھی ایک دوسرے سے کہتے ہیں: آل محمد ﷺ اور حضرتؑ کے خاندان خود کو دوسروں سے افضل نیز خلافت کو اپنا حق سمجھتا ہے نہ کہ قریش کا، اس وجہ سے اگر خاندان محمد ﷺ کو حکومت مل گئی، یہ سلطنت اور حکومت ہمیشہ انہی میں رہے گی اور کسی دوسرے کو نہیں ملے گی لیکن اگر حکومت دوسرے کے پاس رہی، تو انہیں کے درمیان ایک سے دوسرے ہاتھ میں گھومتی رہے گی۔ مطمئن رہ قریش اپنی دلی خواہش کے تحت ہمیں یہ حکومت نہیں سونپیں گے۔

[جُندب نے لوگوں تک یہ بات پہنچانے اور انہیں میری مدد کے لیے تیار کرنے کی اجازت طلب کی۔ لیکن میں نے اس سے کہا:]

اے جندب! ابھی اس کام کا وقت نہیں آیا۔[1]

---

[1] الارشاد: ج ۱، ص ۲۴۱؛ امالی طوسی: مجلس ۹، ح ۷، ص ۲۳۳؛ شرح نہج البلاغہ: ج ۱۲، ص ۲۶۶.

۱۴۔ حدودِ الٰہی کے اجرا پر زور

عبید اللہ بن عمر کے قصاص کا مطالبہ

[خلیفۂ دوم کے بیٹے عبید اللہ نے اپنے والد کے قتل کے بعد ہُرمزان کو قتل کر دیا، جبکہ اس کا کوئی جرم بھی ثابت نہیں ہوا تھا۔ عثمان عبید اللہ کے والد کے مقام کو مد نظر رکھتے ہوئے اس پر حد جاری کرنے سے پرہیز کر رہا تھا۔ وہ اسے معافی دلانے کے چکّر میں تھا۔ میں نے عثمان کو خبردار کیا:]

اس فاسق کو سزا دے۔ اس نے بہت بڑا جرم کیا ہے اور ایک بے گناہ مسلمان کی جان لی ہے۔ امام یا حاکم حقوق العباد کو بخشنے کا حق نہیں رکھتا، مگر یہ کہ خود صاحبِ حق اسے معاف کر دے۔ عمر کا بیٹا بھی اس قاعدے سے مستثنیٰ نہیں اور تجھے اسے معاف کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر تُو بہانے کرکے اس سے حدِ قصاص ساقط کرنا چاہتا ہے، پھر ہرمزان کی دیت ان مسلمانوں کو دے جو اس کے مستحق ہیں (یعنی اس کے ورثاء) یا پھر بیت المال میں جمع کرواتا کہ وہاں سے مستحق افراد میں تقسیم ہو۔

[جب میں نے حد کے اجراء میں عثمان کی سستی اور بدنیّتی دیکھی تو اس سے کہا:]

روزِ قیامت جب لوگ حساب کے لیے حاضر ہوں گے، تو ہرمزان کے خون کا جواب دے ہو گا اور اس خون کا بدلہ تجھ سے طلب کیا جائے گا۔ اور رہی میری بات، تو خدا کی قسم، اگر میری نظر عبید اللہ بن عمر پر پڑ گئی، میں اس سے حقِ خدا لے کر رہوں گا؛ چاہیے لوگ ناراض ہی کیوں نہ ہوں۔

[میں نے عبید اللہ سے کہا:]

او فاسق! اگر کسی دن تو میرے ہاتھ لگ گیا، مطمئن رہ کہ میں ہرمزان کے خون کے بدلے تجھے قتل کروں گا۔[1]

ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد کے اجراء کا مطالبہ

[کوفے کے باسیوں نے ولید بن عقبہ کے مظالم کی عثمان سے شکایت کی۔ انہوں نے اس کے

---

1 انساب الاشراف: ج۶، ص ۱۳۰؛ تاریخ طبری: ج۳، ص ۳۰۲؛ امالی طوسی: مجلس ۴۲، ح۳، ص ۷۰۹۔

شراب پینے اور نشے کی حالت میں نمازِ جماعت پڑھانے کی گواہی بھی دی لیکن عثمان نے ولید کو تنبیہ کرنے کی بجائے گواہوں کو زد و کوب کرنے کا حکم دے دیا۔ وہ میرے پاس آئے اور عثمان کے اس رویے کی شکایت کی۔ میں عثمان کے پاس گیا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا: کیا کچھ ہو گیا ہے؟ میں نے اس سے کہا:]

ہاں! ایک بہت بڑا حادثہ رُونما ہوا ہے!

[عثمان نے کہا: کون سا بڑا حادثہ؟ میں نے کہا:]

تُو نے حدودِ الٰہی کو معطل کر دیا ہے اور جنہوں نے تیرے بھائی کے خلاف گواہی دی تھی، انہیں گھونسے مکّے مارے ہیں نیز حکمِ الٰہی کو بدل دیا ہے! کیا عمر نے تجھے نصیحت نہیں کی تھی کہ بنو اُمیہ بالخصوص آلِ ابی معیط کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا اور انہیں لوگوں کے اموال پر مسلّط نہ کرنا؟

[عثمان نے کہا: تیری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا:]

میری رائے ہے کہ ولید کو کوفے کی وزارت سے معزول کر اور اسے مسلمانوں سے متعلق امور کی ذمہ داری نہ دے۔ گواہوں کے بارے میں بھی تحقیق کر، اگر یہ خیانت کار اور جھوٹے نہیں ہیں نیز ان کی ولید سے کوئی خاص دشمنی بھی نہیں ہے تو اپنے رفیق پر شراب پینے کی شرعی حد جاری کر۔

[عثمان نے کوئی واضح جواب نہیں دیا۔ فقط کہا: میں سوچتا ہوں۔][1]

حکم بن عاص کو مدینہ واپس لانے پر اعتراض

[عثمان اپنے چچا حکم بن عاص[2] کو مدینہ واپس لے آیا۔ لوگ اس کے اس اقدام پر آشفتہ تھے۔ وہ میرے پاس آئے تاکہ میں عثمان سے بات کروں اور حکم بن عاص کو دوبارہ مدینہ بدر کرنے کا زمینہ فراہم کروں۔ میں عثمان کے پاس گیا اور اس سے کہا:]

---

[1] انساب الاشراف: ج۶، ص ۱۴۴.

[2] حکم بن عاص عثمان کا چچا اور مروان کا باپ تھا. رسول اللہ ﷺ کے دور میں بار بار عہد شکنی اور آپ کے تمسخر اڑانے کی وجہ سے اسے شہر بدر کر کے طائف بھیجا دیا گیا تھا. رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا تھا: «لعنك الله ولعن ما فی صلبك» خدا تجھ پر اور تیرے اس بیٹے پر جو تیرے صُلب میں ہے لعنت کرے. یہ مروان

اے عثمان! جو اچھے سے جانتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو مدینہ بدر کر دیا تھا اور جب تک آپؐ زندہ رہے اسے واپس آنے کی اجازت نہیں دی۔ ابو بکر و عمر نے بھی اس کی شہر بدری کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی سُنّت کی پیروی کی جبکہ تُو نے اسے مدینہ واپس لانے کا اقدام کیا اور در حقیقت تُو نے اسے پناہ دے دی ہے۔ تیرا یہ عمل مسلمانوں پر بڑا گراں گزار ہے اور ان کی ناراحتی کا باعث بنا ہے۔ اسے مدینے سے باہر کر اور اس حوالے سے سُنّتِ رسول ﷺ سے وفاداری کا دم بھر۔

[عثمان نے جواب دیا: یا علیؑ! تو جانتا ہے اس شخص کا میرے نزدیک کیا مقام حاصل ہے، وہ میرا چچا ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ نے اسے مدینہ بدر کیا تھا تو وہ اس کے رسول اللہ ﷺ کی بے احترامی اور ان سے دشمنی رکھنے کی وجہ سے تھا۔ لیکن اب رسول اللہ ﷺ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ ابو بکر و عمر نے بھی اس کی شہر بدری میں ہی مصلحت جانی لیکن مجھ پر حقِ قرابت ادا کرنا اور صلۂ رحمی کرنا لازم ہے۔ وہ رُوئے زمین پر بدترین شخص تھوڑی ہے۔ لوگوں میں اس سے بھی بدتر مل سکتے ہیں۔

میں نے عثمان سے کہا:]

خدا کی قسم، اگر تو نے ایسے ہی زندگی گزاری تو لوگ تیرے بارے میں اس سے بدتر باتیں کریں گے۔[1]

ے پیدا ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ اس زمانے میں حکم سے لوگ اس قدر نفرت کرتے تھے کہ ابو بکر و عمر نے عثمان کی سفارش کے باوجود بھی اسے مدینہ واپس لانے کی اجازت دینے کی جرأت نہیں کی۔ لیکن جب عثمان خلیفہ ہوئے تو جو کارنامے اس نے اپنے دورِ خلافت کے آغاز میں انجام دیے ان میں سے ایک اسے مدینہ واپس لانا تھا۔ اس سے زیادہ تعجب کا مقام یہ ہے کہ عثمان نے اسے اپنے مقربین میں شامل کر لیا اور بیت المال سے کثیر مال بھی عطا کیا۔ عثمان نے اسے قبیلۂ قضاعہ کی زکوٰۃ جمع کرنے پر مامور کر دیا۔ اور تین ہزار درہم زکوٰۃ کی جمع آوری کے بعد ساری رقم اس کو بخش دی۔ (انساب الاشراف: ج۶، ص ۱۳۷).

1. مجلس: ص ۱۸۱.

۱۵۔ رسول ﷺ کے اصحابِ خاص کا دفاع

ابوذر کا دفاع اور ان کی صداقت کی گواہی

[ابوذر کو مدینے سے شام جلاوطن کر دیا گیا۔ معاویہ نے عثمان کو لکھا: ابوذر کو شام بھیجنے کی وجہ سے یہاں کے حالات خراب ہو گئے ہیں۔ عثمان نے حکم دیا: ابوذر کو بغیر زین کے مرکب پر سوار کر کے مدینہ واپس بھیج دیا جائے۔ جب ابوذر زخمی پیروں کے ساتھ مدینہ پہنچے، انہیں عثمان کے پاس لے جایا گیا۔ عثمان نے ان سے کہا: میں نے سنا ہے کہ تو نے رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا ہے کہ جب بھی بنی اُمیّہ کے بیٹوں کی تعداد تیس افراد تک پہنچے گی وہ خدا کے شہروں کو اپنے درمیان ایک سے دوسرے ہاتھ میں گھمائیں گے، لوگوں کو اپنا غلام اور دینِ خدا کو بازیچہ اطفال بنالیں گے۔ ابوذر نے کہا: ہاں! میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی۔ عثمان نے میری جانب رخ کر کے کہا: یا اباالحسنؑ! کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ سے ایسی بات سنی تھی؟ میں نے ابوذر کے کہے کی تائید کی۔ عثمان نے تفصیل پوچھی۔ میں نے کہا:]

یہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے، آپ نے فرمایا: «آسمان نے ابوذر سے زیادہ سچے انسان پر سایہ نہیں کیا اور نہ زمین نے اس سے زیادہ سچے شخص کو اپنی پشت پر دیکھا ہے»۔

[ایک دن ابوذر عثمان کی مجلس میں داخل ہوئے، دیکھا کچھ افراد بیٹھے عثمان کی مدح و ثنا کر رہے ہیں۔ ابوذر نے ایک مُٹھی خاک اٹھا کر ان کے چہروں پر پھینک دی۔ عثمان نے بڑی شدت سے اعتراض کیا تو ابوذر نے جواب میں کہا: میں نے تو کچھ نہیں کیا؛ فقط رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا تھا: «جب بھی دیکھو کوئی کسی کی چاپلوسی کرتے ہوئے مدح و ثنا کر رہا ہے تو ان کے سر و صورت پر خاک ڈال دینا»۔ میں نے اس گروہ کو باطل اور بے ہودہ باتوں سے تیری تمجید کرتے دیکھا، یہ ان صفات سے تیری تحسین کر رہے تھے جو تجھ میں موجود ہی نہیں؛ لہذا میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل کیا۔

اس وقت میں بھی وہاں پہنچ گیا۔ عثمان نے مجھ سے کہا: یا علیؑ! کیا آپ نہیں دیکھتے کہ یہ جھوٹا انسان کتنی جرأت سے رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھ رہا ہے؟

میں نے عثمان سے کہا:]

اے عثمان! ابوذر اور اس کی باتوں کے ساتھ مومن آلِ فرعون کی طرح پیش آ۔ خدائے متعال ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَاِنْ یَّكُ كَاذِبًا فَعَلَیْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ یَّكُ صَادِقًا یُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِیْ یَعِدُكُمْ ؕ ﴾[1]

اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ خود اس کے خلاف جائے گا اور اگر وہ سچا ہے تو جس (عذاب) کا وہ تم سے وعدہ کر رہا ہے اس میں سے کچھ تو تم پر واقع ہو ہی جائے گا۔

[عثمان میری باتوں سے سیخ پا ہو گیا اور کہا: تیرے منہ میں خاک، خاموش ہو جا! میں نے اس کے جواب میں کہا:]

تیرے منہ میں خاک ہو![2]

[ایک اور موقع پر عثمان نے مجھ سے کہا: کیا تو ہمیں اس پاگل شخص کے شر سے نجات نہیں دلائے گا؟ میں نے پوچھا: کون پاگل؟ جواب ملا: ابوذر۔ میں نے کہا:]

وہ پاگل نہیں ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا: «آسمان نے ابوذر سے زیادہ سچے انسان پر سایہ نہیں کیا اور نہ زمین نے اس سے زیادہ سچے شخص کو اپنی پشت پر دیکھا ہے»۔

[عثمان اس جواب سے طیش میں آ گیا؛ لیکن میں نے حاضرین مجلس کی جانب رخ کر کے کہا:]

میں تم سب کو خدا کی قسم دیتا ہوں، اگر تم میں سے کسی نے ابوذر کے بارے میں میری نقل کردہ حدیثِ رسول ﷺ سنی ہے تو اٹھے اور شہادت دے۔

[گیارہ افراد اٹھے اور انہوں نے اس حدیث کی صحت پر گواہی دی۔][3]

1۔ غافر: ۲۸.

2۔ الجمل: ص ۱۷۸؛ شرح نہج البلاغہ: ج ۳، ص ۵۷.

3۔ امالی طوسی: مجلس ۴۲، ح ۴، ص ۷۱۰.

مدینہ سے ربذہ شہر بدر کیے جانے پر ابوذر سے وداع

[میں نے سنا کہ عثمان نے ابوذر کو ربذہ جلاوطن کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ساتھ ہی حکم دیا ہے کہ کوئی انہیں رخصت کرنے نہ جائے۔ یہ بات میرے لیے بہت زیادہ غم آور اور جائے افسوس تھی۔ میری آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ اس وقت میں نے کہا:]

کیا اصحابِ رسول ﷺ کے ساتھ ایسا روّیہ اپنایا جاتا ہے؟! ﴿انا للہ و انا الیہ راجعون﴾

[میں اٹھا اور حسن و حسین، عقیل، عمار یاسر اور عباس کے بیٹوں عبد اللہ، فضل، قُثَم اور عبید اللہ کے ساتھ ابوذر کو رخصت کرنے پہنچا۔ خدا حافظی کے وقت ابوذر کی دل جُوئی کی خاطر ان سے کہا:]

ابوذر تمہارا غیظ و غضب اللہ کے لیے ہے لہٰذا اس سے اُمید وابستہ رکھو جس کے لیے یہ غیظ و غضب اختیار کیا ہے۔ قوم کو تم سے اپنی دنیا کے بارے میں خطرہ تھا اور تمہیں ان سے اپنے دین کے بارے میں خوف تھا لہٰذا جس کا انہیں خطرہ تھا وہ ان کے لیے چھوڑ دو اور جس کے لیے تمہیں خوف تھا اسے بچا کر نکل جاؤ۔ یہ لوگ بہر حال اس کے محتاج ہیں جس کو تم نے ان سے روکا ہے اور تم اس سے بہر حال بے نیاز ہو جس سے ان لوگوں نے تمہیں محروم کیا ہے عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ فائدہ میں کون رہا اور کس سے حَسَد کرنے والے زیادہ ہیں۔ یاد رکھو کہ کسی بندۂ خدا پر اگر زمین و آسمان دونوں کے راستے بند ہو جائیں اور وہ تقوائے الٰہی اختیار کر لے تو اللہ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال دے گا۔ دیکھو تمہیں صرف حق سے انس اور باطل سے وحشت ہونی چاہیے تم اگر ان کی دنیا کو قبول کر لیتے تو یہ تم سے محبت کرتے اور اگر دنیا میں سے اپنا حصّہ لے لیتے تو تمہاری طرف سے مطمئن ہو جاتے۔[1]

عمار یاسر کو جلاوطن کرنے کی راہ میں حائل ہوا

[ربذہ میں ابوذر کی وفات کے بعد عثمان نے عمار یاسر کو بھی اسی مقام پر جلاوطن کرنے کا ارادہ کر لیا۔ لوگ میرے پاس آئے اور چاہا کہ عثمان سے بات کروں اور عمار کو شہر بدر ہونے سے بچا لوں۔ اس حوالے سے میں عثمان کے پاس گیا اور اس سے کہا:]

---

[1] نہج البلاغہ: خطبہ ۱۳۰؛ کافی: ج۸، ص ۲۰۶؛ تذکرۃ الخواص: ص ۱۵۶.

اے عثمان! خدا کی مخالفت سے پرہیز کر۔ تو ہی تھا جس نے ایک صالح مسلمان (ابوذر) کو شہر بدر کیا اور وہ اسی جگہ پر اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ اب تو چاہتا ہے کہ اس کی طرح ایک دوسرے شخص کو اسی مقام پر جلاوطن کرے۔

[ہمارے درمیان بحث طول پکڑ گئی۔ آخر میں عثمان نے کہا: تو سب سے زیادہ شہر بدر ہونے کا مستحق ہے۔ میں نے اس کے جواب میں کہا:]

اگر تو چاہتا ہے تو ایسا کر کے دیکھ لے۔[1]

صحابی رسول ﷺ عبداللہ ابن مسعود کی حمایت

[جب عثمان نے حکم دیا کہ عبداللہ بن مسعود کو دھکے دے کر مسجد سے نکالا جائے، انہیں گھونسے مارے جائیں اور ان کا منہ توڑ دیا جائے، اس وقت میں نے عثمان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا:]

اے عثمان! کیا فقط ولید بن عقبہ کے وجہ سے صحابی رسول ﷺ کے ساتھ ایسا سلوک کرے گا؟

[عثمان نے جواب دیا: میں نے ولید کے کہنے پر ایسا نہیں کیا۔ میں نے زبید کو کوفہ بھیجا تھا۔ وہاں ابن مسعود نے اس سے کہا کہ عثمان کا خون حلال ہے۔ میں نے اس سے کہا:]

تو نے زبید کے کہے پر اقدام کر لیا؛ لیکن وہ موثق اور قابلِ اعتماد شخص نہیں ہے۔[2]

---

1. انساب الاشراف: ج ۶، ص ۱۶۹؛ تاریخ یعقوبی: ج ۲، ص ۱۷۳۔
2. انساب الاشراف: ج ۶، ص ۱۴۷۔

۱۶۔ عثمان کے خلاف ہونے والی شورش کے اسباب

✿ اہلِ شوریٰ عثمان کو مسندِ خلافت سے اُتارنے کے درپے ہوئے

جس دن اہل شوریٰ نے عثمان کی بیعت کی تھی، ابھی رات نہیں ہوتی تھی کہ وہ اپنے انتخاب پر پشیمان ہوئے اور عقب نشین ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو گئے نیز ایک دوسرے کو سرزنش کرنے لگے۔ ایسے ہی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ عثمان کے جن طرف داروں نے اسے خلافت تک پہنچایا تھا، انہوں نے ہی اس کی تکفیر کی نیز اس سے کنارہ کشی اختیار کر گئے۔ جب عثمان نے حالات کشیدہ دیکھے تو رفت و آمد میں لگ گیا، وہ اپنے طرف داروں اور اصحاب رسول ﷺ کے پاس گیا، ان سے معذرت طلب کی اور رُونما ہونے والے مفاسد پر پشیمانی کا اظہار کر کے توبہ کی۔ عثمان کے خلیفہ بننے کے بعد مسلمانوں کی مشکلات پہلے سے بھی زیادہ اور دشوار تر ہو گئیں؛ یہاں تک کہ انہیں برداشت کرنا بس سے باہر ہو گیا۔ اس بات کی وجہ سے میں اس قدر دباؤ میں آیا جو بیان سے باہر ہے؛ لیکن میرے پاس صبر و تحمل کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

جس دن سے عثمان کی بیعت ہوئی تھی، اہل شوریٰ مسلسل میری جانب رجوع کرتے اور وہاں میری مخالفت کرنے کی وجہ سے معذرت طلب کرتے۔ وہ عثمان کو خلافت سے برطرف کرنے اور اس کے خلاف قیام کرنے کی تاکید کرتے۔ اس کے بعد ان میں سے ہر ایک میرے سامنے دست بیعت پھیلاتا تاکہ آخری سانس تک میرے ساتھ کھڑا رہے اور میرا حق واپس دلوائے لیکن خدا کی قسم جس احتیاط اور خیر اندیشی پر اس سے قبل کاربند رہا، وہ اس بار بھی قیام کرنے سے مانع رہی۔ میرا سوچنا تھا کہ اپنے ساتھیوں کی حفاظت اس قیام کرنے سے بہتر، دل کو زیادہ مطمئن کرنے والی اور روشنی بخش ہے جس کا نتیجہ ان کے قتل ہونے کی صورت میں برآمد ہوا۔ اگرچہ جانتا تھا کہ میرے ساتھی میری رکاب میں جان قربان کرنے کے لیے بھی تیار ہیں اور ان میں سے کسی کو موت کا ڈر اور خوف نہیں ہے۔

میرے سکوت اور صبر کی بھی وہی وجوہات تھی جو اس سے قبل بیان کر چکا ہوں؛ ورنہ مجھے موت سے کوئی خوف نہیں تھا۔ تمام اصحابِ رسول ﷺ جانتے ہیں کہ موت میرے لیے شیریں اور فرحت بخش ہے ویسے ہی جیسے سخت گرمیوں میں ٹھنڈا اور میٹھا پانی کسی حد درجہ پیاسے کے لیے فرحت بخش ہوتا ہے۔

عثمان کے معاملات روز بروز بگڑتے جا رہے تھے۔ اس کے خلاف میری جانب سے کوئی سنجیدہ ردِ عمل نہ آنے اور سکون سے بیٹھے رہنے کی ایک وجہ تھی۔ میں جانتا تھا کہ جس قسم کا روّیہ اور سلوک اس نے اپنا رکھا تھا، دور اور نزدیک سے لوگ اسے معزول کرنے اور اس سے جنگ لڑنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ بالآخر حالات روز بروز بدتر ہوتے چلے گئے۔ مجبوری کے عالم میں مَیں نے خود کو ایک طرف کر لیا اور ان حالات کے بارے میں ہاں یا نہ جیسا کوئی ایک لفظ بھی زبان سے ادا نہیں کیا۔[1]

۞ عثمان کے خلاف شورش میں طلحہ، زبیر اور عائشہ کا کردار

طلحہ اور زبیر کے لیے آسان ترین کام یہ تھا کہ وہ عثمان کے خلاف یورش برپا کریں، اسے ملامت کریں اور اس کی قوت کو کم کر دیں۔ ایسے حالات میں عائشہ نے بھی سر اٹھایا اور اپنے دل میں عثمان کے لیے پنہاں غصے کو آشکار کر دیا۔[2]

۞ عثمان کے خلاف لوگوں کے قیام کی اصل وجہ

جب تیسرا شخص مسندِ خلافت پر براجمان ہوا، اس نے خود کو مسلمانوں کے کھیتوں میں گھسا دیا۔ اس نے اپنے دونوں پہلوں کو کھا کھا کر پھلا لیا۔ وہ دمادم کھانے کی فکر میں تھا۔ اس کے بنو اُمیّہ سے تعلق رکھنے والی ددھیالی رشتے دار بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے ہمراہ بیت المال چٹ کر گئے۔ عثمان نے اس بھوکے اونٹ کی طرح جو بہار میں اگنے والی گھاس پر چڑھ دوڑتا ہے، اس قدر اسراف سے کام لیا کہ اس کی بٹی ہوئی رسی کھل گئی اور اس کے ہاتھوں پیروں میں الجھ گئی۔ اس کے اعمال نے لوگوں کو اٹھنے پر ابھارا اور اس کی شکم پروری نے اسے نابود کر دیا۔[1]

الخصال: ج ۲، ص ۳۷۵؛ الاختصاص: ص ۱۷۴؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۵۲.

نہج البلاغہ: خط ۱؛ الجمل: ص ۱۳۱؛ امالی طوسی: مجلس ۴۳، ح ۲، ص ۷۱۸.

عثمان کے سر پر سوار اس کے چیلے

[میں نے عثمان کو معاویہ کے بارے میں متعدد بار خبر دار کیا۔ ایک دن اس نے میرے جواب میں کہا: شام چلانے کے لیے وہاں معاویہ کو حاکم بنانے پر تُو مجھ پر اعتراض کرتا ہے جبکہ تجھے معلوم ہے اسے مجھ سے قبل خلیفۂ دوم نے شام کا گورنر بنایا تھا۔ میں نے اس سے کہا:]

تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تُو جانتا ہے کہ معاویہ عمر کی کیسی اطاعت کرتا تھا؟! وہ عمر کے غلام یرفا سے بھی زیادہ اس کی اطاعت کرتا تھا۔ عمر کی سیاست تھی کہ وہ جب بھی کسی کو گورنر بنا کر بھیجتا تھا اس پر سختی کرتا تھا اور اس کے کان کھینچتا تھا؛ لیکن تیرا معاملہ یہ ہے کہ تیرے ارد گرد کے افراد تیرے سر پر سوار ہیں، وہ تجھ پر اپنی من مانی باتیں تھوپتے ہیں اور تیری اور تیری باتوں کی پرواہ کیے بغیر خود سرانہ انداز میں حکومت کرتے ہیں۔

[عثمان خاموش ہو گیا اور کچھ نہ بولا۔][2]

---

[1] نہج البلاغہ: خطبہ ۳، علل الشرائع: ج۱، ص ۱۸۱؛ معانی الاخبار: ص ۳۶۰؛ الارشاد: ج۱، ص ۲۸۷؛ امالی طوسی: مجلس ۱۳، ص ۳۷۲، ح ۵۴؛ الاحتجاج: ج۱، ص ۴۵۱؛ تذکرۃ الخواص: ص ۱۱۷؛ شرح نہج البلاغہ: ج۱، ص ۱۵۱۔

[2] شرح نہج البلاغہ: ج۹، ص ۲۴؛ تاریخ طبری: ج۳، ص ۳۷۷۔

مترجم عرض کرتا ہے: مؤلف محترم کی نقل کردہ اس روایت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ عمر بن خطاب کے طرز حکومت کی جناب امیر علیہ السلام تعریف فرما رہے ہیں. بلکہ چونکہ عثمان نے سیرت شیخین پر چلنے کی شرط پر خلافت قبول کی تھی اس لیے جناب امیر علیہ السلام نے اس پر اس انداز میں حُجّت تمام کی ہے. ورنہ یہ بات تاریخی مسلمات میں سے ہے کہ شام میں معاویہ کو اتنے عرصے تک برقرار رکھ کر اسے کے ہاتھ مضبوط کرنے میں عمر کا سب سے زیادہ ہاتھ تھا. مطلب کی تفصیل کے لیے متعلقہ تاریخی کتب کی جانب رجوع کیجیے.

۷۱۔ عثمان کا عوام کے اعتراضات کو غلط رنگ دینا

❁ عثمان کی دوسروں پر الزام دھرنے کی کوشش

[عثمان کو متعدد مشکلات کا سامنا تھا۔ ایک دن مجھ سے ملنے آیا اور کہا: یا ابا الحسن! نہیں معلوم کہ تیرا زندہ رہنا میرے لیے بہتر ہے یا تیرا مر جانا! اگر تُو مر گیا تو مجھے تیرے بعد زندہ رہنا پسند نہیں۔ اور اگر زندہ رہا تو میرے مخالفین و ناقدین مسلسل تجھے اپنا پشت پناہ بنائے رکھیں گے۔ مجھے نہیں معلوم میں اپنے مخالفین اور تیرے ساتھ کیا کروں! تو اس ناخلف بیٹے کی طرح ہے جو اگر مر جائے تو باپ کے لیے مصیبت ہے اور اگر زندہ رہے تو اس کے ہاتھوں عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ یا تو ہمارے سامنے تسلیم ہو جا تا کہ ہم تیرے ساتھ مسالمت کریں یا جنگ کر تا کہ ہم بھی تیرے ساتھ جنگ کریں۔ مجھے زمین و آسمان کے درمیان متحیر نہ چھوڑ۔ خدا کی قسم، اگر تو مجھے قتل کرے گا تو میرے بعد خوشی نہیں دیکھ پائے گا اور اگر میں تجھے قتل کروں گا تو تیرے بعد مجھے بھی آرام نہیں ملے گا۔ فتنہ گر زمامِ خلافت اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔

میں نے اس کے جواب میں کہا:]

ایسا کیا ہوا ہے جو مخالفین اور ناقدین نے مجھے اپنا پشت پناہ بنایا ہے؟! تیرا مجھے اپنے مخالفین، ناقدین اور سرزنش کنندگان کا پناہ دہندہ تصور کرنا مجھ پر تیرے سُوئے ظن اور بدگمانی کی وجہ سے ہے جو تیرے دل ہی دل میں اس طرح سے فیصلہ کرنے کا موجب بنا ہے۔ اگر تُو میری جانب سے پریشان ہے تو میں تجھے یقین دلاتا ہوں، میری جانب سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں تیرے ساتھ الٰہی عہد و پیمان باندھتا ہوں کہ جب تک سمندر اُون کو گیلا کرے گا، میری جانب سے تجھے کسی مشکل کا سامنا نہیں ہو گا اور قطعی طور پر میں تیرے حال کی رعایت کروں گا لیکن میں کیا کروں، تیری نظر میں میرے کاموں کی کوئی قیمت نہیں اور یہ تجھے کوئی فائدہ نہیں دیں گے۔ البتہ تیرا یہ کہنا کہ میری موت تجھے مضطرب کر دے گی، تو ہرگز ایسا نہیں ہے۔ جب تک تیرے ساتھ ولید اور مروان ہیں، میرے

فقدان سے تُو مغلوب نہیں ہو گا۔[1]

عثمان حالات کی غلط تحلیل کا شکار تھا

[عثمان کا خیال تھا لوگوں کو اس کے خلاف مَیں ابھار رہا ہوں۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگا: تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو تُو تفرقے کا باب کھول دے۔ مجھے یاد ہے تو ابو بکر و عمر کے ساتھ باب سازگاری میں داخل ہو گیا تھا، ایسے جیسے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتا تھا۔ میں بھی ان دونوں سے کم تر نہیں ہوں؛ بلکہ رشتے داری کے اعتبار سے تُجھ سے زیادہ نزدیک ہوں۔ اگر تیرا سوچنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکومت تیرے لیے رکھی تھی، تو ہم خود شاہد ہیں کہ ان کی رحلت سے بعد سب سے پہلے تو نے اعتراض کیا تھا؛ لیکن پھر دوسروں کی خلافت قبول کر لی تھی۔ تُو نے کس طرح ان دو کی بات مانی اور اس کے ساتھ مسالمت کر لی لیکن میری مخالفت کرتا ہے؟! اگر تو کہتا ہے ان دونوں کا عمل پسندیدہ تھا، تو میں بھی اپنے دین اور رسول اللہ ﷺ سے نسبت رکھنے میں ان دو سے کم تر نہیں ہوں؛ لہٰذا میرے ساتھ بھی ویسے ہی رہ جیسا اِن دو کے ساتھ رہتا رہا ہے۔

میں نے جواب میں کہا:]

تُو نے تفرقے کی بات کی، خدا کی پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ میں اس کا دروازہ کھولنے والا ہوں یا یہ کہ میں تفرقے کی راہ ہموار کروں۔ لیکن جس چیز سے خدا اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے، تجھے اس سے روکنا اور رشد و ہدایت کی راہ کی جانب تیری رہنمائی کرنا میری ذمہ داری ہے۔ ابو بکر اور عمر نے وہ حکومت ہتھیائی جو رسول اللہ ﷺ میرے سپرد کر کے گئے تھے، تُو اور بقیہ مسلمان اس بارے میں اچھے سے جانتے ہیں؛ مجھے حکومت سے کیا سروکار، مُدّت ہوئی اسے چھوڑ چکا ہوں! جن جگہوں پر میرا مخصوص حق تھا میں نے وہاں بھی اقدام نہیں کیا، اصلاح کی غرض سے ان سے ہاتھ اٹھا لیا اور انہیں مسلمانوں کے سپرد کر دیا، میں نے یہ کام صمیم قلب سے انجام دیا لیکن جن جگہوں پر میرا مخصوص حق نہیں تھا اور مجھ سے خاص نہیں تھا یعنی تمام مسلمانوں سے مربوط تھا، وہاں میں سکوت نہ اس سے پہلے کر سکتا تھا اور نہ اب کروں گا۔

[1] شرحِ نہج البلاغہ: ج۹، ص ۲۲.

یہ جو تو نے کہا کہ تُو ابو بکر اور عمر کے برابر ہے تو ہرگز ایسا نہیں ہے۔ تو ان میں سے کسی ایک جیسا بھی نہیں۔ انہوں نے حکومت کی ذمہ داری سنبھالی؛ لیکن خود کو اور اپنے اقرباء کو آلودگی سے دُور رکھا؛ جبکہ تُو اور تیرے رشتے دار اس آلودگی میں اتنے دھنس چکے ہو گویا اس میں تیر رہے ہو اور اس میں ڈوب چکے ہو۔

اے عثمان! اس وقت تجھے نصیحت کرتا ہو کہ خدا کی طرف لوٹ آ اور اس بارے میں فکر کر کہ تیری عمر کا پیمانہ لبریز ہونے کو ہے۔ بالآخر کب تک اور کس لیے بنو اُمیّہ کے پست افراد کو مسلمانوں کے اموال، آبرو اور ناموس پر مسلّط کر رکھا ہے اور انہیں ان کی حرکتوں سے باز نہیں رکھتا؟ خدا کی قسم! اگر تیرے کارندوں میں سے کوئی شخص سورج غروب ہونے کے مقام پر ظلم کرے، تو اس کے گناہ میں شریک ہے۔

[عثمان نے زبان دی کہ وہ اپنے نالائق کارندوں کو معزول کر دے گا اور لوگوں کے منطقی مطالبات قبول کرے گا؛ لیکن مروان یہ دلیل دے کر کہ لوگ ہمارے مقابلِ جرأت مند ہو جائیں گے، اصلاحات کی راہ میں حائل ہو گیا۔][1]

کم از کم شیخین سا روّیہ اپنا!

[عثمان کو معلوم ہو چلا تھا کہ اب حالات اس کے ہاتھ سے باہر نکل گئے ہیں۔ اس نے مجھے طلب کیا اور کنایہ کی زبان میں کہنے لگا: اگر تو ارادہ کرے تو لوگ میرے ساتھ چل پڑیں گے اور حالات صحیح ہو جائیں گے۔ میں نے اس سے کہا:]

اگر دنیا کے تمام اموال اور زمینیں میرے اختیار میں ہوں، موجودہ حالات میں ان تمام اموال کو خرچ کر کے بھی لوگوں کو تجھ پر اعتراض اور حملہ کرنے سے نہیں روک سکتا۔ لیکن تجھے ایک راہ بتاتا ہوں جو زیادہ فائدہ مند ہے: تیرا روّیہ تیری بھائیوں ابو بکر اور عمر جیسا ہونا چاہیے (اگر ایسا ہو گیا) میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ عوام میں سے کوئی تیری مخالفت نہیں کرے گا۔[2]

---

1. شرح نہج البلاغہ: ج۹، ص۱۵۔
2. ...نضرۃ: ج۲، ص۱۲۹، نقل از الغدیر: ج۹، ص۷۵۔

۱۸۔ معترض افراد کی نمائندگی

۞ لوگوں کا مطالبات پورے کرنے کے لیے عثمان سے گفتگو

[لوگوں کے اعتراضات اوج پر پہنچ چکے تھے۔ ان کا اصرار تھا کہ میں عثمان سے ان کی جانب سے بات کروں اور ان کے مطالبات اس کے سامنے پیش کروں۔ میں عثمان کے پاس گیا اور کہا:]

لوگوں نے مجھ سے چاہا کہ تجھ سے بات کروں۔ انہوں نے مجھے اپنے اور تیرے درمیان واسطہ قرار دیا ہے اور خدا کی قسم میں نہیں جانتا ہوں کہ میں تجھ سے کیا کہوں؟ میں کوئی ایسی بات نہیں جانتا جس کا تجھے علم نہ ہو اور کسی ایسی بات کی نشاندہی نہیں کر سکتا ہوں جو تجھے معلوم نہ ہو۔ تجھے وہ ساری باتیں معلوم ہیں جو مجھے معلوم ہیں اور میں نے کسی امر کی طرف سبقت نہیں کی ہے کہ تجھے اس کی اطلاع دوں اور نہ کوئی بات چپکے سے سن لی ہے کہ تجھے اس سے باخبر کروں۔ تُو نے وہ سب خود دیکھا ہے جو میں نے دیکھا ہے اور وہ سب کچھ خود بھی سنا ہے جو میں نے سنا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ویسے ہی رہے ہو جیسے میں رہا ہوں۔ ابن ابی قحافہ اور ابن الخطاب حق پر عمل کرنے کے لیے تجھ سے زیادہ اولیٰ نہیں تھے۔ تُو اُن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ قریبی رشتہ رکھتا ہے۔ اور تجھے دامادی کا شرف بھی حاصل ہے جو انہیں حاصل نہیں تھا۔[1] لہٰذا خدارا اپنے نفس کو بچا کہ تجھے اندھے پن سے بصارت یا جہالت سے علم نہیں دیا جا رہا ہے۔ راستے بالکل واضح ہیں اور نشاناتِ دین قائم ہیں۔ یاد رکھو خدا کے نزدیک بہترین بندہ وہ امام عادل ہے جو خود ہدایت یافتہ ہو اور دوسروں کو ہدایت دے۔ جانی پہچانی سُنّت کو قائم کرے اور مجہول بدعت کو مردہ بنا دے۔ دیکھو ضیا بخش سُنّتوں کے

---

[1] مترجم عرض کرتا ہے: عثمان کی جس دامادی کی بات کی جا رہی ہے وہ نسبی بیٹیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ ربائب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شوہر ہونے کی وجہ سے ہے۔ اس حوالے سے تفصیل کے لیے علامہ سید جعفر مرتضیٰ عاملی کی کتاب «بنات الرسول یا منہ بولی بیٹیاں» کی جانب رجوع کیجیے، جس کے ترجمے کی سعادت حقیر کو حاصل ہوئی ہے جبکہ اسے شائع کرنے کا سہرا ادارہ سبیل سکینہ علیہا السلام کے سر ہے۔

نشانات بھی روشن ہیں اور بدعتوں کے نشانات بھی واضح ہیں اور بدترین انسان خدا کی نگاہ میں وہ ظالم پیشوا ہے جو خود بھی گمراہ ہو اور لوگوں کو بھی گمراہ کرے۔ پیغمبر سے ملی ہوئی سُنّتوں کو مردہ بنادے اور قابل ترک بدعتوں کو زندہ کردے میں نے رسول اکرم (ص) کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ «روزِ قیامت ظالم رہنما کو اس عالم میں لایا جائے گا کہ نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا اور نہ عذر خواہی کرنے والا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور وہ اس طرح چکّر کھائے گا جس طرح چکی۔ اس کے بعد اسے قعرِ جہنم میں جکڑ دیا جائے گا۔»

میں تمہیں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ خدارا تم اِس اُمّت کے مقتول پیشوا نہ بنو اس لیے کہ دورِ قدیم سے کہا جا رہا ہے کہ اِس اُمّت میں ایک پیشوا قتل کیا جائے گا جس کے بعد قیامت تک قتل و قتال کا دروازہ کھل جائے گا اور سارے امور مشتبہ ہو جائیں گے اور فتنے پھیل جائیں گے اور لوگ حق و باطل میں امتیاز نہ کر سکیں گے اور اسی میں چکّر کھاتے رہیں گے اور تہ و بالا ہوتے رہیں گے۔

خدارا مروان کی سواری نہ بن کہ وہ جدھر چاہے کھینچ کر لے جائے وہ بھی اس قدر کبر سالی میں جب تیری عمر کافی ہو چکی ہے اور اس تجربے کے بعد جو تجھے حاصل ہے۔

[عثمان نے مجھ سے کہا: آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ ذرا مہلت دیں تاکہ میں ان کی حق تلفیوں کا مداوا کر سکوں۔ میں نے اس سے کہا:]

جہاں تک مدینہ کے معاملات کا تعلق ہے ان میں کسی مہلت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور جہاں تک باہر کے معاملات کا تعلق ہے ان میں صرف اتنی مہلت دی جا سکتی ہے کہ تمہارا حکم وہاں تک پہنچ جائے۔

[لیکن عثمان نے جواب میں کہا: خدا کی قسم! میں تیری نیّت جان گیا ہوں۔ اگر تو میری جگہ ہوتا، میں تیرے ساتھ ایسا نہ کرتا۔ نہ میں تجھے غضبناک کرتا اور نہ ملامت کرتا۔ تیرے ساتھ بُرا رویّہ نہ اپناتا، ناشائستہ سلوک نہ کرتا نیز رشتے داری اور دوستی کا حق ادا کرتا۔][1]

---

[1] مآخذ: خطبہ ۱۶۴؛ الجمل: ص ۱۰۰؛ انساب الاشراف: ج ۶، ص ۱۷۵؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۳۷۶ و ۴۰۲؛ العقد الفرید: ج ۴، ص ۳۰۸؛ الکامل: ج ۲، ص ۲۷۵۔

اہلِ مصر کی نمائندگی

[اہلِ مصر مسجد نبوی میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ وہ گورنر مصر کو معزول کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ طلحہ اور عائشہ کو ثالثی کے لیے بیچ میں ڈالا گیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ناچار ہو کر میں عثمان کے پاس گیا اور اس سے کہا:]

یہ لوگ تجھ سے اپنے گورنر کو معزول اور اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو منصوب کرنے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اس مطالبے کی دلیل کے طور پر یہ اس مسلمان کا خون پیش کرتے ہیں جسے گورنرِ مصر نے بے گناہ قتل کیا ہے۔ لہذا اس گورنر کو معزول کر کے اس کے جرم کی تحقیق کر اور اگر واقعاً وہ جرم کا مرتکب ہوا ہے، منصفانہ طور پر حکم صادر کر۔

[جس شخص کو خود اہلِ مصر قبول کریں، عثمان اسے گورنرِ مصر کی جگہ پر منصوب کرنے کو تیار ہو گیا؛ لیکن کچھ مدّت بعد اپنے ساتھیوں اور چیلوں کی باتوں میں آ گیا اور اس بات کا اعلان کرنے سے پرہیز کیا۔ جس کی وجہ سے مصریوں کے غضب و غصے میں اضافہ ہو گیا۔][1]

عثمان کا مصریوں کو واپس لوٹانے کے لیے مطالبات قبول کرنا

[مدینے میں عثمان کے لیے مصریوں کو برداشت کرنا مشکل ہو چکا تھا۔ ایک دن میرے گھر آ کر کہنے لگا: اے چچا زاد! میرے پاس کوئی راہِ حل نہیں بچی۔ میں تیرا قریبی رشتے دار ہوں نیز تیری گردن پر بڑا حق رکھتا ہوں۔ جیسا کہ تُو دیکھ رہا ہے، مصریوں نے جمگھٹا لگایا ہوا ہے اور مجھ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے ان کے نزدیک تیرا ایک مقام ہے، وہ تیرا احترام کرتے ہیں اور تیری بات سُنتے ہیں۔ مجھے اچھا لگے گا اگر تُو اُن کے پاس جائے اور جس طرح بھی ہو سکے اُنہیں واپس مصر بھیج دے۔ مجھے بالکل ان کے روبرو ہونا پسند نہیں؛ کیونکہ یہ ان کے اور زیادہ جسارت کرنے کا سبب بنے گا، دوسرے بھی ان کے پیچھے چل پڑیں گے اور زبانِ اعتراض کھول دیں گے۔ میں نے اس سے پوچھا:]

کس وعدے کی بنا پر مصریوں کو ان کے شہر واپس بھیجوں؟

---

[1] انساب الاشراف: ج ۶، ص ۱۳۴؛ العقد الفرید: ج ۴، ص ۲۸۸۔

[اس نے کہا: تُو جو رائے بھی دے گا اور اصلاحِ امور کے لیے جو مشورہ دے گا، قبول کروں گا اور تیری چاہت کے خلاف عمل نہیں کروں گا۔ میں نے کہا:]

میں نے تجھ سے بارہا بات کی اور ہم ان میں کسی ایک نقطے پر متفق بھی ہوئے؛ لیکن ایک دوسرے سے جدا ہونے کے بعد تو نے کچھ اور ہی کہنا شروع کر دیا۔ ہم ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں لیکن بعد میں تیری بات بدل جاتی ہے۔ یہ سارا کیا دھرا مروان بن حکم، سعید بن عاص اور معاویہ کا ہے۔ تو ان کی باتوں میں آجاتا ہے، ان کی باتوں پر کان دھرتا ہے اور میری باتوں کے خلاف عمل کرتا ہے۔

[عثمان نے زبان دی کہ اس بار وہ میرے کہے پر عمل کرے گا اور اپنے مشاوروں کی باتوں میں نہیں آئے گا۔ ان باتوں کے بعد میں نے مصریوں سے بات کی اور انہیں مصر واپس لوٹ جانے پر آمادہ کر لیا۔ لیکن شہر مدینہ اب بھی حالتِ اضطراب میں تھا اور اسے پر سکون کرنے کے لیے کوئی اقدام کرنا لازم تھا۔ اس وجہ سے عثمان کو مشورہ دیا:]

لوگوں سے بات کر۔ ان سے براہ راست کلام کر تا کہ لوگوں کو موجودہ مسائل کی خبر ہو۔ خدا بھی تیرے دل سے آگاہ ہے اور تیرے حال کے بدلنے، تیرے پلٹنے اور تیری توبہ کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ چونکہ تمام شہروں کے افراد نے تیرے خلاف قیام کر دیا ہے، مجھے ڈر ہے کہ کوفے کے ناراض افراد کا ایک گروہ مدینہ نہ آجائے۔ اس کے بعد تُو مجھ سے ان سے بھی ملاقات کرنے کی درخواست کرے اور اپنے اور ان کے درمیان واسطہ بننے کا کہے اور میں تیری درخواست کا مثبت جواب نہ دے سکوں اور تو میری معذرت قبول نہ کرے۔ دوسری طرف بصرہ کے ناراض لوگ مدینہ پہنچ جائیں اور تو مجھے سے ان سے بھی بات کرنے کی درخواست کرے اور یہ کہ میں تیرے اور ان کے درمیان بھی واسطہ بنوں جبکہ مجھ میں ان سے بات کرنے کی سکت نہیں ہے، لہٰذا تو سوچ کہ میں نے تیرے بارے میں تیری قرابت کی رعایت نہیں کی اور تیرا حق پائمال کر دیا ہے۔

[عثمان مسجد میں آیا اور خطبہ دیا۔ اس نے اپنی غلطیوں کا اعتراف کیا اور اعلانیہ طور پر توبہ کی۔][1]

---

1. تاریخ طبری: ج ۳، ص ۳۹۳؛ انساب الاشراف: ج ۶، ص ۱۷۶ و ۱۷۹ و ۱۸۰۔

۞ مروان نے سارا کھیل بگاڑ دیا

[مسجد نبوی میں عثمان کی توبہ کے بعد، مروان نے اس کو ملامت کی اور اسے اپنے الفاظ واپس لینے پر مجبور کیا۔ اس نے عثمان کی طرف سے اعلان کیا کہ خلیفہ معترضین کے کسی بھی اعتراض پر کوئی تبدیلی نہیں دے گا۔

یہ خبر سننے کے بعد غُصّے کی حالت میں عثمان کے پاس پہنچا اور اس سے کہا:]

اے عثمان! مروان کی باتوں میں جتنا تو آگیا کیا وہ کافی نہیں ہے؟! ہاں! مروان تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑے گا جب تک وہ تجھے دین سے خارج اور تیری عقل کو زائل نہ کر دے گا۔ وہ تجھے اس اونٹ کی طرح جو کاروان میں دوسرے اونٹوں کے پیچھے بندھا ہوتا ہے، اپنی مرضی سے جہاں چاہے لے جانا چاہتا ہے۔ خدا کی قسم مروان نہ تو اپنے دین میں کوئی بصیرت رکھتا ہے اور نہ اپنے کام میں کسی سوچ سے کام لیتا ہے۔ خدا کی قسم میں صاف دیکھ رہا ہوں کہ وہ تجھے ہلاکت کی ایسی کھائی میں دھکیلے گا جس سے باہر نکلنے کا کوئی امکان نہیں ہو گا۔

اس کے بعد میں تیرے پاس نہیں آؤں گا اور مجھ سے تو کوئی ملامت بھی نہیں سنے گا۔ خدا کی قسم تو نے اپنے شرف و اعتبار کو کھو دیا ہے اور اپنے اختیارات کو گنوا بیٹھا ہے۔

[عثمان کے پاس سے واپس آنے کے بعد میں نے اپنے ایک دوست سے کہا:]

خدا کی پناہ! اے مسلمانوں! اگر گھر میں بیٹھتا ہوں تو کہتا ہے مجھے چھوڑ دیا ہے اور حق قرابت کا لحاظ نہیں کیا، اگر کچھ کہوں اور اس کی رہنمائی کروں تو فوراً مروان گھسا چلا آتا ہے اور اسے اپنے ہاتھ کا کھلونا بنا لیتا ہے اور جس طرف چاہتا ہے کھینچ کر لے جاتا ہے۔ جب کہ وہ ایک بڑی عمر کا شخص ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی رہا ہے۔

[دو راتوں بعد عثمان میرے پاس آیا اور زبان دی کہ اس بار اپنے وعدوں پر عمل کرے گا اور کسی بھی صورت میں ان کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ میں نے اس سے کہا:]

تو کیسے خلاف ورزی نہیں کرے گا جبکہ تُو نے وہ باتیں منبرِ رسول ﷺ پر کہی تھیں اور وعدے کیے تھے؟ لیکن جب تو گھر پہنچا، مروان باہر آیا اور مسلمانوں کی اہانت کی، انہیں ناسزا کہا اور یہی بات ان کی رنجش کا باعث بنی۔

عثمان میری باتوں سے ناخوش ہو کر واپس لوٹ گیا۔ وہ کہتا جاتا تھا: تو نے حقِ قرابت کی رعایت نہیں کی، میری حمایت کے لیے نہیں اٹھا، لوگوں کو بھی اکسایا اور انہیں میرے مقابل شہ دی۔

میں نے اس سے کہا: خدا کی قسم، میں نے لوگوں کو تجھ پر ہجوم کرنے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن جب بھی تجھے کسی راہ پر چڑھاتا تھا اور سوچتا تھا کہ تُو اسے مان گیا ہے، مروان ایک نیا راگ الاپنے آ جاتا تھا۔ تُو نے میری بات پر اس کے کہے کو ترجیح دی اور اپنے امور اُس کے سپرد کر دیے۔

عثمان نے کوئی جواب نہ دیا اور واپس گھر لوٹ گیا۔[1]

---

1. تاریخ طبری: ج۳، ص۳۹۷؛ انساب الاشراف: ج۶، ص۱۸۱؛ الجمل: ص۱۰۳.

۱۹۔ قتلِ عثمان کے اسباب

❁ عثمان پر سخت اعتراض

[گورنرِ مصر کو لکھا گیا عثمان کا خط مصریوں کے ہاتھ لگ گیا۔ خط پڑھ کر معلوم ہوا کہ اُس نے مصریوں سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف گورنرِ مصر کو حکم دیا کہ محمد بن ابی بکر اور اس کے ہمراہیوں کو قتل کر دے۔ مصریوں نے عثمان کے غلام کو جو یہ خط لے جا رہا تھا، پکڑ لیا اور اپنے ساتھ مدینہ لے آئے۔ میں نے طلحہ، زبیر، سعد، عمار اور کچھ دوسرے اصحاب کو پیغام بھیجا کہ سب مل کر عثمان کے پاس جائیں اور اس کے غلام کو بھی ساتھ لے کر چلیں۔ ہم سب اس کے پاس پہنچے اور کہا:]

یہ غلام تیرا ہے اور جس اونٹ پر سوار ہو کر یہ خط لے کے جا رہا ہے وہ بھی تیرا ہے، کیا تُو یہ قبول کرتا ہے؟

[عثمان نے تائید کی اور کہا یہ غلام اور جس اونٹ پر یہ سوار تھا میرے ہیں۔ میں نے اس سے کہا:]

پھر یہ خط بھی تُو نے ہی لکھا ہے؟

[عثمان نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ خط اس نے نہیں لکھا، نہ اس کام کا حکم دیا ہے، بلکہ اسے سرے سے اس بات کی خبر ہی نہیں۔ میں نے اس سے کہا:]

خط پر لگی مہر تیری ذاتی مہر ہے۔

[عثمان نے تائید کی کہ خط پر لگی مہر اس کی ذاتی مہر ہے۔ میں نے اس سے پوچھا:]

پس ہم کیسے قبول کریں کہ تیرے غلام کے پاس سے ایک خط نکلتا ہے جس پر تیری ذاتی مہر لگی ہوتی ہے لیکن تجھے اس کی کوئی خبر نہیں ہے؟

[عثمان نے دوبارہ قسم کھائی کہ اس نے کوئی خط نہیں لکھا اور اس ماجرے سے بے خبر ہے۔ یہ واقعہ

عثمان کی صداقت میں تردید کی اہم وجہ بنا اور حاضرین کا عثمان سے اعتماد اٹھ گیا۔][1]

بنو اُمیّہ کے الزام کا جواب

[مصریوں نے عثمان کے گرد محاصرے کا دائرہ تنگ کر دیا۔ ان کا زور اس بات پر تھا کہ عثمان خلافت چھوڑ دے۔ ان حوادث میں بنو اُمیّہ اصلی قصور وار مجھے سمجھتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا: یا علی! ان مشکلات کا پیدا کرنے والا اصل میں تُو ہے۔ تو سازشیں رچتا ہے اور لوگوں کو ہمارے خلاف بھڑکاتا ہے۔ میں نے ان کے جواب میں کہا:]

ارے او بے عقلو! تم خوب جانتے ہو، ان شورشوں اور اعتراضات میں مجھے کوئی فائدہ نہیں ملنے والا نہ کوئی منافع حاصل ہونے کو ہے۔ تم جانتے ہو، میں نے مصریوں کو عثمان سے راضی ہونے اور اپنے شہر لوٹ جانے کے لیے راضی کیا تھا۔ مسلسل امور کی اصلاح اور عثمان کی مشکلات حل کرنے کی کوشش کرتا رہا؛ لیکن جب اس نے خود ہی دوسری راہ اپنالی تو میں کیا کر سکتا ہوں؟!

خدایا تُو گواہ رہنا، یہ گروہ جو چیز میرے سر تھوپ رہا ہے میں اس سے مبرّیٰ ہوں۔ اگر عثمان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آتا ہے، تو میں اس کے خون سے بری ہوں۔[2]

عثمان کا حد درجہ دفاع

[عثمان معترضین اور ناراض افراد کے محاصرے میں تھا۔ اس کا سوچنا تھا چونکہ میں مدینے میں ہوں اس لیے لوگ میری خلافت کے نعرے لگا رہے ہیں۔ اسی وجہ سے عبد اللہ بن عباس کے ذریعے مجھے پیغام بھیجوایا کہ میں مدینے سے باہر «ینبع» کے علاقے میں موجود اپنے باغ میں چلا جاؤں۔ میں نے ابنِ عباس سے کہا:]

ابنِ عباس! عثمان مجھے آوارہ اور سرگرداں رکھنا چاہتا ہے۔ کبھی باہر جاؤں کبھی لوٹ آؤں۔ ایک دن پیغام بھیجتا ہے مدینہ سے باہر چلا جاؤں، اگلے دن کہتا ہے لوٹ آؤں۔ اب تجھے بھیج دیا ہے تاکہ شہر

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ: ج۱، ص۵۹؛ انساب الاشراف: ج۶، ص۱۸۴؛ العقد الفرید: ج۴، ص۲۸۹؛ امالی طوسی: مجلس ۳، ح۱، ص۷۱۲۔

[2] انساب الاشراف: ج۶، ص۱۸۲۔

سے باہر چلا جاؤں۔ خدا کی قسم میں نے عثمان کا اس قدر دفاع کیا ہے کہ ڈرتا ہوں اس کے دفاع کی وجہ سے گناہگار نہ ہوں جاؤں۔[1]

سعد بن ابی وقاص سے گفتگو

[میں مسجد نبوی میں منبر اور قبر رسول ﷺ کے درمیان بیٹھا تھا۔ سعد بن ابی وقاص آیا اور مجھ سے عثمان کی مدد کرنے اور اس کی جان بچانے کے لیے کوئی تدبیر کرنے کا مطالبہ کیا۔ میں نے اس سے کہا:]

اے ابا اسحاق! خدا کی قسم معترضین کے سامنے میں نے عثمان کا اس قدر دفاع کیا ہے کہ اب اس بارے میں کچھ کہنے سے شرم آتی ہے۔ جو کچھ تو آج دیکھ رہا ہے یہ سب مروان، معاویہ، عبداللہ بن عامر اور سعید بن عاص کا کیا دھرا ہے۔ میں نے جب بھی عثمان کو جا کر نصیحت کی کہ ان افراد کو اپنے ارگرد سے ہٹا اور ان پر اعتماد نہ کر، اس نے مجھے ہی اپنا بدخواہ سمجھا اور یہ سوچ لیا کہ میں اس کے خلاف سازش رچ رہا ہوں۔ اور بات یہاں تک پہنچ گئی جو تو دیکھ رہا ہے۔[2]

عثمان تک پانی پہنچانے کی کوشش

[طلحہ نے عثمان پر پانی بند کر دیا۔ میں نے اسے پیغام بھجوایا:]

اس مرد پر پانی بند مت کر اور اسے اپنے کنویں سے پانی بھرنے دے۔ ایسا کچھ نہ کر کہ وہ پیاس سے مر جائے۔

[طلحہ نے میرے پیغام پر کوئی توجہ نہ دی۔ میں بھی پانی نہیں لے جا سکتا تھا؛ کیونکہ:]

میرے اور عثمان کے درمیان ہونے والی ملاقاتوں میں سے ایک میں، مَیں نے قسم کھائی تھی کہ اگر اس نے میری بات نہیں سنی پھر میں اس پر ہونے والے کسی اعتراض کو برطرف کرنے میں دخل نہیں دوں گا۔ اگر یہ قسم نہ کھائی ہوتی، تو خود جا کر اسے پانی پہنچا آتا۔[3]

---

[1] نہج البلاغہ: خطبہ ۲۴۰؛ العقد الفرید؛ ج۴، ص ۳۰۹.

[2] تاریخ طبری: ج۳، ص ۴۱۰.

[3] انساب الاشراف: ج۶، ص ۲۱۱.

حسنؑ و حسینؑ کو عثمان کی حفاظت کا حکم دیا

[خبر ملی کہ لوگ عثمان کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے حسنؑ و حسینؑ کو حکم دیا:]
اپنی تلواریں اٹھاؤ اور عثمان کے گھر کے آگے کھڑے ہو جاؤ اور کسی کو اسے قتل کرنے کے لیے
گھر میں گھسنے نہ دینا۔[1]

[illegible] السیاسۃ: ج۱، ص۵۹؛ انساب الاشراف: ج۶، ص۱۸۵؛ العقد الفرید: ج۴، ص۲۹۰.

[illegible] عرض کرتا ہے: کیا واقعاً امامانِ حسنین علیہما السلام نے عثمان کا دفاع کیا تھا؟
[illegible] کی اگر عقلی تحلیل کی جائے تو دو ہی صورتیں بنتی ہیں:
[illegible] ایک مظلوم شخصیت تھی اور اس کے اوپر ہونے والا حملہ غلط تھا، اس صورت میں خود امیر المؤمنین
[illegible] بھی واجب تھا کہ آپ دفاع کا حق ادا کرتے؛
[illegible] ایک ظالم شخص تھا اور اپنے ظلم کی وجہ سے مستحقِ عتاب تھا تو اس صورت میں دفاع کرنے کے کیا معنی
[illegible] جب اکابر اصحابِ رسول ﷺ اور امیر المؤمنین ؑ کے چاہنے والے بھی اس تحریک میں شامل
[illegible] میں رہے ہم نے لفظ مستحقِ عتاب (سزا) کا کلمہ استعمال کیا ہے کیونکہ عثمان نے حضرت عمار بن یاسر
[illegible] حضرت ابو ذر ؓ کو جلاوطن کیا اور یہی بات ان کی غریب الوطنی میں وفات کا سبب بنی، اپنے
[illegible] داروں کو اعلیٰ حکومتی عہدوں پر فائز کیا جو انسانوں پر ظلم کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتے تھے وغیرہ؛
[illegible] حال میں شرعاً یہ ظالم مستحقِ عتاب تھا لیکن ہاں اس کا اس طرح قتل ہونا ایک ایسا مسئلہ ہے جس پر فی
[illegible] کا باعث ہوگا)
[illegible] کا تجزیہ کیا جائے تو خود امیر المؤمنین ؑ نے جابجا عثمان کو نصیحت کی تھی کہ وہ اپنی حرکات
[illegible] لیکن عثمان اپنی حرکتوں سے قطعاً باز نہیں آیا۔ اور کبھی مگرمچھ کے آنسو روتا لیکن پھر بھی اپنی
[illegible] رہتا۔ چونکہ اس کا مشیر خاص اس کا داماد طرید رسول ﷺ مروان بن حکم ملعون تھا جو اس کو غلط
[illegible] جابجا تشویق دلاتا رہتا تھا، خود امیر المومنین ؑ کی نصیحتیں سنتے سنتے عثمان تنگ آچکا تھا اسی
[illegible] مصادر کے تحت خود عثمان نے چاہا کہ امیر المؤمنین ؑ سے گلو خلاصی کی جائے۔ چنانچہ ابن
[illegible]

[illegible] الناس إليه أمر عثمان، أرسل ابنه الحسن إليه، فلما أكثر عليه قال له: إن أباك يرى
[illegible] ما يغام، ونحن أعلم بما نفعل، فكف عنا! فلم يبعث على ابنه في شيء بعد ذلك؛

جب بھی لوگوں کو شکایت ہوتی تو امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام کو عثمان کے پاس ان امور کی تحلیل کے لیے بھیجتے چنانچہ جب بہت زیادہ عثمان کے ہاں آنا جانا ہوا تو عثمان نے کہا تمہارے والد سمجھتے ہیں کہ جو وہ جانتے ہے وہ کوئی دوسرا نہیں جانتا!! (ایسا نہیں بلکہ) ہم سب سے زیادہ سمجھ رکھتے ہیں جو ہم کام کر رہے ہیں پس ہمیں اکیلا چھوڑ دو! چنانچہ امیر المؤمنین علیہ السلام نے اس کے بعد امام حسن علیہ السلام کو کسی کام سے عثمان کے پاس نہ بھیجا۔ (العقد الفرید جلد ۵ ص ۵۸-۵۹ طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

واضح رہے کہ عثمان امیر المؤمنین علیہ السلام کی نصائح سے بہت تنگ آگیا تھا۔ ایک اور روایت پیش خدمت ہے جس میں عثمان کی جا بیجا بیوقوفیوں بلکہ گناہوں کے سبب امیر المؤمنین علیہ السلام نے عثمان سے کاملاً قطع تعلق کر لیا۔ موسیٰ ابن شبہ روایت نقل کرتا ہے:

حدثنا عمرو بن الحباب قال، حدثنا عبد الملك بن هارون ابن عنترة، عن أبيه، عن جده قال: لما كان من أمر عثمان رضي الله عنه ما كان، قدم قوم من مصر معهم صحيفة صغيرة الطي، فأتوا عليا رضي الله عنه فقالوا: إن هذا الرجل قد غير وبدل، ولم يسر مسيرة صاحبيه، وكتب هذا الكتاب إلى عامله بمصر: أن خذ مال فلان، واقتل فلانا، وسير فلانا، فأخذ على الصحيفة فأدخلها على عثمان فقال: أتعرف هذا الكتاب فقال: إني لاعرف الخاتم، فقال: اكسرها فكسرها. فلما قرأها قال: لعن الله من كتبه ومن أملاه. فقال له علي رضي الله عنه: أتتهم أحدا من أهل بيتك قال: نعم. قال: من تتهم قال: أنت أول من أتهم قال: فغضب علي رضي الله عنه فقام وقال: والله لا أعينك ولا أعين عليك حتى التقي أنا وأنت عند رب العالمين.

عبد الملک ابن ہارون نے اپنے والد اور اس نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ جب عثمان کے لیے وہ حوادث پیش آئے تو مصر سے چند لوگ اپنے ساتھ ایک خط لے کر مدینہ آئے۔ مدینہ آکر وہ علی علیہ السلام کے پاس گئے اور کہا اس مرد (عثمان) نے (سنّت پیغمبر کو) تبدیل کر دیا ہے اور اپنے دونوں دوستوں (ابو بکر و عمر) کے راستے سے ہٹ گیا ہے، اس نے یہ خط مصر میں اپنے والی کو لکھا ہے کہ فلاں سے اسکا مال لے لو، فلاں کو قتل کر دو اور فلاں کو مصر سے جلاوطن کر دو وغیرہ وغیرہ۔ علی علیہ السلام وہ خط لے کر عثمان کے پاس گئے اور اس سے کہا: تمہیں اس خط کے بارے میں کچھ پتا ہے؟ عثمان نے کہا مجھے اسکی مہر کے بارے میں پتا ہے، پھر کہا اس خط کو کھولو، جب کھول کر اسے پڑھا گیا تو اس نے کہا: خداوند کی لعنت ہو اس پر جس نے یہ لکھا ہے اور جس نے اسے لکھوایا ہے۔ پس علی علیہ السلام نے اس سے کہا: کیا تمہیں اپنے خاندان کے کسی شخص پر شک ہے؟ اس نے کہا: ہاں، علی علیہ السلام نے پوچھا

وہ کون ہے؟ عثمان نے کہا: وہ تم ہو! راوی کہتا ہے: علی علیہ السلام غصے کی حالت میں کھڑے ہو گئے اور کہا: خدا کی قسم میں تمہاری نہ کوئی مدد کروں گا اور نہ تمہارے خلاف کوئی کام کروں گا، یہاں تک کہ میری اور تمہاری خدا کی بارگاہ میں ملاقات ہو جائے۔ (تاریخ مدینہ منورہ جلد ۴ ص ۱۱۵۵ طبع دار الفکر)

یہاں واضح طور پر دیکھا جاسکتا کہ عثمان تو خود امیر المؤمنین علیہ السلام پر الزام لگا رہا ہے اور اس کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام اس الزام کو سن کر بہت غضبناک ہوتے ہیں اور ہمیشہ کی فرقت کا کہتے ہیں پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہی امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے بچوں کو اس ظالم کے دفاع کے لیے بھیجیں۔

[illegible] میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ایک افسانہ ہی ہے کیونکہ اول تو یہ شیعی روایات میں نہیں [illegible] اہل سنت کے ہاں آیا بھی ہے تو دیگر نصوص سے تعارض رکھتا ہے۔

[illegible] دوسری بات یہ ہے کہ بعض اہلسنّت روایات کی روشنی میں (جو ہمارے معتقدات کے مطابق غیر [illegible] حکم کے طور پر نقل کی جاتی ہیں) جب امیر المؤمنین علیہ السلام نے امام حسن علیہ السلام کو بھیجا تو [illegible] بھیج دیا تھا۔

[illegible] مرنی بأمرك فإني طوع يديك فمرني بما شئت فقال له عثمان ابن أخ ارجع فاجلس في [illegible] فلا حاجة لنا في إهراق الدماء.

[illegible] فرماتے ہے کہ اے امیر المؤمنین! میں آپ کے حکم کا تابع ہوں جو چاہے حکم کیجئے، تو عثمان نے [illegible] میرے بھتیجے آپ واپس جائیں اور گھر میں رہیں یہاں تک کہ خدا واقعہ کا اظہار کرے، چنانچہ ابھی ہمیں [illegible] بہانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ (تاریخ دمشق جلد ۳۹ ص ۳۹۰-۳۹۱ طبع دار الفکر)

اس روایت میں واضح ثبوت موجود ہے کہ اگر بفرض مان بھی لیں کہ امام حسن علیہ السلام عثمان کی خدمت کے لیے گئے تو عثمان کا واپس بھیج دینا بہترین دلیل ہے کہ یہ دفاع کرنے والی بات افسانہ سے زیادہ نہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ جن روایات میں دفاع کا تذکرہ ہے ان ہی میں یہ بھی مرقوم ہے کہ قتل عثمان کے بعد امیر المؤمنین علیہ السلام امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام دونوں پر بہت ناراض ہوئے اور نعوذ باللہ گالیاں دیں،

[illegible] روایت یوں ہے: وقال علي لابنيه: كيف قتل أمير المؤمنين وأنتما على الباب ورفع يده فلطم الحسن وضرب صدر الحسين وشتم محمد بن طلحة، ولعن عبد الله بن الزبير.

امیر المؤمنین علیہ السلام نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ امیر المؤمنین (عثمان) کس طرح قتل کر دیے گئے جب کہ تم دونوں دروازے پر نگہبان تھے، پس امیر المؤمنین علیہ السلام نے ہاتھوں اٹھایا اور امام حسن علیہ السلام کو مارا اور امام

قتلِ عثمان سے اظہارِ برائت

[جب عثمان کے قتل کی خبر سنی تو کہا:]

اپنے دوستوں کے ساتھ دوستی میں افراط سے کام مت لو، شاید ایک دن یہ دوستی دشمنی میں تبدیل

حسین علیہ السلام کے سینے پر مارا، طلحہ کے بیٹے محمد کو گالیاں دیں، زبیر کے بیٹے عبداللہ پر لعنت کی. (انساب الاشراف جلد ۵ ص ۵۵۹ طبع دار الفکر بیروت)

کیا امیر المؤمنین علیہ السلام سے ایسے روّیہ کی توقع بھی کی جاسکتی ہے کہ وہ اس قدر غضبناک ہوں کہ گالیوں اور مار پیٹ سے بھی احتزار نہ کریں جب کہ امام حسن علیہ السلام اور امام حُسین علیہ السلام عصمت کے حامل ہیں جن سے غلطی ممکن نہیں اور خود امیر المؤمنین علیہ السلام صاحبِ عصمت ہیں۔ تو بھلا ایک معصوم کس طرح ایسے بے جا حملہ کرسکتاہے۔ یہیں سے اس مضمون کی روایت کا واضح البطلان ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔

اب ہم اپنی بحث کا اختتام بعض علمائے شیعہ کے اقوال سے کریں گے جنہوں نے اس بات کا انکار کیا ہے۔

۱۔ علامہ سید مرتضیٰ علم الهدی رحمہ اللہ جو بزرگ شیعہ فقیہ و متکلم تھے انہوں نے اپنی کتاب الشافی جلد ۴ ص ۲۴۲ طبع مؤسسۃ الصادق میں اس واقعہ کے بعید ہونے کا اشارہ دیا ہے۔

۲۔ محقق و مدقق علامہ باقر القرشی رحمہ اللہ جنہوں نے اہل بیت علیہم السلام کی سیرت پر متعدد مجلدات لکھیں ہیں وہ امام حسن علیہ السلام کے تذکرہ میں اس واقعہ کے بارے میں کہتے ہیں:

اس بات (امام حسن علیہ السلام کا عثمان کا دفاع کرنا) کا بنو اُمیہ کی جانب سے من گھڑت ہونے میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان ہی کی کذب بیانی میں سے ہے، (اس کی وجہ یہ ہے کہ) امام حسن علیہ السلام دیگر نیک مہاجرین اور انصار کی طرح عثمان کو معزول کرنا چاہتے تھے بلکہ عثمان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے والوں میں سے تھے۔۔۔ الخ

(موسوعۃ سیرۃ اهل البیت علیہم السلام جلد ۱۰ ص ۳۲۱ طبع دار المعروف)

۳۔ محقق دوران علامہ سید جعفر مرتضیٰ عاملی رحمہ اللہ نے اس قضیہ پر کافی عمیق تحقیق کی ہے اور تمام جہات سے جائزہ لیا ہے اور اس بات کو کافی وجوہات کے تحت غلط کہا ہے۔ ان کی پوری بحث کے لیے رجوع کیجیے الصحیح من سیرۃ الامام علیؑ جلد ۱۸ ص ۳۰۰-۳۲۲)

چنانچہ ان عقلی و نقلی دلائل اور کلمات علمائے شیعہ کی روشنی میں ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ یہ ایک کذب بیانی ہی ہے اور بالفرض اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو کہا جائے گا کہ عثمان نے خود امام حسن علیہ السلام کو واپس بھیج دیا تھا۔

سکتا۔ دوسرے مسلمانوں اور مہاجرین کی طرح میں بھی اپنے گھر میں بیٹھا رہا نیز میں اس قتل میں کوئی دخل نہیں رکھتا۔[1]

1 کشف المحجۃ: ص ۲۴۹؛ المسترشد: ص ۴۱۸۔

فصل چہارم:

زمانۂ خلافت

۱۔ خلافت قبول کرنے سے انکار۔
۲۔ لوگوں کا بیعت کرنے کے لیے شوق و اضطراب۔
۳۔ خلافت قبول کرنے کی شرائط۔
۴۔ آزادانہ ماحول میں بے مثال بیعت۔
۵۔ خلافت قبول کرنے کے محرکات۔
۶۔ طلحہ و زبیر کی بیعت۔
۷۔ بیعت توڑنے والوں سے سلوک۔
۸۔ اوائلِ خلافت کے خطبات۔
۹۔ خواص کی ناخشودی اور ناراضگی کا آغاز۔

۱۔ خلافت قبول کرنے سے انکار

❁ خدا جانتا ہے مجھے خلافت سے کوئی لگاؤ نہیں

[قتلِ عثمان کے بعد فقط میرا نام خلافت کے لیے پیش کیا گیا، لیکن]

خدا جانتا ہے مجھے [اپنی ذاتی تمایلات] کی وجہ سے اُمّتِ محمدیہ ﷺ پر خلافت و حکومت کرنے سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ کیونکہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا تھا کہ آپ نے فرمایا: «میرے بعد جو حاکم بھی میری اُمّت کی ذمہ داری اپنے سر لے گا، روزِ قیامت اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیئے جائیں گے اور اسے لوگوں کے سامنے حساب کے لیے لایا جائے گا۔ اس کے بعد اس کا نامۂ اعمال کھولا جائے گا۔ اگر اس نے عدالت کے ساتھ حکومت کی ہوگی، نجات پا جائے گا لیکن اگر ظلم و ستم روا رکھا ہوگا، ہلاک ہو جائے گا۔» [1]

❁ تاریک افق اور سامنے دکھائی دینے والے فتنے

[لوگوں نے خلافت قبول کرنے کی درخواست کی، اس وقت میں نے ان سے کہا:]

مجھے چھوڑ دو اور جاؤ کسی اور کو تلاش کرلو۔ ہمارے سامنے وہ معاملہ ہے جس کے بہت سے رنگ اور رخ ہیں جن کی نہ دلوں میں تاب ہے اور نہ عقلیں انہیں برداشت کر سکتی ہیں۔ دیکھو افق کس قدر ابر آلود ہے اور راستے کس قدر انجانے ہو گئے ہیں۔ یاد رکھو کہ اگر میں نے بیعت کی دعوت قبول کی تو تمہیں اپنے علم ہی کے راستے پر چلاؤں گا اور کسی کی کوئی بات یا سرزنش نہیں سنوں گا لیکن اگر تم نے مجھے چھوڑ دیا تو تمہاری ہی ایک فرد کی طرح زندگی گزار دوں گا بلکہ شاید تم سب سے زیادہ اپنے حاکم کے احکام کا خیال رکھو۔ میں تمہارے لیے وزیر کی حیثیت سے امیر کی بہ نسبت زیادہ بہتر رہوں

---

[1] شرح نہج البلاغۃ: ج۱، ص ۳۰۹؛ الجمل: ص ۲۶۷؛ امالی طوسی: مجلس ۴۴، ح ۵، ص ۷۲۸۔

گا۔[1]

۞ مجھے امیر بننے کی ضرورت نہیں

[لوگوں کا اصرار بڑھ گیا تھا۔ طلحہ، زبیر، مہاجرین اور انصار میرے پاس آئے اور خلافت قبول کرنے کی درخواست کی۔ میں نے ان سے کہا:]

مجھے امارت کی کوئی ضرورت (اور خواہش) نہیں۔ تم دیکھو کہ لوگ اس کام کے لیے کسے منتخب کرتے ہیں، میں بھی تمہاری ہمراہی کروں گا۔[2]

تم مجھے امیر بنانے کے درپے نہ ہو۔ میں ان حالات میں تمہارا وزیر رہوں گا، بہتر ہے تم خود امیر بنو۔ مجھے تمہاری کوئی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ تم جسے بھی خلافت کے لیے پسند کروگے، میں بھی اس سے راضی ہو جاؤں گا۔ تم اس شخص کے سراغ میں نکلو جو تمہارے مدِ نظر ہے۔[3]

۞ لوگوں کا اصرار حد سے بڑھ گیا

[میرے منفی جواب کے باوجود لوگ اصرار کیے جاتے تھے اور اگر تمہیں یاد ہو:]

تم لوگ مجھ سے کہتے تھے ہماری بیعت قبول کیجیے اور میں کہے جاتا تھا مجھے قبول نہیں ہے۔ تم کہتے تھے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں لیکن میں نہ مانا۔ میں نے اپنی مُٹھّی بند کی ہوئی تھی اور تم اسے کھولے جاتے تھے۔ میں اپنا ہاتھ پیچھے کرتا تھا اور تم اصرار کے ساتھ میرا ہاتھ پکڑ پکڑ کر کہتے تھے: ہم آپ کے علاوہ کسی دوسرے (کی بیعت) پر راضی نہیں ہوں گے۔ آپ کے علاوہ ہمارا کسی دوسرے پر اجماع اور اتفاقِ نظر نہیں۔ تم نے بیعت کے لیے ایسے ہجوم لگا رکھا تھا جیسے پیاسے اونٹ پانی پر پہنچتے ہیں اور

---

[1] نہج البلاغہ: خطبہ ۹۲؛ الجمل: ص ۱۲۹؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۴۵۶؛ الکامل: ج ۲، ص ۳۰۴؛ شرحِ نہج البلاغہ ج ۱۱، ص ۹.

[2] المناقب خوارزمی: ص ۱۷۸، رقم ۲۱۶؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۴۵۰.

[3] تذکرۃ الخواص: ص ۵۷؛ انساب الاشراف: ج ۲، ص ۲۰۹؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۴۵۰؛ الکامل: ج ۲، ص ۳۰۲؛ الفصول المھمۃ: ص ۶۳.

ایک دوسرے کو دھکیلتے اور دھکے دیتے ہیں تاکہ دوسرے سے پہلے پانی پییں۔[1]

بیعت قبول نہ کرنا لوگوں کو آزمانے کے لیے تھا

[میں نے خلافت قبول نہ کرنے کی ایک وجہ یوں بیان کی:]

تم اپنی رغبت اور میل سے میری خلافت قبول کرنے کی خاطر میرے پاس آتے تھے۔ تم مجھے بیعت کے لیے میرے گھر سے باہر نکال لائے۔ میں نے تم سے بیعت لینے سے پرہیز کیا تاکہ تمہاری سنجیدگی آزماسکوں۔ پس تم اصرار پر اصرار کرتے تھے اور میں منع کیے جاتا تھا۔ یہاں تک کہ تم لوگ ان اونٹوں کی طرح میری بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑے جو پانی پینے کے لیے تالاب پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔[2]

لوگوں کی نگاہ میں مَیں تنہا اُمیدوار تھا

[لوگ میرے انکار کے مقابل ایک ہی بات کی رٹ لگائے ہوئے تھے۔ ان کا کہنا تھا:]

خلافت کے لیے آپ کے سوا ہمارے پاس کوئی دوسرا شخص موجود نہیں، نہ ہم آپ کے علاوہ کسی دوسرے کی خلافت پر راضی ہوں گے؛ لہٰذا ہماری بیعت قبول کیجیے تاکہ ہم تفرقے میں نہ پڑیں اور اختلاف ہمارے دامن گیر نہ ہو۔[3]

یقیناً اُمت آپ کے علاوہ کسی دوسرے پر راضی نہ ہو گی۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر آپ نے خلافت قبول نہ کی، لوگ تفرقے کا شکار ہو جائیں گے۔[4]

[میں نے خلفائے ثلاثہ کو اپنے باطنی لگاؤ اور معیارات کے برخلاف برداشت کیا تھا تاکہ اُمت میں تفرقہ نہ پڑے۔ اس بار دیکھا کہ اگر میں نے خلافت قبول نہ کی تو یہ امر لوگوں میں تفرقے اور اُمتِ اسلامی کی وحدت کو سبوتاژ کرنے کا سبب بنے گا۔]

---

1. الارشاد: ج ۱، ص ۲۴۴؛ الجمل: ص ۲۶۷؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۶۱.
2. الارشاد: ج ۱، ص ۲۶۰؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۷۲.
3. الامامۃ والسیاسۃ: ص ۱۷۶؛ الغارات: ج ۱، ص ۲۰۳؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۶، ص ۹۶؛ کشف المحجۃ: ص ۲۵۱.
4. وقعۃ صفین: ص ۲۰۱؛ تاریخ طبری: ج ۴، ص ۴؛ الکامل: ج ۲، ص ۳۶۹؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۴، ص ۲۳.

۲۔ لوگوں کا بیعت کرنے کے لیے شوق و اضطراب

۞ ہر طرف سے "بیعت بیعت" کے نعرے لگنے لگے

تم لوگ "کل" "بیعت بیعت کا شور مچاتے ہوئے میری طرف اس طرح آئے تھے جس طرح تازہ بچہ جننے والی اونٹنی اپنے بچوں کی طرف دوڑتی ہے۔ میں نے اپنی مُٹھی بند کر رکھی تھی مگر تم نے اسے کھول دیا۔ میں نے اپنا ہاتھ روک رکھا تھا مگر تم نے اسے کھینچ لیا۔[1]

۞ لوگوں کا بیعت کے لیے شدید اژدحام

تم اس طرح مجھ پر ٹوٹ پڑے جس طرح پانی پینے کے لیے پیاسے اونٹ تالاب پر گر پڑتے ہیں۔ اتنا ہجوم تھا کہ اس کے نتیجے میں میرے مارے جانے کا خدشہ لاحق ہو گیا۔ یا تم میں سے ہی کچھ افراد کے ایک دوسرے کو پیروں تلے کچل دینے کا ڈر ہونے لگا۔ یہاں تک کہ میرے جوتے کا تسمہ کٹ گیا اور عبا کاندھے سے گر گئی اور کمزور افراد کچلے گئے۔

تمہاری خوشی کا یہ عالم تھا کہ بچوں کو کندھوں پر بٹھا رکھا تھا تاکہ وہ بیعت کے مناظر دیکھ سکیں۔ بوڑھے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے بیعت کے لیے آگے بڑھے چلے آتے تھے۔ ناتواں افراد کو کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھے، کھڑے کھڑے پیر تھک گئے تھے۔ اس وقت تم نے کہا: ابو بکر و عمر کی طرح ہم سے بیعت لیجیے۔ ہمارے پاس آپ کے سوا اور کوئی نہیں اور آپ کے علاوہ کسی دوسرے پر ہم راضی بھی نہیں ہوں گے۔ ہماری بیعت قبول کیجیے تاکہ ہم تتر بتر نہ ہوں، ہم میں اختلاف جڑ نہ پکڑے۔ میں نے اس طرح تم سے کتابِ خدا اور سُنّت رسول ﷺ کی شرط پر بیعت لی تھی۔[2]

---

[1] نہج البلاغہ: خطبہ ۱۳۷۔

[2] کشف المحجۃ: ص ۲۵۱؛ نہج البلاغہ: خطبہ ۲۲۹۔

درمیان مہاجرین وانصار نیز تابعین بھی ہیں، کمالِ رغبت کے ساتھ میری بیعت کے لیے آئے تھے اور میں نے بھی تم سے عہد لیا تھا۔ میں نے تم سے انبیائے الٰہی کے سخت ترین پیمان اور عہد لیے تھے کہ تم میرے وفادار رہو گے، میرے ہمراہ سرکشوں سے جنگ لڑو گے نیز حد سے بڑھ جانے والوں اور دین اسلام سے خارج ہو جانے والوں سے برسرِ پیکار رہو گے۔

تم لوگوں نے میری بیعت ان تمام شرائط کے ساتھ قبول کی تھی۔ میں نے بھی تمہارے ساتھ عہد ومیثاقِ الٰہی کو تازہ کیا تھا اور تمہیں خدا اور رسول ﷺ کے وعدے میں باندھا تھا۔ تم نے بھی میری بات قبول کی تھی اور میں نے تم پر خدا کو نیز تم میں سے بعض افراد کو خود تم پر گواہ بنایا تھا۔[1]

[1] الارشاد: ج ۱، ص ۲۶۱؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۷۲۔

۴۔ آزادانہ ماحول میں بے مثال بیعت

سب نے اختیار اور آزادی کے ساتھ بیعت کی

میں نے اپنا ہاتھ کھولا اور تم سب نے اپنے اختیار سے میری بیعت کی۔ سب سے پہلے جنہوں نے میری بیعت کی وہ طلحہ وزبیر تھے۔ جنہوں نے بغیر کسی جبر کے مکمل اختیار اور آزادی کے ساتھ میری بیعت کی تھی۔[1]

جو میری بیعت نہیں کرنا چاہتا تھا، میں نے اسے مجبور نہیں کیا۔ حتیٰ اگر طلحہ وزبیر بھی میری بیعت کے لیے راضی نہ ہوتے، انہیں بھی مجبور نہ کرتا۔ ویسے ہی جیسے دوسرے کسی شخص کو اپنی بیعت کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا تھا۔[2]

کیا کوئی بیعت سے ناخوش ہے؟

[بیعت ہو جانے کے بعد عمار اور ابن عباس کو حکم دیا:]

اٹھو! اور لوگوں کی صفوں کے درمیان جاؤ اور ان سے پوچھو: کیا کوئی اس بیعت سے ناخوش ہے؟

[انہوں نے لوگوں کے درمیان چکّر لگایا اور سب سے ان کی رائے پوچھی۔ ہر طرف سے لوگوں کا شور سنائی دیتا تھا۔ وہ کہتے جاتے تھے: خدایا! ہم سب اس بیعت پر راضی ہیں، اس پر تسلیم ہیں اور تیرے رسول ﷺ اور ان کے چچازاد بھائی کی اطاعت کریں گے۔][3]

میں خوش نہیں تھا

تم نے میری بیعت کی لی تھی لیکن میں خوش نہیں تھا۔ نہ میں خوشحال اور شادمان ہوا۔[4]

---

[1] الارشاد: ج۱، ص ۲۴۵؛ الاحتجاج: ج۱، ص ۱۶۱.

[2] شرح نہج البلاغہ: ج۶، ص ۷۹؛ الغارات: ج۱، ص ۲۰۳.

[3] المناقب: ج۲، ص ۲۵۹

[4] شرح نہج البلاغہ: ج۱، ص ۳۰۹؛ الجمل: ص ۲۶۷؛ امالی طوسی: مجلس ۴۴، ح ۵، ص ۷۲۸.

۵۔ خلافت قبول کرنے کے محرکات

❁ خدایا تُو جانتا ہے میں نے قدرت طلبی کی خاطر خلافت قبول نہیں کی

خدایا تُو جانتا ہے میں نے حکومت کے بارے میں جو اقدام کیا، اس میں نہ سلطنت کی لالچ تھی اور نہ مالِ دنیا کی تلاش۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ

دین کے آثار کو ان کی منزل تک پہنچاؤں؛

تیرے شہروں کی اصلاح کروں؛

تاکہ تیرے مظلوم بندے محفوظ ہو جائیں؛

اور تیری معطل و فراموش شدہ حدود قائم ہوں۔[1]

❁ حجت تمام ہو چکی تھی

اُس خدا کی قسم جس نے دانہ شگافتہ اور خلق کو پیدا کیا! اگر بیعت کرنے والوں کا ہجوم نہ ہوتا، مدد کرنے والی کے وجود سے مجھ پر حُجّت تمام نہ ہوتی اور اگر خدا نے علماء سے ظالموں کی شکم پُری اور مظلوموں کی بھوک کے سامنے سکوت نہ کرنے کا عہد نہ لیا ہوتا، تو میں شُترِ خلافت کی مہار اس کے کوہان پر ڈال دیتا، اسے آزاد چھوڑ دیتا اور آخری بندے کو بھی اسی پیمانے سے سیراب کرتا جس سے مسندِ خلافت پر آنے والے پہلے بندے کو سیراب کیا تھا، اور ماضی کی طرح کنارہ کشی اختیار کر لیتا۔ اس وقت تم دیکھتے کہ میرے نزدیک تمہاری دنیا ایک بکری کی ناک سے نکلنے والی رطوبت کی طرح بے ارزش ہے۔[2]

---

[1] نہج البلاغہ: خطبہ ۱۳۱؛ تذکرۃ الخواص: ص ۱۲۰۔

[2] نہج البلاغہ: خطبہ ۳؛ علل الشرائع: ج ۱، ص ۱۵۱؛ معانی الاخبار: ص ۳۶۰؛ الارشاد: ج ۱، ص ۲۸۷؛ الفصول المختارۃ: ص ۲۲۸؛ امالی طوسی: مجلس ۱۳، ص ۳۷۲، ح ۵۴؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۹۲؛ مناقبِ آلِ ابی طالبؑ: ج ۲، ص ۲۰۵؛ تذکرۃ الخواص: ص ۱۲۵؛ الطرائف: ج ۲، ص ۴۱۷ و ۴۲۱۔

عدل قائم کرنے والا کوئی دوسرا نہیں تھا

خدا جانتا ہے میرے پاس حکومت قبول کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ اگر مجھے اپنے سے بہتر کسی ایسے شخص کی خبر ہوتی جو یہ ذمہ داری اٹھا سکتا، میں خلافت کے سلسلے میں لوگوں کی درخواست کبھی قبول نہ کرتا۔[1]

جب میں نے بیعت قبول کرنے پر تمہارا اصرار دیکھا، اپنے اور تمہارے کام پر سوچ وبچار سے کام لیا اور خود سے کہا: اگر آج میں نے تمہاری خلافت قبول نہ کی اور تمہاری درخواست کو رد کر دیا، تمہیں کوئی ایسا نہیں ملے گا جو میری جگہ پُر کر سکے اور میری طرح عدالت کا معاملہ کرے۔ اسی وجہ سے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ کھولا اور تم مسلمانوں نے میری بیعت کی۔[2]

میں لوگوں کو خدا کے لیے چاہتا تھا

[لوگوں کو بتایا کہ:]

میرے ہاتھوں پر تمہاری بیعت کوئی ناگہانی حادثہ نہیں ہے۔ اور میرا اور تمہارا معاملہ ایک جیسا بھی نہیں ہے۔ میں تمہیں اللہ کے لیے چاہتا ہوں اور تم مجھے اپنے فائدہ کے لیے چاہتے ہو۔ لوگو! اپنی نفسانی خواہشات کے مقابلہ میں میری مدد کرو۔ خدا کی قسم میں مظلوم کو ظالم سے اس کا حق دلواؤں گا اور ظالم کو اس کی ناک میں نکیل ڈال کر کھینچوں گا تاکہ اسے چشمۂ حق پر وارد کر دوں چاہے وہ کتنا ہی ناراض کیوں نہ ہو۔[3]

اُمت میں اختلاف کا ڈر

[جب کچھ فرصت طلب، قدرت خواہ افراد نے زبانِ تنقید کھولی اور میرا ان سے مشورے نہ لینے کے بارے میں گلہ کیا۔ میں نے ان سے کہا:]

خدا کی قسم! مجھے حکومت سے کوئی رغبت وعلاقہ نہیں تھا۔ یہ تم تھے جنہوں نے مجھے دعوت دی

1۔ الجمل: ص ۲۵۹.

2۔ الارشاد: ج ۱، ص ۲۶۱؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۷۲.

3۔ نہج البلاغہ: خطبہ ۱۳۶؛ الارشاد: ج ۱، ص ۲۴۳.

اور اصرارِ بسیار کے ساتھ زمامِ حکومت میرے ہاتھ میں تھمائی۔ میں نے بھی یہ ذمہ داری اس لیے قبول کی کیونکہ مجھے اُمّت میں اختلاف اور تفرقہ پیدا ہونے کا ڈر تھا۔[1]

بنو اُمیّہ کی سلطنت اور ان کے کتابِ خدا سے کھلواڑ کا دھڑکا

خدا کی قسم! میں نے خلافت فقط اس لیے قبول کی کہ کہیں بنو اُمیّہ کا کوئی گروہ چلاکی سے حالات پر قابو پاکر مسلمانوں کی زمامِ حکومت اپنے ہاتھوں میں نہ لے لے، جس کے نتیجے میں کتابِ خدا ان کے ہاتھوں میں بازیچہ بن کر رہ جائے۔[2]

[1] شرحِ نہج البلاغہ: ج۷، ص۱۴۱؛ امالی طوسی: مجلس ۴۴، ح۵، ص ۷۳۲.

[2] انساب الاشراف: ص۱۰۳، رقم ۷۳؛ الغارات: ج۱، ص۱۱۵.

۶۔ طلحہ و زبیر کی بیعت

طلحہ وزبیر کا بیعت کے لیے دوسروں پر سبقت لینا

[قتلِ عثمان کے بعد طلحہ و زبیر میرے پاس آئے۔ میں اس وقت مدینے سے باہر تھا۔ انہوں نے میرے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہی۔ میں نے ان دونوں سے کہا:]

مجھے اس حکومت کی کوئی ضرورت نہیں۔ میرے لیے تمہارا حاکم اور امیر بن کر رہنے سے بہتر تمہارا مددگار بن کر رہنا ہے۔ تم میں سے جو بھی خود کو اس کام کے لیے پیش کرتا ہے، ہاتھ بڑھائے میں اس کی بیعت کرتا ہوں۔

[انہوں نے کہا: لوگ آپ کے علاوہ کسی دوسرے کی بیعت نہیں کریں گے اور آپ کے سوا کسی دوسرے پر راضی نہیں ہوں گے۔ اپنا ہاتھ آگے بڑھایئے تاکہ ہم آپ کی بیعت کرنے والے اولین افراد ہوں۔ میں نے ان کے جواب میں کہا:]

اگر میری بیعت کرنی ہے تو اسے مخفی طور پر نہیں ہونا چاہیے، صبر کرو ہم مسجد (نبوی) تک پہنچ جائیں۔ (وہاں بیعت کرنا)۔

[لیکن وہ دونوں نہ مانے اور کہنے لگے: ہم یہاں بھی آپ کی بیعت کریں گے اور مسجد میں لوگوں کے سامنے بھی آپ کی بیعت کریں گے۔ بالآخر، ان دونوں سے سب سے پہلے میری بیعت کی۔][1]

تم میں سے جو چاہے میں اس کی بیعت کرلوں گا

قبل اس کے لوگ میری بیعت کرتے، میں نے دونوں سے کہا: اگر تم چاہو تو میں تمہاری بیعت کر لیتا ہوں، کیا تم اس کے لیے تیار ہو لیکن انہوں نے جواب دیا: ہم آپ کی بیعت کریں گے۔ خود پر آپ کو مقدم رکھنا ہم آپ کا حق سمجھتے ہیں۔[2]

---

1. الجمل: ص ۱۳۰؛ الفصول المختارۃ: ص ۲۲۸ الصراط المستقیم: ج ۱، ص ۵۰۔
2. الجمل: ص ۲۶۰۔

❁ طلحہ کو مستقبل میں اس کی رائے سے خبردار کیا

[مسجد کی جانب جارہے تھے۔ لوگ بیت المال کے باہر بھیڑ لگائے کھڑے تھے۔ لوگوں کے سامنے طلحہ پر اِتمامِ حُجّت کے لیے اس سے کہا:]

اپنا ہاتھ آگے بڑھا تا کہ تیری بیعت کروں۔

[لیکن اس نے جواب میں کہا: آپ اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کی بیعت کی جائے۔ عوام کی توجّہ آپ کی طرف ہے نہ کہ میری جانب۔ میں نے اس سے کہا:]

مجھے تیرے علاوہ کسی کی طرف سے پریشانی نہیں!

[طلحہ نے صاف لفظوں میں کہا: پریشان نہ ہوں! خدا کی قسم! میری جانب سے آپ کو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی!][1]

❁ مستقبل میں زبیر کو بیعت شکنی سے خبردار کیا

[جس دن میری بیعت ہوئی، اسی دن زبیر کو یاد دہانی کروائی:]

مجھے تیری جانب سے مخالفت اور بیعت شکنی کا خطرہ ہے۔

[لیکن زبیر نے اطمینانِ خاطر کے لیے کہا: خطرے اور پریشانی والی کوئی بات نہیں۔ میری جانب سے تا ابد ایسا اقدام نہیں ہو گا۔ میں نے اس سے کہا:]

کیا اِس عہد و پیمان پر خدا کو شاہد و ناظر بناتا ہے؟

[اس نے کہا: ہاں! خدا اس امر پر شاہد و ناظر ہے۔][2]

❁ طلحہ و زبیر کا حصّہ طلب کرنا

[بیعت کے وقت طلحہ و زبیر نے ایک ایسا جملہ کہا جس سے حصّہ طلبی کی بو آتی تھی۔ انہوں نے کہا: ہماری بیعت آپ کے ساتھ حکومت میں شرکت سے مشروط ہے! میں نے صراحت کے ساتھ ان دونوں کو جواب دیتے ہوئے کہا:]

---

[1] الجمل: ص ۱۲۸؛ انساب الاشراف: ج ۲، ص ۲۱۵؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۴۵۶۔

[2] شرح نہج البلاغۃ: ج ۱، ص ۲۳۰۔

ہرگز نہیں! تم میرے ساتھ بیت المال سے حصّہ لینے میں یکساں ہو۔ تمہارے اور ایک حبشی غلام کے بیت المال کے حصّہ میں کوئی فرق نہیں۔ مجھے بھی بیت المال میں کوئی امتیازی حیثیت حاصل نہیں، نہ میرے بچوں کو۔ البتہ اگر تم حتماً مشارکت کے عنوان سے استفادہ کرنا چاہتے ہو، کوئی مانع نہیں۔ جب میں ضعف اور ناتوانی کی حالت میں ہوں، تم میرے شریک ہو، اس وقت میری مدد کرنا، نہ کہ قدرت اور استقامت کے وقت۔[1]

میں ان کی آنکھوں میں بیعت شکنی دیکھ رہا تھا

طلحہ وزبیر نے میری بیعت کی۔ لیکن میں ان کے چہروں اور آنکھوں میں خیانت اور بیعت شکنی کے آثار دیکھ رہا تھا۔[2]

1. شرح نہج البلاغہ: ج۷، ص ۴۲؛ الامامۃ والسیاسۃ: ص ۷۰ تا ۷۱؛ نہج البلاغۃ: کلمات قصار ۲۰۲؛ خصائص الائمۃ: ص ۱۱۳
2. الجمل: ص ۲۶۸؛ شرح نہج البلاغۃ: ج۱، ص ۳۱۰.

۷۔ بیعت توڑنے والوں سے سلوک

۞ اختیار بیعت سے پہلے تک ہے

[عبد اللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص، محمد بن مُسلّمہ، حسان بن ثابت اور اسامہ بن زید نے میری بیعت کرنے سے اعراض برتا۔ سب منتظر تھے کہ میں ان کے خلاف کیا ردِ عمل ظاہر کرتا ہوں لیکن میں نے ان کی اُمیدوں کے برخلاف کسی کو بیعت کے لیے مجبور نہیں کیا۔ البتہ لوگوں کے لیے اپنے خطبے میں تفصیل بیان کرتے ہوئے کہا:]

ایہا الناس! تم نے میری بیعت کی ہے۔ ویسے ہی جیسے مجھ سے پہلے گزر جانے والے خلفاء کی بیعت کی تھی۔ ہاں! جب تک لوگ کسی کی بیعت نہ کریں، انہیں اختیار حاصل ہے اور وہ آزاد ہیں لیکن جب بیعت کرلیں پھر بیعت شکنی اور کسی دوسرے فرد کے انتخاب کا حق نہیں رکھتے۔ میری بیعت عمومی بیعت ہے، جو بھی اس سے سرتابی کرے گا، وہ دین اسلام سے خارج ہے اور اس نے مسلمانوں کے علاوہ کسی دوسرے راستے کا انتخاب کیا ہے۔ تم نے میری بیعت اچانک اور بغیر سوچ سمجھے نہیں کی۔ ہرچند کہ میرا اور تمہارا محرّک و مقصد ایک نہیں: میں تمہیں خدا کے لیے چاہتا ہوں، لیکن تم مجھے اپنے لیے چاہتے ہو۔

خدا کی قسم! سرکشوں سے بہترین انداز میں نمٹنے کے لیے اپنی تمام تر کوششیں بروئے کار لاؤں گا اور مظلومین کی مدد کے لیے انصاف کی مراعات کروں گا۔

سعد، ابن مُسلّمہ، اسامہ، عبد اللہ اور حسان بن ثابت کی جانب سے مجھے ایسی باتیں پہنچی ہیں جو پریشانی کا باعث ہیں۔ البتہ خدائے متعال میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کرنے والا ہے۔[1]

۞ بیعت کے بعد اسے توڑنے کی کوئی گنجائش نہیں

[لوگوں کے درمیان شک و شبہات ایجاد کیے گئے کہ اگر سب افراد کسی کی بیعت نہ کریں تو یہ

---

[1] الارشاد: ج ۱، ص ۲۴۳؛ الاخبار الطوال: ص ۱۴۰۔

بیعت صحیح نہیں ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے کہا:]

لوگو! یاد رکھو اس امر خلافت کا سب سے زیادہ حقدار وہی ہے جو سب سے زیادہ طاقتور اور دینِ الٰہی کا واقف کار ہو۔ اس کے بعد اگر کوئی فتنہ پرداز فتنہ کھڑا کرے گا تو پہلے اسے توبہ کی دعوت دی جائے گی۔ اس کے بعد اگر انکار کرے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔

میری جان کی قسم اگر امامت کا مسئلہ تمام افرادِ بشر کے اجتماع کے بغیر طے نہیں ہو سکتا ہے تو اس انعقاد کا تو کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ ہوتا یہی ہے کہ حاضرین کا فیصلہ غائب افراد پر نافذ ہو جاتا ہے اور نہ حاضر کو اپنی بیعت سے رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے اور نہ غائب کو دوسرا راستہ اختیار کرنے کا جواز ہوتا ہے۔[1]

✵ چاہو تو جا سکتے ہو!

[بنو اُمیہ کے تین سردار یعنی مروان، سعید بن عاص اور ولید بن عقبہ نے بھی بیعت نہیں کی تھی۔ میرے پاس آئے اور بیعت کرنے کے لیے اپنی شرائط پیش کیں۔ ولید ان سب کی نمائندگی میں بول رہا تھا۔ اس نے کہا: تونے ہم سب کے حق میں برائی اور ظلم کیا: تونے میرے باپ کو جنگِ بدر میں قتل کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا؛ سعید کا باپ بھی تیرے ہاتھوں جنگِ بدر میں مارا گیا، جو قریش کے لیے گائے کی مثل تھا؛ تونے مروان کے باپ کی بھی اہانت کی، عثمان کے اسے پناہ دینے کی وجہ سے اس پر تنقید اور اس کی عیب جوئی کی۔ اس وقت ہم تیری بیعت کو تیار ہیں اس شرط پر کہ ہم ماضی میں جو کر چکے ہیں اس کی تحقیق نہیں کرے گا، جو مال ہمارے پاس ہے اس سے کوئی سروکار نہیں رکھے گا اور قاتلانِ عثمان کو تہہ تیغ کرے گا۔ میں نے انہیں جواب دیتے ہوئے کہا:]

جہاں تک بات تمہارے حق میں ظلم کی ہے تو میں نے تمہارے ساتھ کوئی بدی نہیں کی بلکہ حق یہی تھا کہ تمہیں پیس کر رکھ دوں! اور یہ جو تم چاہتے ہو کہ تمہارے ماضی سے درگزر کروں اور اس کے بارے میں تحقیق نہ کروں تو اس حوالے سے بتاتا چلوں، یہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ میں تمہارے لیے حقِ خدا کو ضائع اور اَن دیکھا نہیں کر سکتا۔ اور یہ جو کہا کہ جو مال تمہارے ہاتھ میں ہے

---

[1] نہج البلاغہ: خطبہ ۱۷۳؛ مناقب آلِ ابی طالبؑ: ج ۱، ص ۲۵۸۔

اس سے کوئی سروکار نہ رکھوں تو صاف الفاظ میں کہتا ہوں، جو اموال خدا اور مسلمانوں سے متعلق ہیں ان میں عدالت سے کام لیا جائے گا۔

قاتلانِ عثمان کے قصاص کے بارے میں تم نے جو درخواست کی ہے، اس پر کہوں گا کہ اگر آج مجھ پر اس کے قاتلوں سے بدلنا لینا لازم ہے، پھر کل بھی ان سے جنگ کرنا مجھ پر لازم ہوتا! تمہارے سامنے میری ذمہ داری کتاب اللہ اور سنّت رسولؐ کے مطابق تم سے معاملہ کرنا اور روّیہ اپنانا ہے اور جو کوئی بھی حق میں تنگی کا شکار ہوگا قطعی طور پر باطل اسے اور زیادہ لاچار و عاجز کر دے گا۔ اگر اپنے اصلی محل سے ملحق ہونا چاہتے ہو [یعنی معاویہ کے پاس جانا چاہتے ہو] راستہ کھلا ہے، تم جا سکتے ہو![1]

[1] تاریخ یعقوبی: ج ۲، ص ۱۷۸؛ مروج الذہب: ج ۲، ص ۳۵۳؛ شرحِ نہج البلاغۃ: ج ۷، ص ۳۸.

۸۔ اوائلِ خلافت کے خطبات

آفتابِ حقیقت طلوع ہوا

[لوگوں نے میری بیعت کرلی تو میں نے خطبہ دیا۔ جس میں کہا:]

دیکھو طلوع کرنے والا طالع ہو چکا ہے اور چمکنے والا روشن ہو چکا ہے۔ ظاہر ہونے والے کا ظہور سامنے آچکا ہے۔ کجی سیدھی ہو چکی ہے۔ اور اللہ ایک قوم کے بدلے دوسری قوم اور ایک دور کے بدلے دوسرا دور لے آیا ہے۔ ہم نے حالات کی تبدیلی کا اسی طرح انتظار کیا ہے جس طرح قحط زدہ بارش کا انتظار کرتا ہے۔ ائمہ در حقیقت اللہ کی طرف سے مخلوقات کے نگراں اور اس کے بندوں کو اس کی معرفت کا سبق دینے والے ہیں۔ کوئی شخص جنّت میں قدم نہیں رکھ سکتا ہے جب تک وہ انہیں نہ پہچان لے اور وہ حضرات اسے اپنا نہ کہہ دیں اور کوئی شخص جہنّم میں جا نہیں سکتا ہے مگر یہ کہ ان حضرات کا انکار کر دے اور وہ بھی اسے پہچاننے سے انکار کر دیں۔

پروردگار نے تم لوگوں کو اسلام سے نوازا ہے اور تمہیں اس کے لئے منتخب کیا ہے۔ اس لیے کہ اسلام سلامتی کا نشان اور کرامت کا سرمایہ ہے۔ اللہ نے اس کے راستے کا انتخاب کیا ہے۔ اس کے دلائل کو واضح کیا ہے۔ ظاہری علم اور باطنی حکمتوں کے ذریعہ اس کے غرائب فنا ہونے والے اور اس کے عجائب ختم ہونے والے نہیں ہے۔ اس میں نعمتوں کی بہار اور ظلمتوں کے چراغ ہیں نیکیوں کے دروازے اسی کی کنجیوں سے کھلتے ہیں اور تاریکیوں کا ازالہ اسی کے چراغوں سے ہوتا ہے۔ اس نے اپنے حدود کو محفوظ کرلیا ہے اور اپنی چراگاہ کو عام کر دیا ہے۔ اس میں طالب شفا کے لیے شفا اور اُمیدوار کفایت کے لیے بے نیازی کا سامان موجود ہے۔ [1]

سخت امتحان تمہارے منتظر ہیں

میں اپنے قول کا خود ذمہ دار اور اس کی صحت کا ضامن ہوں اور جس شخص پر گذشتہ اقوام کی

[1] نہج البلاغۃ: خطبہ ۱۵۲؛ اعلام الدین: ص ۶۴؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۹، ص ۱۵۳۔

سزاؤں نے عبرتوں کو واضح کر دیا ہو اسے تقویٰ شبہات میں داخل ہونے سے یقیناروک دے گا۔ آگاہ ہو جاؤ آج تمہارے لیے وہ آزمائشی دور پلٹ آیا ہے جو تم پر اس وقت پڑا تھا جب پروردگار نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجا تھا۔ قسم ہے اس پروردگار کی جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا تھا، تم سختی کے ساتھ تہہ وبالا کیے جاؤ گے۔ تمہیں باقاعدہ چھانا جائے گا اور دیگ کی طرح چمچے الٹ پلٹ کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اسفل اعلیٰ ہو جائے اور اعلیٰ اسفل بن جائے اور جو پیچھے رہ گئے ہیں وہ آگے بڑھ جائیں اور جو آگے بڑھ گئے ہیں وہ پیچھے آجائیں۔

خدا گواہ ہے کہ میں نے نہ کسی کلمے کو چھپایا ہے اور نہ کوئی غلط بیانی کی۔ مجھے اِس منزل اور اِس دن کی پہلے ہی خبر دے دی گئی تھی۔ یادرکھو! خطائیں وہ سرکش سواریاں ہیں جن پر اہلِ خطا کو سوار کر دیا جائے اور ان کی لگام کو ڈھیلا چھوڑ دیا جائے اور وہ سوار کو لے کر جہنم میں پھاند پڑیں اور تقویٰ ان رام کی ہوئی سواریوں کے مانند ہے جن پر لوگ سوار کیے جائیں اور ان کی لگام ان کے ہاتھوں میں دے دی جائے تو وہ اپنے سواروں کو جنّت تک پہنچادیں۔

دنیا میں حق وباطل دونوں ہیں اور دونوں کے اہل بھی ہیں۔ اب اگر باطل زیادہ ہو گیا ہے تو یہ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے اور اگر حق کم ہو گیا ہے تو یہ بھی ہوتا رہا ہے اور اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔ اگرچہ ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ کوئی شے پیچھے ہٹ جانے کے بعد دوبارہ منظر عام پر آجائے۔

وہ شخص کسی طرف دیکھنے کی فرصت نہیں رکھتا جس کی نگاہ میں جنّت و جہنم کا نقشہ ہو۔ تیز رفتاری سے کام کرنے والا نجات پالیتا ہے اور سست رفتاری سے کام کر کے جنّت کی طلب گاری کرنے والا بھی اُمید وار رہتا ہے لیکن کوتاہی کرنے والا جہنم میں جاپڑتا ہے۔ دائیں بائیں گمراہیوں کی منزلیں ہیں اور سیدھا راستہ صرف درمیانی راستہ ہے۔ اسی راستے پر رہ جانے والی کتاب خدا اور نبوّت کے آثار ہیں اور اسی سے شریعت کا نفاذ ہوتا ہے اور اسی کی طرف عاقبت کی بازگشت ہے۔

غلط ادّعا کرنے والا ہلاک ہوا اور افترا سے کام لینے والا ناکام ونامراد ہوا۔ جس نے حق کے مقابلہ میں سر نکالا وہ ہلاک ہو گیا۔ انسان کی جہالت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اسے اپنی ذات کا بھی عرفان نہ ہو۔ جو بنیاد تقویٰ پر قائم ہوتی ہے اس میں ہلاکت نہیں ہوتی ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی قوم کی کھیتی پیاس سے برباد نہیں ہوتی ہے۔ اب تم اپنے گھروں میں چھپ کر بیٹھ جاؤ اور اپنے باہمی امور کی

اصلاح کرو۔ توبہ تمہارے سامنے ہے۔ تعریف کرنے والے کا فرض ہے کہ اپنے رب کی تعریف کرے اور ملامت کرنے والے کو چاہیے کہ اپنے نفس کی ملامت کرے۔[1]

میری ذمہ داری حد درجہ کوشش ہے

لوگو! یاد رکھو یہ دنیا اپنے سے لو لگانے والے اور اپنی طرف کھینچ جانے والے کو ہمیشہ دھوکہ دیا کرتی ہے۔ دوسروں سے رقابت رکھنے والے اپنے خواہش مندوں کو منہ نہیں لگاتی اور جو اس رقابت میں کامیاب ہو جاتا ہے اسے زمین پر گرا دیتی ہے۔ خدا کی قسم کوئی بھی قوم جو نعمتوں کی تر و تازہ اور شاداب زندگی میں تھی اور پھر اس کی وہ زندگی زائل ہو گئی ہے تو اس کا کوئی سبب سوائے ان گناہوں کے نہیں ہے جن کا ارتکاب اس قوم نے کیا ہے۔ اس لیے کہ پروردگار اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ پھر بھی جن لوگوں پر عتاب نازل ہوتا ہے اور نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں اگر صدقِ نیّت اور [illegible] قلب کے ساتھ پروردگار کی بارگاہ میں فریاد کریں تو وہ گئی ہوئی نعمتیں واپس کر دے گا اور بگڑے کام بنا دے گا۔

میں تمہارے بارے میں اس بات سے خوفزدہ ہوں کہ کہیں تم جہالت اور نادانی میں نہ پڑ جاؤ۔ کتنے ہی معاملات ایسے گزر چکے ہیں جن میں تمہارا جھکاؤ اُس رخ کی طرف تھا جس میں تم قطعاً قابلِ تعریف نہیں تھے۔ اب اگر تمہیں تمہارے چھنے ہوئے ماضی کی طرف پلٹا دیا جائے تو پھر نیک بخت ہو سکتے ہو لیکن میری ذمہ داری صرف محنت کرنا ہے اور اگر میں کہنا چاہوں تو تمہاری بے مہری کی شکایت کر سکتا ہوں۔ پروردگار گزشتہ معاملات سے درگزر فرمائے۔[2]

اپنے عہد پر وفادار رہنا

انسان کبھی بھی اپنے خاندان اور قبیلے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہر چند اسے کثیر مال اور اولاد نصیب ہو۔ اگر کوئی شخص اپنے خاندان اور قبیلے کو چھوڑ دے، تو اس قبیلے کے ہاتھ سے ایک مددگار جاتا ہے لیکن اس شخص کے ہاتھ سے بہت سے مددگار چلے جاتے ہیں۔ جان لو! راست گوئی خدا کی ایک نعمت

نہج البلاغہ: خطبہ ۱۶؛ کافی: ج ۸، ص ۶۷؛ کافی: ج ۱، ص ۳۶۹؛ الغیبۃ: باب ۱۲، ح ۱۳۲، ص ۲۰۱.

نہج البلاغہ: خطبہ ۱۷۸.

ہے جو مال و ثروت سے بہتر ہے۔ تم میں سے کسی کو بھی خود کو بڑا نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ اس صورت میں کبر و غرور کا شکار ہو جائے گا۔ جان لو! دنیا نے پُشت دکھا دی ہے اور آخرت سامنے ہے۔ آج اختتام پذیر ہو چکا ہو اور کل سامنے آرہا ہے۔ جنّت سامنے ہے اور آگ آخر میں ہے۔ آرزوئیں قلب کو بھڑکاتی ہیں اور قیامت کو بھلا دیتی ہیں۔ قیامت غفلت اور بے خبری کے عالم میں نمودار ہو گی اور یہ (موجود) ایّام حسرت اور پشیمانی لے کر آئیں گے۔

اپنے دین کو قدرت مند بنانے، نماز پڑھنے، زکات دینے اور اپنے ائمہ کی خیر خواہی کی جانب بڑھو۔ کتابِ خدا کو سیکھو اور کلامِ رسول ﷺ کی تصدیق کرو۔ اپنے عہد و پیمان سے وفاداری کرو۔ جب کسی کام پر امین بنائے جاؤ، امانت کو اس کے صاحب کو لوٹاؤ۔ نیکی اور اجرِ الٰہی کی جانب قدم بڑھاؤ۔ عذابِ الٰہی سے گریز کرو۔ نیک کام انجام دو تاکہ اس دن کامیاب رہو جس میں جو بھی کامیاب ہو گا نیکی کرنے کی وجہ سے کامیاب ہو گا۔[1]

❁ تم سے سوال کیا جائے گا، یہاں تک کہ زمینوں اور حیوانات کے بارے میں بھی!

پروردگار نے اس کتابِ ہدایت کو نازل کیا جس میں خیر و شر کی وضاحت کر دی ہے لہٰذا تم خیر کا راستہ اختیار کرو تاکہ ہدایت پاؤ اور شر سے منہ موڑ لو تاکہ سیدھے راستے پر آجاؤ۔

فرائض کا خیال رکھو اور انہیں ادا کرو تاکہ وہ تمہیں جنّت تک پہنچا دیں۔ اللہ نے جس حرام کو حرام قرار دیا ہے وہ مجہول نہیں ہے اور جس حلال کو حلال بنایا ہے وہ مشتبہ نہیں ہے۔ اس نے مسلمانوں کی حُرمت کو تمام محترم چیزوں سے افضل قرار دیا ہے اور مسلمانوں کے حقوق کو ان کی منزلوں میں اخلاص اور یگانگت سے باندھ دیا ہے۔ اب مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے تمام مسلمان محفوظ رہیں مگر یہ کہ کسی حق کی بنا پر ان پر ہاتھ ڈالا جائے اور کسی مسلمان کے لیے مسلمان کو تکلیف دینا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا واقعی سبب پیدا ہو جائے۔

اس امر کی طرف سبقت کرو جو ہر ایک کے لیے ہے اور تمہارے لیے بھی ہے اور وہ ہے موت۔ لوگ تمہارے آگے جا چکے ہیں اور تمہارا وقت تمہیں ہنکا کر لے جا رہا ہے۔ سامان ہلکا رکھو

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ: ج ۱، ص ۷۰؛ نہج البلاغۃ: خطبہ ۲۳.

اگلے لوگوں سے ملحق ہو جاؤ اس لیے کہ ان پہلے والوں کے ذریعہ تمہارا انتظار کیا جارہا ہے۔
اللہ سے ڈرو اس کے بندوں کے بارے میں بھی اور شہروں کے بارے میں بھی۔ اس لیے کہ تم سے زمینوں اور جانوروں کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔ اللہ کی اطاعت کرو اور نافرمانی نہ کرو۔ خیر کو دیکھو تو فوراً لے لو اور شر پر نظر پڑ جائے تو کنارہ کش ہو جاؤ۔[1]

---

[1] نہج البلاغہ: خطبہ ۱۶۷؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۴۵۷؛ الکامل: ج ۲، ص ۳۰۵.

۹۔ خواص کی ناخشنودی اور ناراضگی کا آغاز

پہلا قدم: بیت المال سے عثمان کے بخشے ہوئے اموال کی واپسی

[بیعت کے دوسرے دن ہی میں نے اعلان کیا:]

آگاہ ہو جاؤ! عثمان کی طرف سے جتنی بھی اراضی کسی کو دی گئی ہیں اور اس کی جانب سے اموالِ الٰہی میں سے جتنا بھی مال کسی کو بطورِ ہدیہ دیا گیا ہے، میں وہ سب بیت المال میں واپس لاؤں گا۔ کیونکہ ایسا نہیں ہے کہ وقت گزر جانے سے حق، حق نہ رہے۔ اسے نادیدہ کرنے کے لیے کوئی بہانہ قابلِ قبول نہیں۔ اگر اس مال سے خواتین کا مہر ادا کر دیا ہو یا مختلف شہروں میں پراگندہ ہو چکا ہو، تب بھی انہیں قطعی طور پر ان کے اہل تک پہنچا کر رہوں گا۔ کیونکہ عدالت میں سب کے لیے گنجائش ہے اور جس شخص پر حق و عدالت گراں گزرے، اس پر ظلم برداشت کرنا اور بھی گراں گزرے گا۔[1]

دوسرا قدم: لوگوں کے درمیان بیت المال کی مساوی تقسیم

[بیعت کے دوسرے دن ہی لوگوں میں بیت المال کی صحیح تقسیم کا طریقہ کار دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہا:]

ایہا الناس! اولادِ آدم میں سے کوئی بھی دنیا میں غلام یا کنیز بن کر نہیں آیا۔ تمام انسان آزاد ہیں۔ لیکن خدا نے تم میں سے بعض افراد کو زیادہ نعمتوں سے نوازا ہے۔ اب تم میں سے جس نے بھی راہِ دین میں مصیبت اٹھائی ہے اور کوئی سابقہ رکھتا ہے، اسے اس کارِ خیر میں صبر کا دامن تھامنا چاہیے نیز اپنے سابقے کی حفاظت کے لیے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ البتہ کسی نے خدا پر کوئی احسان نہیں کیا اور کوئی خدا سے امتیاز نہیں لے سکتا۔

آگاہ ہو جاؤ! اس وقت اموال جمع ہو چکے ہیں، ہم سب کے درمیان انہیں مساوی طور پر تقسیم

---

[1] شرح نہج البلاغۃ: ج۱، ص ۲۶۹؛ نہج البلاغۃ: خطبہ ۱۵؛ اثبات الوصیۃ: ص ۱۴۹؛ دعائم الاسلام: ج۱، ص ۳۹۶؛ مناقبِ آلِ ابی طالبؑ: ج ۲، ص ۱۱۰.

...ے چاہے کوئی سیاہ ہو یا سفید۔

[بیان مروان نے طلحہ و زبیر سے کہا: جو کچھ کہا گیا اس سے تمہارے علاوہ اور کوئی مقصود نہیں تھا! ...نے حکم دیا کہ ہر مسلمان کو تین دینار دیے جائیں۔ ایک سیاہ فام غلام آیا، اسے تین دینار دیے گئے۔ ایک انصاری نے کہا: یا امیر المومنینؑ! یہ میرا غلام تھا، میں نے کل ہی اسے آزاد کیا ہے، آپؑ ...اسے برابر قرار دے رہے ہیں؟ میں نے جواب میں کہا:]

میں نے کتابِ خدا میں توجّہ کے بعد اسحاق کی اولاد پر اسماعیل کی اولاد کے لیے کوئی برتری نہیں دیکھی۔[1]

مال کی مساوی تقسیم پر ناراض افراد ہم میں سے نہیں!

[عبد اللہ بن عمر، ابو بکر کے بچے اور سعد بن ابی وقاص میرے پاس آئے اور ماضی کی طرح بیت المال میں ان کا حصّہ دوسروں کی نسبت زیادہ رکھنے کا تقاضا کیا! میں منبر پر گیا اور خطبہ دیتے ہوئے کہا:]

حمد اُس خُدا کے لیے ہے کہ اگر ہمیں حمد بیان کرنے کی توفیق ہوئی ہے تو یہ توفیق بھی اُس نے دی ہے۔ وہ حد درجہ کرامت کا مالک ہے۔ اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس کا وصف الفاظ میں نہیں سماتا اور وہ موجودات کی حد و غایت سے پہچانا نہیں جاتا۔ شہادت دیتا ہوں کہ اس خدائے یکتا کے سوا کوئی معبود نہیں، گواہی دیتا ہوں کہ محمد رسول اللہ ﷺ، پیامبر ہدایت، محلِ زہد و تقویٰ اور اس کے بلند مرتبہ رسول ہیں جو بالیقین حق سبحانہ تعالیٰ کی جانب سے آئے تا کہ بندوں کو اس قرآن کے ذریعے سے تنبیہ کریں جو نور اور روشن برہان ہے۔ ہاں! انہوں نے قرآن کے ذریعے حق کو پہنچایا، حجت تمام کی اور گزشتہ انبیا کی طرح اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

اے لوگو! ہم اس وقت ان لوگوں کے رُوبرُو ہیں جنہیں دنیا نگل چکی ہے، وہ دنیاداری میں غرق ہو چکے ہیں، ان کے ہاتھ بہت سی زمینیں لگ چکی ہیں، ان میں انہوں نے بہت سے چشمے جاری کر لیے ہیں، شاہانہ سواریوں پر سوار ہوتے ہیں اور نرم ترین لباس پہنتے ہیں۔ اس عیش و نوش کے ساتھ انہوں نے اپنے لیے ننگ و عار کا بندوبست کیا ہے کیونکہ اگر خدائے رحمٰن اُن سے درگزر نہ کرے تو ایک

---

1. ...ج۸، ص۶۹؛ الاختصاص: ص ۱۵۲۔

سخت عاقبت اُن کے انتظار میں ہے۔

اب اگر میں نے ان پر اعتراض کیا ہے اور چاہتا ہوں کہ انہیں اس بھنور سے باہر نکالوں جس میں وہ ڈبکیاں کھا رہے ہیں اور اس راہ کی جانب ہدایت کروں جس میں ان کی سعادت مضمر ہے، اور اس کے نتیجے میں ان کے ہاتھ سے یہ مال اور وسائل لے لوں، تو انہیں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ ابو طالبؑ کا بیٹا ہمارے حق میں ظلم کر رہا ہے اور ہمیں ہمارے حق سے محروم کر رہا ہے! البتہ ان کے مقابل خداوندِ متعال میرا حامی و ناصر ہے۔

جو کوئی بھی ہمارے قبلے کی جانب رخ کرتا ہے، دینِ اسلام کے حکم کے مطابق ذبح شدہ گوشت کھاتا ہے، ہمارے نبی پر ایمان رکھتا ہے، ہماری طرح زبان پر شہادتین جاری کرتا ہے اور ہمارے دین میں داخل ہو جاتا ہے، ہم اس پر حکمِ قرآن اور حدودِ اسلام جاری کریں گے۔ ہم اس کے لیے تقویٰ کے علاوہ کسی دوسرے معیار کے قائل نہیں ہوں گے۔ البتہ پھر بھی تقویٰ مادی امتیازات حاصل کرنے کا وسیلہ نہیں بنے گا۔ کیونکہ خداوندِ متعال نے دنیا کو اہلِ تقویٰ کا اجر قرار نہیں دیا۔ جو اجر خدا کے پاس ہے، وہ نیک افراد کے لیے بہتر ہے۔

اے دیندارو! اپنے حقوق قرآن اور سُنّتِ نبوی کی حدود میں رہ کر تلاش کرو اور دیکھو کہ راہِ خدا میں جہاد کرنے سے تمہارا ہدف کیا تھا۔ کیا یہ نسل و خاندان کی وجہ سے تھا یا اطاعتِ خدا اور زُہد کی وجہ سے؟ اور پھر اس کا اس چیز سے تقابل کرو جس کی جانب تم آج تمایل پیدا کر چکے ہو اور اس کے مشتاق ہو۔ تمہارا رب تم پر رحمت کرے! منزلِ آخرت کی جانب بڑھو کیونکہ تم پر اسے آباد کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، اس طور کہ اس میں ویرانی نہ ہو۔ وہ ابدی اور باقی رہنے والی منزل ہے جس کا کوئی اختتام نہیں۔ تمہارے خدا نے تمہیں اس کی جانب بلایا ہے، اس کی جانب تمہاری تشویق کی ہے اور اپنی جناب سے تمہارے لیے اس کا اجر مقرر کیا ہے۔ خدا کے حکم کے سامنے تسلیم اور اس کی نعمتوں پر شکر کرنے سے خود پر اس کے الطاف کو کامل کرو۔

جو بھی حکمِ الٰہی پر راضی نہیں، وہ ہم میں سے نہیں اور اس کا رخ بھی ہماری طرف نہیں۔ حق یہی ہے کہ حاکم فقط حکمِ خدا کے مطابق فیصلہ کرے اور اس حوالے سے کسی پریشانی اور ڈر کا شکار نہ ہو۔

...یسے افراد فلاح پانے والے ہیں۔[1]

بیت المال پر سب کا برابر حق ہے، کوئی خصوصی حق نہیں رکھتا

[خواص کا ایک گروہ بیت المال سے زیادہ فائدہ اٹھاتا تھا۔ انہوں نے میرے عدل و عدالت پر مبنی اقدامات کے مقابل اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا اور فضا خراب کرنے لگے۔ اس وقت میں نے لوگوں پر بات واضح کرنے کے لیے کہا:]

اے لوگو! میں اپنے رب اور ولیٔ نعمت کی حمد بجالاتا ہوں جس نے عیاں اور نہاں نعمتیں بخشیں۔ ان میں ہماری ذرا سی قوت و قدرت شامل نہ تھی بلکہ اس نے یہ سب فقط اپنے لطف اور فضل کی بنا پر ہمیں بخشیں تا کہ وہ ہمیں آزمائے۔ جو ان نعمتوں کا شکر ادا کرے، وہ اس کے لیے بڑھا دے اور جو کفرانِ نعمت کرے اس پر عذاب نازل کرے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، یگانہ اور بے نیاز ہے۔ نیز گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، وہ تمام شہروں میں تمام بندوں کے لیے رحمت ہیں اور ایک ایسی نعمت ہیں جو خدا نے ہمیں عطا کی ہے۔

اے لوگو! خدا کی بارگاہ میں وہ شخص برتر ہے جو اس کے سامنے سب سے زیادہ مطیع اور سُنّت رسول ﷺ کا سب سے زیادہ پیروی کرنے والا نیز کتابِ خدا کو زندہ کرنے کی کوشش کرنے والا ہو۔ ہم کسی کے لیے کسی قسم کے امتیاز کے قائل نہیں سوائے خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت نیز کتاب خدا اور سُنّتِ پیغمبر ﷺ کی پیروی کے۔ یہ رہی کتابِ خدا جو ہماری نگاہوں کے سامنے ہے اور یہ رہی سیرتِ رسول ﷺ اور ان کے احکامات جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ کوئی ان سے بے خبر نہیں سوائے جاہل افراد اور دشمنانِ خدا کے۔ خدا کا ارشاد ہوتا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾[2]

---

[1] کافی: ج۸، ص۳۶۰.

[2] حجرات ۱۳.

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں قومیں اور قبیلے بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کے نزدیک یقیناً وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے، اللہ یقیناً خوب جاننے والا، باخبر ہے۔

پس سب سے زیادہ شرافت مند، ارجمند اور محبوب وہی ہے جو خدا کی پرواہ کرے، تقویٰ اپنائے اور جو خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں وہ ایسے ہیں:

﴿قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۞ قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ﴾[1]

کہد یجیے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا اور اللہ نہایت بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ کہد یجیے: اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پس اگر وہ لوگ رُوگردانی کریں تو اللہ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔

[یہاں پہنچ کر میں نے بلند آواز میں کہا:]

اے مہاجرین و انصار! اور اے تمام مسلمانو! کیا تم اسلام قبول کر کے خدا پر احسان جتلاتے ہو؟ یا اگر صحیح معنوں میں اسلام قبول کیا ہے تو خدا اور اس کے رسول ﷺ نے تم پر احسان کیا ہے؟ خبردار! جان لو! جو بھی ہمارے قبلے کی جانب رخ کرتا ہے، ہمارے دین کے حکم کے مطابق ذبح شدہ گوشت کھاتا ہے، خدا کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے، رسالت پیمبر ﷺ کی شہادت دیتا ہے، ہم اس کے حق میں احکامِ قرآن اور امتیازاتِ اسلام جاری کریں گے۔ کوئی شخص دوسرے پر کوئی امتیاز نہیں رکھتا سوائے تقویٰ اور اطاعتِ الٰہی کے۔ خدا ہمیں اور تمہیں اہل تقویٰ اور اپنے اولیاء اور دوستوں میں سے قرار دے، جن کے لیے نہ کوئی حزن ہے اور نہ کوئی غم۔

جان لو کہ یہ دنیا جس کے تم گرویدہ ہو گئے ہو، خود تمہیں نصیحت کرتی ہے اور [اپنے بلا اور مصیبت کے تیروں سے] تمہارے نشانے باندھے ہوئے ہے۔ یہ تمہاری منزل نہیں ہے۔ یہ وہ گھر نہیں جس کے لیے تمہیں خلق کیا گیا ہے اور جس کی جانب تمہیں دعوت دی گئی ہے۔ جان لو کہ یہ جہان تمہارے لیے باقی نہیں رہے گا اور تم بھی اس میں زیادہ دیر نہیں رکو گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا

---

[1] آل عمران: ۳۱و۳۲.

کے حالیہ حالات تمہیں دھوکا دیں۔ تمہیں اس سے خبردار کیا گیا ہے اور اس کے اوصاف تمہارے لیے بیان کر دیے گئے ہیں۔ تم خود بھی اسے آزما چکے ہو نیز تم اس کا سرانجام پسند نہیں کرتے۔ پس تم پر تمہارے رب کی رحمت ہو! ان گھروں کی طرف بڑھو جنہیں آباد کرنے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے۔ وہ جنتیں ایسی آباد ہیں کہ کبھی ویران نہ ہوں اور ایسی پائیدار ہیں کہ کبھی نابود نہ ہوں۔ خدا نے تمہیں ان کی ترغیب دلائی اور ان کی طرف بلایا ہے نیز تمہارا اجر ان میں رکھا ہے۔

تم اے مہاجرین وانصار اور اے اہل دین! سوچو کہ قرآن نے تمہیں جو امتیازات دیے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے تمہیں جو مقام حاصل تھا، اور جس چیز کے لیے تم جہاد کرتے تھے، اور جو فضیلتیں تم حاصل کرتے تھے، وہ حسب ونسب کی بنا پر تھیں یا عمل واطاعت کی اساس پر؟ تم پر تمہارا رب رحمت نازل کرے! خدا نے تمہیں جن نعمتوں سے نوازا ہے، صبر اور ان کی حفاظت کے ذریعے انہیں خود پر کامل کرو، کہ خدا نے تم پر اس کی ذمہ داری ڈالی ہے۔ اگر خدا کے حکم کی تعمیل کرو گے، تقویٰ اختیار کرو گے تو دنیاوی زندگی میں تنزل تمہیں کوئی نقصان نہیں دے گا۔ لیکن اگر تقویٰ سے ہاتھ اٹھا لیا تو دنیاوی امور میں سے کوئی بھی امر تمہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔ پس اے بندگانِ خدا! خدا کا حکم مانو، اس کی قضا پر راضی رہو اور اس کی بلا پر صبر کرو۔

رہی بات ان غنائم اور بیت المال کی، تو اس حوالے سے کوئی ایک دوسرے پر کوئی تقدم نہیں رکھتا، نہ کسی کو کوئی خاص امتیاز حاصل ہے۔ خدا انہیں تقسیم کر چکا ہے اور اب کام تمام ہو چکا ہے۔ یہ اموال، خدا کا مال ہیں اور تم اس کے مسلمان بندے ہو۔ یہ رہی اس کی کتاب جس کا ہم سب اقرار کرتے ہیں اور اس کی حقانیت کی گواہی دیتے ہیں نیز اس کے سامنے تسلیم ہو چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا عہد و میثاق بھی اب تک ہمارے سامنے ہے۔ تم پر تمہارے رب کی رحمت ہو! کتابِ خدا اور سنّت رسول ﷺ کو تسلیم کرو، جو بھی اسے پسند نہ کرے اور اس پر راضی نہ ہو، جس طرف چاہے منہ موڑ لے، کیونکہ جو شخص حکمِ خدا پر عمل اور حکمِ الٰہی سے فیصلہ کرے، اس پر کوئی وحشت اور ڈر غالب نہیں آتا۔ یہ وہ افراد ہیں جنہیں [نصِ قرآن کے مطابق] کوئی ڈر نہیں اور یہ غمگین نہیں ہوتے۔ یہی کامیابی پانے والے ہیں۔

میں اپنے رب اور معبود سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اور تمہیں اپنی اطاعت کرنے والوں میں

سے قرار دے اور ہمارے شوق کو اپنے پاس موجود چیز کی جانب متوجّہ کرے۔ یہ تھا میرا کہنا جسے تم سن چکے ہو۔ میں اپنے اور تمہارے لیے خدا سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔[1]

کیا رسول اللہ ﷺ اس طرح بیت المال تقسیم کرتے تھے؟

[کچھ افراد نے اپنی ناراضی اور اعتراض ظاہر کرنے کی خاطر بیت المال سے ملنے والا اپنا حصّہ نہیں لیا۔ طلحہ وزبیر بھی ان میں شامل تھے۔ وہ بیت المال کے حوالے سے میری تقسیم پر ناراض تھے اور سب سے یکساں سلوک کرنے پر ناخشنود تھے۔ ہر چند وہ عثمان کے بدلے اور قصاص کا بہانا بنائے بیٹھے تھے! میں نے عمار یاسر کو طلحہ وزبیر کے پاس بھیجا۔ جب وہ آئے تو ان سے دو سوال پوچھے:]

تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم اپنے اختیار سے میری بیعت کرنے میرے پاس نہیں آئے تھے اور مجھ سے خلافت قبول کرنے کو کہا تھا، جبکہ میں اس کی کوئی رغبت نہیں رکھتا تھا؟

[انہوں نے کہا: ہاں ایسا ہی ہے۔ میں نے پوچھا:]

کیا وہ تم ہی نہیں تھے جنہوں نے بغیر کسی جبر اور دھمکی کے دستِ بیعت میری طرف بڑھایا تھا اور مجھ سے اپنی بیعت پر وفادار رہنے کا عہد کیا تھا؟

[انہوں نے جواب دیا: ہاں ایسا ہی ہے۔ میں نے سوال کیا:]

پھر ایسا کیا ہوا ہے جو اس قدر رنجیدہ اور بے سکون ہو؟

[انہوں نے جواب دیا: ہم نے آپ کی بیعت اس لیے کی تھی تاکہ آپ ہماری رائے لیے بغیر کام انجام نہ دیں اور تمام امور میں ہم سے مشاورت کریں اور فقط اپنی رائے کے مطابق عمل نہ کریں۔ آپ جانتے ہیں ہمارا مقام و مرتبہ دوسروں سے بڑھ کر ہے۔ لیکن آپ نے بیت المال کی تقسیم، تدبیر امور اور صدورِ احکام میں ہم سے مشاورت نہیں کی نہ ہمارے علم سے فائدہ اٹھایا۔ میں نے ان دونوں سے کہا:]

تم بہت معمولی سی چیز پر ناراض ہو گئے ہو جبکہ کثیر خوبیوں کو بھلا بیٹھے ہو۔ میں خدا سے تمہارے

---

[1] تحف العقول: ص ۱۸۳؛ کافی ج ۸، ص ۳۶۰؛ امالی طوسی: مجلس ۴۴، ح ۵، ص ۷۲۹، شرحِ نہج البلاغۃ: ج ۷، ص ۳۶؛ مشکاۃ الانوار: ص ۴۷.

...لیے مغفرت اور بخشش طلب کرتا ہوں۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں نے تم سے کون سا حق چھینا ہے اور تم پر کون سا ظلم کیا ہے؟

[انہوں نے کہا: خدا کی پناہ! آپ کا دامن ظلم کی آلودگی سے پاک ہے۔ میں نے کہا:]

کیا بیت المال کے اموال سے کوئی چیز میں نے اپنے لیے اٹھا رکھی یا اپنے لیے کوئی حصّہ مقرر کیا؟

[انہوں نے کہا: خدا کی پناہ! آپ اپنے لیے کوئی چیز نہیں لیتے۔ میں نے ان سے کہا:]

کیا کسی مسلمان کو کوئی ایسی مشکل پیش آئی جس کا حکم مجھے معلوم نہیں تھا، یا میں نے کوئی حق ضائع کیا یا احقاق الحق کی ذمہ داری نہ نبھائی ہو؟

[انہوں نے کہا: خدا کی پناہ! آپ زیادہ عالم اور قدرت رکھنے والے ہیں۔ میں نے کہا:]

پھر میرا کون سا کام تمہاری ناراضی کی وجہ بنا جو تم نے میری نظر کے خلاف اقدام کرنے کی ٹھان لی ہے؟

[کہنے لگے: آپ نے بیت المال کی تقسیم میں عمر بن خطاب کی روش کے مطابق عمل نہیں کیا۔ آپ نے ہمارا حصّہ بھی دوسروں کے برابر معیّن کیا اور ہمارے اور ان کے درمیان جو بغیر کسی زحمت کے دستر خوان پر بیٹھے ہیں کوئی فرق نہیں رکھا، وہ دستر خوان جو میدان جنگ میں ہماری تلواروں اور تیروں اور مجاہدتوں سے وسیع ہوا۔ ہم نے اسلام کی دعوت کو توسیع دی جبکہ انہوں نے جبر اور اکراہ کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ اب کیا درست ہے کہ ہم اور وہ ایک سا حصّہ پائیں؟!

میں نے انہیں جواب دیا:]

یہ جو تم نے کہا کہ میں نے تم سے مشورہ نہیں لیا، تو خدا کی قسم! مجھے خلافت کی جانب رغبت نہیں تھی نہ تم پر حکمرانی کا خواہشمند تھا۔ تم نے مجھے اس کی دعوت دی اور اسے مجھ پر ٹھونسا۔ مجھے اس بات کی پریشانی تھی کہ اگر خلافت قبول نہیں کرتا، اُمّتِ اسلامیہ تفرقہ اور اختلاف کا شکار ہو جائے گی۔ اس وجہ سے میں نے خلافت قبول کی۔

خلافت قبول کرنے کے بعد میں نے قرآن اور سُنّتِ رسول ﷺ کو مدِ نظر رکھا۔ ان میں جو حکم بھی موجود تھا اور جو فرمان صادر کیا گیا تھا میں نے اس کی پیروی کی۔ قرآن اور سُنّتِ پیغمبر ﷺ کے ہوتے ہوئے مجھے تمہاری رائے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، نہ اب تک کوئی ایسا مسئلہ پیش آیا جس کا

حکم نہ جانتا ہوں اور اس میں تم سے یا دوسرے مسلمانوں سے مشورہ کرنے کا خواہاں ہوں۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا جس کا حکم کتابِ خدا میں بیان نہ ہُوا ہوتا اور اس پر سُنّتِ رسول ﷺ میں بھی کوئی شاہد نہ ملتا اور تم سے مشاورت کی ضرورت محسوس ہوتی، تم سے ضرور مشورہ کرتا۔

اور یہ جو تم نے اعتراض کیا کہ سب سے مساوی روّیہ کیوں اپنایا ہے۔ تو اس پر کہوں گا: یہ کام میں نے اپنی رائے یا دلی خواہش سے انجام نہیں دیا بلکہ میں نے اور تم نے یہ روش رسول اللہ ﷺ سے سیکھی ہے۔ نیز قرآن نے بھی آنحضرت ﷺ کی اس سُنّت کی تائید کی ہے۔ وہی کتاب جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے:

﴿لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾[1]

باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ حکمت والے اور لائق ستائش کی نازل کردہ ہے۔

اور تمہارا یہ کہنا کہ یہ اموال تمہاری تلواروں اور نیزوں کی وجہ سے جمع ہوئے ہیں، اس لیے تمہارے اور دوسرے کے درمیان برابر سے تقسیم نہیں ہونے چاہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی ایسا گروہ موجود تھا جو پہلے ایمان لایا تھا، انہوں نے جہاد کیا تھا۔ جبکہ بعض ایسے بھی تھے جو تاخیر سے مسلمان ہوئے تھے اور کمتر جہاد میں حصّہ لیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ غنائم تقسیم کرتے ہوئے ان دونوں گروہوں میں کوئی فرق نہیں رکھتے تھے اور بعض افراد کو اسلام میں سبقت کی وجہ سے امتیاز نہیں دیتے تھے۔ ہاں خداوندِ متعال روزِ قیامت سابقین در اسلام و جہاد کو بطورِ کامل ان کا اجر دے گا۔

خدا کی قسم! تمہارے لیے یا تمہارے علاوہ دوسروں کے لیے، جو چیز میں نے طے کی ہے اس سے زیادہ کسی کا کوئی حصّہ نہیں۔ خدا ہمارے اور تمہارے قلب کی حق کی جانب ہدایت کرے اور ہمیں اور تمہیں صبر و استقامت کی توفیق سے نوازے۔ خدا اس شخص پر رحمت نازل کرے جو حق دیکھتے ہی اس کی مدد کرے اور جب کہیں ظلم کا مشاہدہ کرے، اس کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔[1]

---

[1] فصلت: ۴۲.

ہے۔ یہ سب مسلمانوں کا مال ہے۔ چاہے وہ حاضر و شاہد ہوں یا چاہے غائب ہوں۔ میں تمہاری درخواست قبول نہیں کر سکتا۔ تم جو راہ چاہوں انتخاب کر سکتے ہو۔

[انہوں نے کہا: ہمیں اُمید نہیں کہ آپ مسلمانوں سے ہماری مدد کے لیے اجازت لیں گے اور بالفرض اگر آپ مسلمانوں کے سامنے بیان کر بھی دیں تو وہ اس کی اجازت نہیں دیں گے۔ میں نے کہا:]

پھر تم ہی بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

[انہوں نے کہا: ہم نے جو سننا تھا سن چکے۔ وہ چلے گئے۔ یہ دونوں باتیں کرتے ہوئے نکلے۔ باہر کھڑے شخص نے ان کی باتیں سن لیں۔ وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے: خدا کی قسم ہم نے علیؑ کی بیعت دل سے نہیں کی تھی بلکہ فقط زبان سے کی تھی۔

جب اس نے میرے سامنے ان دونوں کی باتیں نقل کی، میں نے اس آیت کی تلاوت کی:]

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنْكُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَوْفٰی بِمَا عٰهَدَ عَلَیْهُ اللّٰهَ فَسَیُؤْتِیْهِ اَجْرًا عَظِیْمًا﴾[1]

بالتحقیق جو لوگ آپ کی بیعت کر رہے ہیں وہ یقیناً اللہ کی بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے، پس جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ساتھ عہد شکنی کرتا ہے اور جو اس عہد کو پورا کرے جو اس نے اللہ کے ساتھ کر رکھا ہے تو اللہ عنقریب اسے اجرِ عظیم دے گا۔[2]

خلافت کی ہر قیمت پر حفاظت

[میرے کچھ مشفق اور شیعہ، خواص کی ان ناراضیوں کی جانب متوّجہ ہو چکے تھے۔ وہ میرے پاس آئے اور کہا: یا امیر المومنین! ہمارا مشورہ ہے کہ آپ کے پاس جو اموال ہیں وہ عارضی طور پر ان خواص اور قبائل کے رؤسا کے درمیان تقسیم کر دیں نیز ان کے لیے کچھ امتیازات مقرر فرما دیں۔ تا کہ مملکت کے امور کچھ بہتر ہو جائیں۔ حالات پر قابو پانے کے بعد آپ اپنی عدالت خوئی اور عدل طلبی کی

---

[1] فتح: ۱۰.

[2] الجمل: ص ۱۶۴؛ تذکرۃ الخواص: ص ۵۹؛ مناقبِ خوارزمی: ص ۱۷۸؛ الکافیۃ: ص ۱۴.

مدینہ کی جانب واپس لوٹ آیئے گا اور لوگوں کے درمیان بیت المال عادلانہ طور پر تقسیم کیجیے گا۔

[میں نے انہیں جواب دیتے ہوئے کہا:]

کیا تم چاہتے ہو کہ میں اپنی کامیابی اور اہداف تک رسائی کے لیے اس اُمّتِ اسلامیہ کے حق میں ظلم کروں جس پر میں حکومت کر رہا ہوں؟ خدا کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں، شب و روز کا سلسلہ جاری ہے اور ستارے ایک کے پیچھے ایک طلوع و غروب ہو رہے ہیں، میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا۔ اگر بیت المال خود میرے ہوتے تب بھی انہیں لوگوں کے درمیان مساوی تقسیم کرتا، چہ جائیکہ کہ یہ اموال خود لوگوں کے ہیں۔

[میری ان باتوں کے بعد حاضرینِ مجلس پر ایک طویل سکوت طاری رہا۔ پھر میں نے ہی ان الفاظ کے ساتھ مجلس کا اختتام کیا:]

تم میں سے جو بھی مال دار اور ثروت مند ہیں، وہ دھیان رکھیں کہ کہیں فساد کا شکار نہ ہو جائیں۔ جو لوگ مستحق نہیں انہیں مال بخشنا اسراف ہے۔ ممکن ہے اس طرح تم دنیا اور لوگوں کی نظر میں سخی شخص کے طور پر مشہور ہو جاؤ، لیکن خداوندِ متعال کے نزدیک ایسے شخص کا مقام پست ہو جائے گا۔ جو بھی اپنا مال خدا کی ممنوع کردہ راہ میں خرچ کرے گا اور کسی غیر مستحق کو دے گا، خدا اسے ان کی تعریف اور تشکر سے محروم کر دے گا اور ان کی محبت کسی اور کی جانب موڑ دے گا۔ اگر کوئی زبان سے شکریہ ادا بھی کرے گا اور ارادت کا اظہار کرے گا، وہ قطعی طور پر چاپلوسی ہو گی، اس میں کوئی حقیقت نہ ہو گی اور وہ جھوٹ کے سوا اور کچھ نہ ہو گا۔ پس اگر کسی دن سخی شخص ان افراد کی مدد کا محتاج ہو جائے تو یہ بدترین دوست اور سب سے زیادہ سرزنش کرنے والے رفیق ثابت ہوں گے۔

اگر کوئی اپنا مال راہِ حق میں خرچ نہیں کرتا بلکہ نااہل اور غیر مستحق افراد پر لٹاتا ہے، وہ فقط یہی فائدہ پائے گا کہ پست اور اوباش لوگ اس کی تعریفیں کریں گے۔ البتہ یہ تعریفیں بھی بس اسی وقت تک جاری رہیں گی جب تک یہ ان پر خرچ کرتا رہے گا! سچ میں جاہل افراد کی ثناگوئی کس کام کی جبکہ وہ خدا کے نزدیک بخیل شمار ہوں؟! کون سا فائدہ اس سے بدتر اور پست تر اور کون سا احسان اس سے زیادہ بے ہودہ اور بے ثمر ہو گا؟!

جو کوئی بھی اپنے مال سے نیکی انجام دینے کا ارادہ رکھتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے قریبی رشتے داروں

کا خیال رکھے، مہمان نوازی سے کام لے، غلاموں کو آزاد کروائے اور مفلسوں، غریبوں اور تہی دست افراد کی مدد کریں۔ بے شک ان خصال تک دست رسی دنیا کی سب سے برتر کرامت اور آخرت کے فضائل تک رسائی ہے۔[1]

❁ میری ذاتی زندگی

[میری بیعت ہوئے چند دن گزرے تھے۔ سُوَید بن غفلہ میری گھر آیا۔ اس نے دیکھا میرے گھر میں ایک چھوٹی چٹائی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا: یا امیر المومنین! بیت المال آپ کے ہاتھ میں ہے پھر بھی آپ کے گھر میں مجھے کوئی چیز دکھائی نہیں دے رہی سوائے بنیادی گھریلو ضروریات کے۔ میں نے اس سے کہا:]

ابنِ غفلہ! جس گھر سے کوچ کرنا لازم ہو عاقل انسان اس میں زیادہ سامان نہیں رکھتا! ہاں ہمارا ایک پُر امن گھر ہے جس کے لیے ہم بہترین متاع اور وسائل بھیج چکے ہیں اور عنقریب خود بھی اس کی جانب روانہ ہو جائیں گے۔[2]

---

[1] کافی: ج ۴، ص ۴۱؛ الغارات: ج ۱، ص ۴۸؛ الامامۃ و السیاسۃ: ص ۱۷۴؛ امالی مفید: مجلس ۲۲، ح ۶، ص ۱۷۵؛ امالی طوسی: مجلس ۷، ح ۳۳.

[2] ارشاد القلوب: ج ۱، ص ۱۵۷.

فصل پنجم:
جنگِ جمل

۱۔ طلحہ و زبیر کی عہد شکنی۔

۲۔ طلحہ و زبیر کا مکہ روانہ ہونا۔

۳۔ طلحہ و زبیر اور عائشہ کی بصرہ روانگی۔

۴۔ لوگوں کی فتنۂ ناکثین کا مقابلہ کرنے کے لیے تیاری۔

۵۔ منزلِ ربذہ پر۔

۶۔ ابو موسیٰ اشعری کی مخالفتیں۔

۷۔ اہلِ کوفہ کے نام خطوط۔

۸۔ منزلِ ذی وقار

۹۔ مخالف لشکر کو پیغام اور خطوط ارسال کیے۔

۱۰۔ دونوں لشکر آمنے سامنے۔

۱۱۔ آغازِ جنگ۔

۱۲۔ اختتامِ جنگ۔

۱۳۔ فتح و کامیابی۔

۱۴۔ فتح کے بعد۔

۱۵۔ قیدیوں کے ساتھ سلوک اور مالِ غنیمت کی تقسیم۔

۱۶۔ جنگ کی جامع تحلیل۔

۱۷۔ شہرِ بصرہ میں داخلہ۔

۱۸۔ خطباتِ بصرہ۔

۱۹۔ دوستوں کے گھر میں مہمانی۔

۲۰۔ عبد اللہ بن عباس؛ گورنر بصرہ۔

۲۱۔ جنگ کی روداد لکھ بھیجی۔

۲۲۔ کوفے میں داخلہ۔

۲۳۔ کوفے میں تربیتی لائحہ ترتیب دیا۔

۲۴۔ شہر کوفہ کے واقعات۔

۱۔ طلحہ وزبیر کی عہد شکنی

طلحہ وزبیر کا حکومت میں حصے کا مطالبہ

[بیت المال کی اوّلین تقسیم پر ہی طلحہ وزبیر جان گئے تھے کہ کسی خاص امتیاز کا کوئی پاس نہیں رکھا جائے گا۔ لہٰذا وہ ایک نئی سوچ سے میرے پاس آئے اور عثمان کے زمانے میں اپنی محرومیت کے بارے میں بات کرنے لگے۔ انہوں نے کوفہ وبصرہ کی گورنری کی درخواست کی لیکن میں نے ان سے کہا:]

میری رائے یہ ہے کہ تم دونوں میرے پاس رہو۔ تم لوگوں کو اپنے ساتھ دیکھ کر میں افتخار کرتا ہوں نیز تم لوگوں کی دوری میرے لیے پریشانی اور ناراحتی کا باعث بنے گی![1]

[انہوں نے پھر اپنی بات پر اصرار کیا۔ میں نے ان دونوں کو یاددہانی کروائی:]

جو کچھ خدا نے تمہیں لیے مقرر کیا ہے اس پر راضی رہو یہاں تک کہ میں کوئی ارادہ کروں۔ البتہ یہاں لو! جو حکومت اور امانت میرے سپرد کی گئی ہے، اس میں اپنے اصحاب میں سے کسی کو ذمہ داری نہیں دوں گا مگر یہ کہ اس کی دین داری اور امانت داری پر مطمئن ہوں اور اس کے باطن سے آگاہ۔[2]

طلحہ وزبیر حصولِ قدرت کے لیے سازش کے درپے ہوئے

[طلحہ وزبیر نے میرے لیے پیغام بھیجا: یا ابا الحسنؑ! آپ کے بارے میں ہماری رائے تبدیل ہو گئی ہے۔ اب ہم آپ پر حُسنِ ظن نہیں رکھتے! یہ ہم تھے جنہوں نے آپ کے لیے خلافت کا زمینہ فراہم کیا تھا۔ لوگوں کو عثمان کے خلاف بھڑکایا یہاں تک کہ وہ مارا گیا۔ لوگوں کے آپ کے پاس آنے سے قبل ہم نے آپ کا رُخ کیا اور دستِ بیعت آپ کی جانب دراز کیا نیز بزرگانِ عرب کی گردنیں آپ کے سامنے جھکا دیں۔ آپ کی بیعت کے وقت بہت سی سختیاں برداشت کیں اور مہاجرین وانصار کے

۱۔ شرح نہج البلاغہ: ج۱۱، ص۱۷؛ انساب الاشراف: ج۲، ص۲۱۸؛ تاریخ طبری: ج۳، ص۴۵۲.

۲۔ شرح نہج البلاغہ: ج۱، ص۲۳۱.

پیروں تلے روندے گئے لیکن خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ اپنی خود سرانہ رائے کے ساتھ ہم سے روگرداں ہو گئے، ہمیں بد ترین شکل میں چھوڑ دیا اور کنیزوں کی طرح خوار و حقیر کر دیا! اس کے مقابل مالکِ اشتر، حکیم بن جبلہ اور دیگر اعراب کو میدان دے دیا۔ اس سب میں ہمیں ہماری کوئی آرزو حاصل نہ ہو سکی، نہ اُن اُمیدوں تک پہنچ سکے جو ہم نے آپ سے باندھی تھیں!

میں نے پیغام لانے والے سے کہا:]

واپس جا کر طلحہ و زبیر سے پوچھو کہ وہ کس چیز سے راضی ہوں گے۔

[وہ جا کر واپس آیا اور بولا: انہیں کوفہ و بصرہ کی گورنری چاہیے۔ میں نے جواب میں کہا:]

نہیں، خدا کی قسم نہیں! اگر ان کی بات مان لی، بد نظمی شروع ہو جائے گی، فساد پھیل جائے گا، چاروں طرف سے شہروں پر حملے ہوں گے اور لوگوں کی امنیّت خطرے میں پڑ جائے گی۔ خدا کی قسم! یہ دونوں جب مدینہ میں ہوتے ہیں اس وقت بھی میں ان کی جانب سے امنیّت محسوس نہیں کرتا پھر ان پر اطمینان کر کے کوفہ اور بصرہ کیسے بھیج سکتا ہوں؟! ان کے پاس جاؤ اور پیغام دے دو: اے مُسن افراد! خدا کے غضب اور غصے سے ڈرو۔ مسلمانوں کے لیے ایک نئی مشکل کھڑی نہ کرو اور مکر و فریب کرنے کے درپے نہ ہو۔ تم نے خدا کا یہ کلام سن رکھا ہے جس میں وہ فرماتا ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا ۭ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾[1]

آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے بنا دیتے ہیں جو زمین میں بالا دستی اور فساد پھیلانا نہیں چاہتے اور (نیک) انجام تو تقویٰ والوں کے لیے ہے۔[2]

۞ طلحہ و زبیر حکومت کے شیفتہ و دلباختہ

[عبد اللہ بن عباس بھی طلحہ و زبیر کی مشکل سے آگاہ تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ دونوں حکومت و مقام و منزلت کے دلدادہ ہیں۔ ابنِ عباس نے مجھ سے کہا: بہتر ہے کہ زبیر کو کوفہ اور طلحہ کو بصرہ

---

1 قصص: ۸۳.

2 شرح نہج البلاغۃ: ج ۱۱، ص ۱۶.

ے دیجیے تا کہ یہ دونوں آپ کے خلاف سازشیں رچنے سے ہاتھ اٹھالیں! میں ہنسا اور ان سے
کہا:

تم کیا کہہ رہے ہو؟ کوفہ اور بصرہ میں بہت سی فوج اور کثیر اموال موجود ہیں۔ اگر ان دونوں نے ان کی حکومتیں سنبھال لیں، بے وقوف اور جاہل لوگوں کو اپنی جانب جذب کریں گے، ضعیف اور کمزور افراد کو ستائیں گے اور امیر اور قدرت مند افراد کے ساتھ مل کر سازش رچائیں گے۔

اگر کسی کو فائدہ مند یا نقصان دہ ہونے کی وجہ سے حکومتی عہدوں پر بٹھانا طے پایا تھا تو معاویہ کو شام دے دیتا۔ میں نے ان کی جو حالت دیکھی ہے نیز حکومت حاصل کرنے کے لیے ان کی حرص و طمع، اگر یہ نہ ہوتی تو شاید ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کرتا اور انہیں کوئی ذمہ داری سونپ دیتا۔[1]

---

1. الامامة والسیاسة: ج۱، ص۷۱؛ تاریخ یعقوبی: ج۲، ص۱۸.

۲۔ طلحہ وزبیر کا مکہ روانہ ہونا

۞ سفرِ عمرہ؛ فتنے کا آغاز

[طلحہ وزبیر خلوت میں موقع غنیمت دیکھ کر میرے پاس آئے اور عمرہ پر جانے کے لیے اجازت طلب کی۔ میں نے ان دونوں سے کہا:]

خدا کی قسم! تم عمرے کا نہیں بلکہ عہد شکنی کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تمہاری نیّت بصرہ جانے کی ہے!

[ان دونوں نے قسم کھائی کہ فقط عمرہ کرنے کی نیّت رکھتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا:]

پس قسم کھاؤ کہ تمہارا امورِ مسلمین کو فاسد کرنے کا کوئی قصد نہیں، نیز بیعت توڑنے اور فتنہ بر[پا] کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے!

[انہوں نے بڑی بڑی قسمیں کھائیں اور بالآخر اجازت لے لی۔ ان کے جانے کے بعد عبد اللہ بن عباس آئے اور کہا: میں نے طلحہ وزبیر سے سنا، آپ نے انہیں عمرے پر جانے کی اجازت دی ہے۔ [آپ] نے کہا:]

ہاں! انہوں نے مجھ سے عمرہ بجالانے کی اجازت مانگی تھی، میں نے بھی دے دی لیکن ان سے کئی بار عہد لینے کے بعد کہ ان کے کام میں کوئی مکر وحیلہ نہ ہو، بیعت شکنی کا ارادہ نہ رکھتے ہو اور فساد برپا نہ کریں۔ ابنِ عباس! خدا کی قسم! یہ فتنہ برپا کرنے کے سوا اور کوئی قصد نہیں رکھتے۔ گویا میں دیکھ رہا ہوں یہ دونوں مکّہ گئے ہیں اور مجھ سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں! کیونکہ یعلی بن منیہ جیسے خائن اور فاجر شخص نے عراق وایران کے اموال مکّہ منتقل کر دیے ہیں۔ وہ یہ سب مال ان دونوں کے اختیار میں دے گا تاکہ یہ اسے میرے خلاف استعمال کریں اور میرے شیعوں اور دوستوں کا خون بہائیں!

[ابنِ عباس نے پوچھا: جب آپ کو یہ اطلاعات تھیں، پھر انہیں اجازت کیوں مرحمت فرمائی اور انہیں قید میں ڈالنے کا حکم کیوں صادر نہیں فرمایا؟ میں نے جواب میں کہا:]

یا ابن عباس! انہوں نے اب تک فتنے کا آغاز نہیں کیا۔ کیا تو مجھ سے یہ چاہتا ہے کہ ظلم کا آغاز

کرنے والا بن جاؤں اور اچھے کام میں پیش قدم ہونے کی بجائے بُرے کام میں ہاتھ ڈالوں؟! کسی کو احتمال اور الزام کی بنا پر سزا دوں، اور کسی کے کچھ کرنے سے قبل اس سے دشمنوں کی طرح پیش آؤں؟! نہیں خدا کی قسم! میں اس ذمہ داری سے منہ نہیں موڑوں گا جو خدا نے مجھ پر ڈالی ہے نیز ایک لمحے کے لیے بھی عدالت اور کلامِ حق سے دُور نہیں ہوں گا۔

یا ابنِ عباس! میں نے ان دونوں کو عازمِ عمرہ ہونے کی اجازت دی ہے البتہ ان کی نیّت سے بھی آگاہ ہوں لیکن مجھے اُمید ہے کہ خدا میری مدد کرے گا اور میں اس سے نصرت طلب کرتا ہوں۔

خدا کی قسم! یہ دونوں جنگ میں قتل ہو جائیں گے۔ ان کے خیالات اور تفکرات نقش بر آب ثابت ہوں گے اور یہ دونوں اپنی آرزوؤں تک نہیں پہنچ پائیں گے! ہاں! خدا انہیں مجھ پر ظلم روا رکھنے، میری بیعت توڑنے اور میرے خلاف شورش برپا کرنے پر (موت اور رسوائی جیسی مشکلات میں) گرفتار کرے گا![1]

✱ ناکامی اور رسوائی کی موت ان کی منتظر ہے

[خبر ملی کہ طلحہ و زبیر مکّے کی راہ میں جس سے بھی ملتے ہیں اس سے کہتے ہیں: ہم نے زور زبردستی اور جبر کے ساتھ علیؑ کی بیعت کی تھی اور ایسی بیعت باطل ہے، ہماری گردن پر کوئی بیعت نہیں! میں نے بھی کہا:]

خدا ان دونوں کو اپنی رحمت سے دُور رکھے! خدا کی قسم! مجھے یقین ہے یہ دونوں جلد ہی اپنے قتل ہونے کا سامان کریں گے، وہ بھی بدترین اور خبیث ترین قسم کا قتل۔ یہ دونوں اس کو ساتھ ملائیں گے جس سے ان پُر آشوب ترین دنوں میں ملنے جاتے ہیں! خدا کی قسم! ان کی نیّت عمرے کی ہے ہی نہیں۔ یہ جھوٹے چہروں کے ساتھ میرے پاس آئے اور بیعت و عہد شکن صورتوں کے ساتھ میرے پاس سے گئے۔ خدا کی قسم! آج کے بعد میرے اور ان کے درمیان جو ملاقات بھی ہو گی وہ سخت جنگ میں ہو گی، یہ خود اس کی تلافی کریں گے اور اسی جنگ میں اپنے قتل کا سامان فراہم کریں گے۔ خدا انہیں

---

[1] الجمل: ص ۱۶۶؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۶۱؛ الخرائج والجرائح: ج ۱، ص ۱۹۹۔

اپنی رحمت سے دور بلکہ بہت دور رکھے۔[1]

٭ناراضی افراد کا فتنہ انگیزی کے لیے گٹھ جوڑ

[مکّہ سے مسلسل طلحہ وزبیر کی بیعت شکنی اور عائشہ کے ان کے ساتھ مل جانے کی خبریں موصول ہو رہی تھیں۔ یہ خبریں سب کی توجّہ کا مرکز بن چکی تھیں۔ ایسے حالات میں مَیں نے خطبہ دیتے ہوئے لوگوں سے کہا:]

خداوندِ متعال نے نبی کو ہدایت کرنے کے لیے حق کے ساتھ بولنے والی کتاب اور استوار دین کے ساتھ مبعوث کیا۔ تباہ کار کے علاوہ کوئی ہلاک نہیں ہو گا۔ بدعتیں حق کے رنگ میں نمودار ہوئی ہیں اور اُمّت کی تباہی کا موجب بنیں گی۔ خدا ہمیں ان سے امان میں رکھے [لیکن پریشان نہ ہو؛ کیونکہ] خدا کی جانب سے قائم حکومت تمہاری محافظ ہے۔ لہٰذا بغیر کسی نفاق اور کراہت کے حکمِ الٰہی کے سامنے تسلیم ہو جاؤ۔ خدا کی قسم! یہی صحیح راہ ہے۔ اگر تم نے سستی دکھائی، خدا تم سے حکومتِ اسلامی چھین لے گا اور اس کے بعد پھر یہ تمہیں کبھی واپس نہیں دے گا بلکہ اسے دوسروں کے ہاتھ میں تھما دے گا۔

عہد شکن ناکثین جن میں سے ہر ایک مجھ سے قدرت (طلبی) کی وجہ سے ناراض ہے، اب ایک دوسرے سے جا ملے ہیں۔ جہاں تک مجھے تمہاری وحدت اور خود تمہارے لیے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو گا، صبر سے کام لوں گا۔ اگر ان لوگوں کو اپنی آرزوئیں پوری کرنے کی فرصت مل گئی، یہ اسلامی نظام کو متزلزل اور مسلمانوں کے امور تتر بتر کر دیں گے۔ جس شخص کو خدا نے حکومت سے نوازا یہ لوگ اس سے حسد کی وجہ سے طلبِ دنیا میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ ماضی کی طرح امور چلانا چاہتے ہیں۔ تمہارا ہماری گردن پر یہ حق ہے کہ ہم کتابِ خدا اور سنّتِ رسول ﷺ پر عمل کریں اور حق کے ساتھ قیام اور سنّتِ رسول ﷺ کا اجراء کریں۔[2]

---

[1] شرح نہج البلاغۃ: ج ۱، ص ۲۳۲؛ الامامۃ والسیاسۃ: ص ۸۱؛ تاریخ یعقوبی: ج ۲، ص ۱۸۰؛ الجمل: ص ۴۳۶؛ کشف الیقین: ص ۱۵۲۔

[2] نہج البلاغۃ: خطبہ ۱۶۹؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۴۶۶۔

سازشی عناصر سے لوگوں کو خبردار کیا

[کمے میں طلحہ وزبیر اور عائشہ لوگوں کو میرے خلاف شورش کرنے پر ورغلا کر بصرے کی جانب حرکت کرنے کے لیے تیار کر رہے تھے۔ میں نے لوگوں کو ان کے مقابلے پر تیار کرنے کے لیے خطبہ دیا]

خداوندِ متعال نے محمد ﷺ کو تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا اور انہیں عالمین کے لیے رحمت بنایا۔ انہوں نے بھی اپنی ذمہ داری بہترین انداز میں نبھائی اور اپنے رب کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔ خدا نے ان کے وجود کی برکت سے بگڑے ہوئے حالات کو منظم کر دیا، پراگندہ افراد کی شیرازہ بندی فرمائی، ایک دوسرے سے جدا افراد کو جوڑ دیا، راہوں کو پُرامن بنا دیا اور لوگوں کے خون محفوظ کر دیے۔ خدا نے ان سے ذریعے سے دشمنوں کے درمیان دوستی اور اُلفت پیدا کی اور دلوں میں افروختہ کینے کی آگ کو بُجھا دیا۔ پھر اس نے انہیں اپنی جناب میں بلا لیا، اس حال میں کہ ان سے کمال درجہ راضی تھا کیونکہ انہوں نے خدا کی رسالت کے کسی بھی امر میں کوتاہی نہیں کی تھی نہ تبلیغِ رسالت میں کوئی کمی چھوڑی تھی۔

رسول اللہ ﷺ کے گزر جانے کے بعد ان کی جانشینی کے مسئلے میں ناگوار مسائل رُونما ہوئے، عجیب قسم کی کشمکش لاحق ہوئی۔ یہاں تک کہ ابوبکر نے زمامِ خلافت ہاتھ میں لے لی پھر اس کے بعد عمر آیا اور اس کے بعد عثمان مسند نشینِ خلافت ہوا۔ عثمان کے دور کے واقعات اور اس کی روداد کے بارے میں تم کافی اطلاع رکھتے ہو۔ پھر تم میری تلاش میں آئے اور مجھ سے بیعت قبول کرنے کی درخواست کی۔ لیکن میں بیعت قبول نہ کرتا تھا لیکن تم اصرار کیے جاتے تھے۔ میں نے اپنی مُٹھی سختی سے بند کر رکھی تھی لیکن تم نے اسے کھولا۔ میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا لیکن تو نے اسے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ تم بیعت کے لیے میرے گرد اس طرح جمع ہو گئے تھے جیسے پیاسے اونٹ تالاب کے گرد اکٹھے ہوتے ہیں۔ تم نے ایسا ہجوم کیا کہ مجھے دھکّم پیل کی وجہ سے اپنے یا تمہارے اژدہام میں سے کسی شخص کے (کچل کر) مرنے کا خیال ہونے لگا۔ بالآخر میں نے اپنا ہاتھ کھولا اور تم لوگوں نے مکمل اختیار کے ساتھ میری بیعت کی۔

طلحہ وزبیر نے سب سے پہلے میری بیعت کی۔ انہوں نے بغیر کسی جبر واکراہ کے مکمل آزادی کے

ساتھ میری بیعت کی لیکن بیعت کے بعد زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ مجھ سے عمرے پر جانے کی اجازت طلب کرنے آئے۔ خدا جانتا ہے کہ یہ اُس وقت بھی فریب دہی اور مکر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ میں نے اِتمامِ حُجّت کے لیے ان سے تجدیدِ عہد لیا تاکہ یہ اُمّت اسلامیہ میں کوئی فتنہ برپا نہ کریں۔ انہوں نے بھی عہد کیا تھا کہ اپنے وعدے وفا کریں گے لیکن پھر بھی وعدہ وفا نہ کیا اور بیعت توڑ ڈالی۔ تعجب خیز بات ہے کہ یہ بے وفا افراد ابو بکر اور عمر کے مقابل مطیع اور رام رہے لیکن میری مخالفت میں اٹھ کھڑے ہوئے! جبکہ میں ان دو سے کمتر نہیں ہوں اور اگر چاہوں تو (جو کہنا چاہتا ہوں) کہہ سکتا ہوں...

پروردگارا! انہوں نے جو میرا حق پائمال کیا اس کا فیصلہ فرما، انہوں نے میرے امر کو چھوٹا شمار کیا۔ بارالٰہا! مجھے ان پر فتح عنایت فرما۔[1]

---

[1] الارشاد: ج ۱، ص ۲۴۴؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۶۱.

۳۔ طلحہ وزبیر اور عائشہ کی بصرہ روانگی

٭ کل کے قاتلانِ عثمان، آج کے منتقمِ خونِ عثمان

[مجھے طلحہ وزبیر اور عائشہ کے بصرہ کی سمت حرکت کرنے کی خبر ملی۔ معلوم ہوا کہ وہ خونِ عثمان کے انتقام کا نعرہ لگا رہے ہیں۔ اس وقت میں نے منبر پر جا کر یہ خطبہ دیا:]

جب خدا نے رسول اللہ ﷺ کو ہمارے درمیان سے اٹھایا اور آپ اس دنیا سے رخصت ہوئے، قریش نے خلافت کے معاملے میں پیش قدمی کی اور زمامِ خلافت اپنے ہاتھ میں لے لی تو انہوں نے ہمیں ہمارے اس حق سے محروم کر دیا جس کے ہم باقی تمام افراد کی نسبت زیادہ سزاوار تھے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسے حالات میں مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے اور ان کی خون ریزی کا زمینہ فراہم کرنے سے صبر کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ لوگ تازہ مسلمان ہوئے تھے اور دین تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس وقت کسی بھی قسم کا ضعف یا بے تدبیری اس کے تزلزل کا اور ذرا سی عقب نشینی ان کے زیادہ ہو جانے کا موجب بنتی۔ بہر حال ایک گروہ نے حکومت ہتھیا لی، اپنی آخری حد تک کوششیں کرتے رہے اور اس کے بعد اس خانۂ آخرت کی جانب منتقل ہو گئے جو اجر و پاداش لینے کی جگہ ہے اور اس وقت بھی گناہوں کا مداوا نیز خطاؤں کی بخشش خدا کے ہاتھ میں ہے۔

لیکن طلحہ وزبیر جنہیں اس حکومت میں کوئی حق حاصل نہیں، انہوں نے میری حکومت پر ایک سال تو کیا ایک ماہ بھی صبر نہیں کیا اور میرے خلاف شورش برپا کر کے دائرۂ حق سے خارج ہو گئے اور میری مخالفت پر اتر آئے؟ انہوں نے ایسے امر میں زبانِ اعتراض کھولی جس میں خدا نے ان کے اعتراض کے لیے کوئی محل نہیں رکھا تھا کیونکہ انہوں نے بغیر کسی جبر و اکراہ اور مکمل آزادی اور اختیار کے ساتھ میری بیعت کی تھی۔ یہ اس ماں کے پستان سے دودھ نکالنا چاہتے ہیں جس کا دودھ خشک ہو چکا ہے اور اس بدعت کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جو مدّتوں پہلے دم توڑ چکی ہے۔ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے خونِ عثمان کے انتقام کی خاطر قیام کیا ہے؟ خونِ عثمان کا جوابدہ خود انہیں ہونا چاہیے! سچ میں یہ خود

ہی اپنے خلاف سب سے بڑی دلیل اور حجّت ہیں۔
میں حجّت خدا کے ان کے خلاف ہونے اور ان کے بارے میں سُنّت الٰہی پر راضی ہوں۔ اگر یہ اس راہِ خطا سے واپس لوٹ آئیں جس پر یہ چل نکلے ہیں اور توبہ کر لیں تو اپنی زندگی کا حصّہ پالیں گے اور قتل ہونے کا خطرہ اپنے سروں سے ٹال دیں گے لیکن اگر اپنی ضد اور لجاجت پر اڑے رہے اور اپنی مخالفتیں جاری رکھیں تو میں ان کا جواب تلوار سے دوں گا۔ ہاں! حق کی مدد اور باطل کی شکست کے لیے تلوار کافی ہوتی ہے۔[1]

شورش کا آغاز

[میں نے سرکاری سطح پر طلحہ و زبیر کے بصرہ کی جانب بڑھنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا:]

اما بعد! مجھے خبر ملی ہے کہ طلحہ و زبیر نکل پڑے ہیں اور انہوں نے اپنی شورش کا آغاز کر دیا ہے۔ عائشہ جسے رسول اللہ ﷺ نے گھر میں خانہ نشین رہنے کا حکم دیا تھا، ان دونوں نے اسے بھی اپنے ہمراہ کر لیا ہے اور اس کی تحقیر اور خواری کے اسباب بھی فراہم کر دیے ہیں۔ یہ دونوں آزاد شدہ افراد کی اولادوں[2] کو میدان میں لے آئے ہیں اور خونِ عثمان کے انتقام کے بہانے سے لوگوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔ یہ دونوں وہی ہیں جو لوگوں کو عثمان کے خلاف شورش کرنے پر اکساتے رہے اور اس کے سر پر وہ مصیبتیں نازل کروائیں (جو ہوئیں)۔ طلحہ و زبیر اس شورش سے لوگوں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا کر داخلی جنگ چھیڑنا چاہتے ہیں۔ پروردگارا! ان دونوں کے شر سے نجات عنایت فرما اور ان دونوں کو سزا دے۔[3]

فتنے کا مقابلہ کرنے کے لیے لوگوں کو دعوت دی

[میں نے لوگوں کے سامنے ایک اور خطبہ دیا جس میں اختلافات کی اصل بنیاد پر بات کرتے

---

[1] شرح نہج البلاغۃ: ج ۱، ص ۳۰۸؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۶۱۔

[2] آزاد شدہ افراد کی اولادوں سے مراد وہ افراد ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد معاف فرما کر اسیر ہونے سے بچایا تھا۔

[3] امالی طوسی: مجلس ۴۳، ح ۲، ص ۱۵۷۔

...کہا:]

جس وقت خدا نے انسانوں کو خلق کیا، ان میں سے ایک گروہ کو جو بہترین تھے انتخاب کیا، اس نے ان میں سے کچھ پاک لوگوں کو اپنے لیے چنا اور ان میں سے ایک پیغمبر کو مبعوث فرمایا، اپنی کتاب اس پر نازل کی اور اپنا دین بعنوانِ شریعت معیّن فرما کر اس کے واجبات کا تعیّن فرمایا۔ کلامِ الٰہی کا خلاصہ اس آیت میں بیان ہوا ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ﴾[1]

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو صاحبانِ امر ہیں ان کی اطاعت کرو۔

یہ آیت فقط ہم اہل بیتؑ سے مختص ہے نہ کہ ہمارے علاوہ کسی دوسرے سے لیکن ماضی میں تم الٹے پیر واپس ہو گئے، اس آیت کو پس پشت ڈال دیا، پیمان شکنی کی اور اپنے عہد کو پیروں تلے روند ڈالا لیکن تمہارے اس کام سے خدا کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ [بلکہ نقصان تو خود تمہارا ہوا ہے]۔ خدا نے تمہیں حکم دیا تھا کہ امر کو خدا اور اس کے رسول ﷺ کی جانب پلٹانا اور اس اولی الامر کو امر سونپنا جو حقیقت سے واقف ہے۔ ابتداء میں تم نے قبول کیا لیکن بعد میں منکر ہو گئے جبکہ خدا نے تم سے فرمایا تھا:

﴿وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ اِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ﴾[2]

اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا اور تم لوگ صرف مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

بے شک آلِ ابراہیمؑ، صاحبانِ کتاب و حکمت و ایمان ہیں۔ خدا نے لوگوں کو ان کا تعارف کروایا، لیکن ان سے حسد کیا گیا۔ ارشادِ ربُّ العزّت ہے:

﴿اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَیْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَیْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِیْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰی بِجَهَنَّمَ سَعِیْرًا﴾[1]

---

1. نساء: ۵۹.
2. بقرہ: ۴۰.

کیا یہ (دوسرے) لوگوں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے ... (اگر ایسا ہے) تو ہم نے آلِ ابراہیمؑ کو کتاب و حکمت عطا کی اور انہیں عظیم سلطنت ... ان میں سے کچھ اس پر ایمان لے آئے اور کچھ نے روگردانی کی اور (ان کے لیے) ... آگ ہی کافی ہے۔

ہاں! جان لو کہ ہم وہ آلِ ابرہیم ہیں جن سے حسد کیا گیا۔ ویسے ہی جیسے ... حسد کیا گیا تھا۔ پہلے انسان جن سے حسد کیا گیا جناب آدم تھے، جنہیں خدا نے اپنے ... فرمایا تھا، اپنی روح ان کے کالبد میں پھونکی، ملائکہ کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا، تمام ... اور عالمین پر فضلیت بخشی۔ شیطان سے ان سے حسد کیا۔ جس کے نتیجے میں زیاں ... بعد قابیل نے ہابیل سے حسد کیا اور اپنے ہاتھ ان کے خون سے رنگین کر لیے۔

جناب نوح علیہ السلام سے ان کی قوم نے حسد کیا۔ قوم نے کہا:

﴿مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ... مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴾[2]

یہ تو بس تم جیسا بشر ہے، وہی کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو ... اپنے جیسے کسی بشر کی اطاعت کی تو بے شک تم خسارے میں رہو گے۔

صاحبِ فضیلت شخص کا انتخاب خدا کی ذمہ داری ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے برتری سے ... رحمت سے مخصوص کرتا ہے نیز جسے چاہتا ہے علم و حکمت عطا کرتا ہے۔

اس کے بعد ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حسد کیا۔ جان لو! ہم وہ اہل بیتؑ ہیں جن سے ... اور پلیدی کو دُور رکھا ہے اور ہم ہیں وہ جماعت ہیں جن سے ان کے اجداد کی طرح حسد کیا گیا ...

﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ﴾[3]

ابراہیم سے نسبت رکھنے کا سب سے زیادہ حق ان لوگوں کو پہنچتا ہے جنہوں نے ان کی ...

---

[1] نساء: ۵۴و۵۵.

[2] مومنون: ۳۳و۳۴.

[3] آل عمران: ۶۸.

اور اب یہ نبی۔ نیز فرمایا:

﴿وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ [1]

اور اللہ کی کتاب میں خونی رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔

پس ہم انسانوں میں سب سے زیادہ جناب ابراہیم علیہ السلام کے نزدیک ہیں۔ ہم وارثِ ابراہیم، اولوا الارحام، وارثِ کعبہ اور آلِ ابراہیم ہیں۔ کیا تم دینِ ابراہیمی سے منہ موڑ رہے ہو؟ جبکہ خدا نے ابراہیم کی زبانی نقل کیا ہے:

﴿فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ﴾ [2]

پس جو شخص میری پیروی کرے وہ میرا ہے۔

اے لوگو! میں تمہیں خدا اور اس کے رسول، کتابِ خدا اور اس کے ولیٔ امر کی جانب دعوت دیتا ہوں۔ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے بعد ان کے وارث کی جانب بلاتا ہوں۔ پس ہماری دعوت کا مثبت جواب دو اور آلِ ابراہیم کی پیروی کرتے ہوئے ہماری پیروی کرو۔ کیونکہ آلِ ابراہیمؑ کے حق کا پاس رکھنا سب پر واجب ہے۔ تمام لوگوں کے قلوب ہماری جانب مائل ہیں اور یہ ابراہیمؑ کی وہی دعا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا:

﴿فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ [3]

تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے۔

کیا خدا اور اس کی کتاب پر ایمان رکھنے کے سوا ہماری کوئی اور جرم ہے؟! تفرقے سے پرہیز کرو تاکہ گمراہی کا شکار نہ ہو۔ خداوندِ متعال گواہ ہے کہ میں نے تمہیں خبردار کر دیا ہے، تمہیں حق کی جانب دعوت دی ہے اور جس چیز میں تمہاری ہدایت تھی وہ بیان کر دی ہے۔ اب تم خود جانو۔ انتخاب تمہیں خود کرنا ہے۔ [4]

---

[1] انفال:۷۵، احزاب:۶.

[2] ابراہیم:۳۶.

[3] ابراہیم:۳۷.

[4] الاحتجاج:ج۱، ص ۱۶۰.

۴۔ لوگوں کی فتنہ ناکثین کا مقابلہ کرنے کی تیاری

❁ فتنہ گروں سے نمٹنے کے لیے احباب سے مشورہ

[اپنے احباب سے فتنہ گروں کے بارے میں مشورہ کیا۔ عمار یاسر کا کہنا تھا ہمیں کوفے کی سمت جانا چاہیے۔ ابنِ عباس نے کہا کہ پہلے کسی کو بیعت لینے کی غرض سے کوفے بھیجا جائے اس کے بعد وہاں کے ارادے سے نکلا جائے۔ ابنِ عباس نے اُمِ سلمٰہ کو ساتھ رکھنے کی متعدد بار تاکید کی۔ میں نے اس کے جواب میں کہا:]

درست یہی ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلوں اور ان کا تعاقب کروں۔ اگر راستے میں ان تک پہنچ گیا تو انہیں آگے بڑھنے سے روکوں گا اور اگر ان تک نہ پہنچ سکا تو اہلِ کوفہ کو خط لکھوں گا نیز دوسرے شہروں سے بھی فوجی امداد طلب کروں گا اور پھر ان کی طرف مقابلہ کی غرض سے جاؤں گا۔ زوجہ رسول ﷺ جناب اُمِ سلمٰہ کے بارے میں کہوں گا کہ ان کا گھر سے باہر نکلنا روا نہیں۔ ہر چند کہ طلحہ و زبیر نے عائشہ کو گھر سے باہر نکال، میدان میں لا کھڑا کیا ہے۔

[اس گفتگو کے بعد بلند آواز میں لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:]

روانگی کے لیے تیار ہو جاؤ کیونکہ طلحہ و زبیر نے بیعت توڑ ڈالی ہے، عہد و پیمان شکنی کی، عائشہ کو اس کے گھر سے باہر نکالا اور اب انہوں نے بصرہ کا ارادہ کر رکھا ہے تاکہ وہاں جا کر فتنہ برپا کریں اور مسلمانوں کے خون سے ہولی کھلیں۔

[میں نے اپنے ہاتھ آسمان کی جانب بلند کیے اور (بارگاہِ خدا میں) عرض کی:]

بارِ الہا! ان دو مردوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے، اپنا عہد توڑا ہے اور بغیر کسی حق کے مجھ سے جنگ پر تل گئے ہیں۔ پروردگارا! ان سے اس ظلم کی وجہ سے جو انہوں نے مجھ پر روا رکھا ہے باز خواست فرما، میری ان دونوں کے مقابل نصرت فرما اور ان پر کامیابی و فتح سے نواز۔[1]

---

[1] الجمل: ص ۲۳۹.

فتنہ گروں کے ساتھ نرمی اور تساہل! ہر گز نہیں!

[ساتھ اٹھنے بیٹھنے والوں میں ایسے بھی تھے جن کی رائے کچھ اور تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ فی الحال طلحہ و زبیر کے تعاقب میں نہ نکلا جائے اور جنگ میں پڑنے سے پرہیز کیا جائے۔ میں نے ان سے کہا:]

خدا کی قسم! میں اس بجو کے مانند نہیں ہو سکتا جس کا شکاری مسلسل (دروازہ) کھٹکھٹاتا رہتا ہے اور وہ آنکھ بند کئے پڑا رہتا ہے، یہاں تک کہ گھات لگانے والا اسے پکڑ لیتا ہے۔ میں حق کی طرف آنے والوں کے ذریعے انحراف کرنے والوں پر اور اطاعت کرنے والوں کے سہارے معصیت کا رشک کرنے والوں پر مسلسل ضرب لگاتا رہوں گا یہاں تک کہ میرا آخری دن آجائے۔

خدا گواہ ہے کہ میں ہمیشہ اپنے حق سے محروم رکھا گیا ہوں اور دوسروں کو مجھ پر مقدّم کیا گیا ہے جب سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہوا ہے اس دن سے آج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔[1]

فتنہ گروں کے خلاف جنگ لڑنے کی دعوت

[میں نے لوگوں سے کہا:]

اے لوگو! خدا نے ہمیں کتاب دی ہے جس کا بیان واضح ہے۔ وہ بیانِ حقیقت میں صراحت سے ہدایت کرنے والی ہے۔ فقط گمراہیوں میں غوطہ زن افراد اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ جان لو کہ بدعتیں اور شبہات پیدا کرنا نابودی اور بدبختی کا مقدمہ ہوتے ہیں مگر یہ کہ خدا حفاظت فرمائے۔ اگر نجات اور سعادت حاصل کرنا چاہتے ہو تو اس تک فقط حاکمیتِ الٰہی کے سائے میں پہنچ سکتے ہو۔ پس اپنی تمام تر کوششیں خدا کی اطاعت میں صرف کرو۔ اِس وقت جنگ کے لیے تیار رہو اور ان افراد سے مقابلے کے لیے نکلو جو تمہارے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ اُمید ہے خدا تمہارے ہاتھوں سے سرپیچی کرنے والوں کی اصلاح فرمائے گا۔ جان لو کہ طلحہ و زبیر میری دشمنی میں اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ میرے دوستوں کے خلاف کام کر رہے ہیں اور لوگوں کو میرے خلاف جنگ پر اکسا رہے ہیں۔ میں نے ان کے مقابلے پر نکلنے اور ان کے ساتھ وہ سلوک کرنے کا ارادہ کر لیا ہے جسے اپنانا لازم ہے یہاں تک کہ خدا میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ والسلام۔[1]

نہج البلاغہ: خطبہ ۶؛ الفصول المہمۃ: ص ۷۱.

فتنہ گروں سے جنگ؛ صبر اور بصیرت کی طلبگار

[لوگوں کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے کہا:]

حمد اس اللہ کی جس نے حضرت محمد ﷺ کو اُس دور میں بھیجا جب عرب میں نہ کوئی کتاب پڑھنا جانتا تھا اور نہ کوئی نبوّت اور وحی کا اِدّعا کرنے والا تھا۔ آپ نے اطاعت گزاروں کے سہارے نافرمان بردار افراد سے جہاد کیا کیونکہ آپؐ انہیں منزلِ نجات کی طرف لے جانا اور قیامت کے آنے سے پہلے ہدایت دے دینا چاہتے تھے۔ جب کوئی تھکا ماندہ رک جاتا تھا اور کوئی لوٹا ہوا ٹھہر جاتا تھا تو اس کے سر پر کھڑے ہو جاتے تھے تاکہ اسے منزل تک پہنچا دیں مگر یہ کہ کوئی ایسا لاخیرا ہو جس کے مقدر میں ہلاکت ہو۔ یہاں تک کہ آپ نے لوگوں کو مرکزِ نجات سے آشنا کیا اور انہیں ان کی منزل تک پہنچا دیا، ان کی چکی چلنے لگی اور ان کے ٹیڑھے لوگ سیدھے ہو گئے۔

خدا کی قسم! میں بھی ان کے ہانکنے والوں میں سے تھا یہاں تک کہ وہ مکمل طور پر پسپا ہو گئے اور اپنے بندھنوں میں جکڑ دیئے گئے۔ اس درمیان میں میں نہ کمزور ہُوا نہ بزدلی کا شکار۔ نہ میں نے خیانت کی اور نہ سستی کا اظہار۔ خدا کی قسم! میں باطل کا پیٹ چاک کر کے اس کے پہلو سے حق کو برحال نکال لوں گا۔[2]

خدا کی قسم! طلحہ و زبیر اور ان کے پیروان نے نہ میری کسی واقعی برائی کی گرفت کی ہے اور نہ میرے اور اپنے درمیان انصاف کا معاملہ رکھا ہے۔ یہ ایک ایسے حق کا مطالبہ کر رہے ہیں جس کو خود انہوں نے نظر انداز کیا ہے اور ایسے خون کا بدلہ چاہتے ہیں جسے خود انہوں نے بہایا ہے۔ اگر میں اس معاملہ میں شریک تھا تو ایک حصّہ اِن کا بھی ہو گا اور اگر یہ تنہا ذمہ دار تھے تو مطالبہ خود انہیں سے کرنا چاہیے اور سب سے پہلے انہیں اپنے خلاف فیصلہ سنانا چاہیے۔

میرے ساتھ میری بصیرت ہے، نہ میں نے خود کو دھوکے میں رکھا ہے اور نہ مجھے دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔ یہ لوگ ایک باغی گروہ ہیں جن میں میرے قرابتدار بھی ہیں اور بچھو کا ڈنک بھی ہے اور

---

[1] الفتوح: ج۱، ص۹۹.

[2] نہج البلاغۃ: خطبہ ۱۰۴؛ الارشاد: ج۱، ص۲۴۸؛ شرحِ نہج البلاغۃ: ج۱، ص۲۳۳.

پھر حقائق کی پردہ پوشی کرنے والے شبہات بھی ہیں حالانکہ مسئلہ بالکل واضح ہے اور باطل اپنے مرکز سے ہٹ چکا ہے اور اس کی زبان شور و شغب کے سلسلہ میں کٹ چکی ہے۔

خدا کی قسم! میں ان کے لیے ایسا حوض چھلکاؤں گا جس سے پانی نکالنے والا بھی میں ہی ہوں گا۔ یہ نہ اس سے سیراب ہو کر جا سکیں گے اور نہ اس کے بعد کسی تالاب سے پانی پینے کے لائق رہ سکیں گے۔[1]

دیکھو! تمہارے اور اہل قبلہ مسلمانوں کے درمیان جنگ کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔ اب اس علم کو وہی اٹھائے گا جو صاحبِ بصیرت، صابر اور حق کے مراکز کا پہچاننے والا ہو گا۔ تمہارا فرض ہے کہ میرے احکام کے مطابق قدم آگے بڑھاؤ اور میں جہاں روک دوں وہاں رک جاؤ۔ اور خبر دار کسی مسئلے میں بھی تحقیق کے بغیر جلد بازی سے کام نہ لینا کیونکہ جن معاملات میں تم پرہیز کرتے ہو ان میں مجھے تغیّرات کا اندیشہ رہتا ہے۔[2]

نہج البلاغۃ: خطبہ ۱۳۷؛ الاستیعاب: ج۲، ص۳۱۸؛ الارشاد: ج۱، ص۲۵۱؛ اسد الغابۃ: ج۳، ص۸۷.

نہج البلاغۃ: خطبہ ۱۷۳.

۵۔ منزلِ ربذہ

گورنر بصرہ کو خط بھیجا

[لشکر میں شامل ہونے والے مہاجرین و انصار اور یاور و مددگار افراد کے ساتھ ہم نے مدینہ سے کوچ کیا۔ منزلِ ربذہ پر پہنچ کر اپنے عامل اور گورنر عثمان بن حُنیف انصاری کو خط لکھا:]

بندۂ خدا امیر المومنین علیؑ کی جانب سے عثمان بن حُنیف کے نام!

اما بعد! ظلم روا رکھنے والے وہ شورشی جنہوں نے خدا کے ساتھ کیا عہد توڑ ڈالا، تیرے شہر کے قصد سے روانہ ہو چکے ہیں۔ یہ شیطان کے تحتِ تسلّط رہتے ہوئے ایسی چیز کے خواہاں ہیں جس سے خدا راضی نہیں:

﴿وَ اللّٰهُ اَشَدُّ بَأْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِيْلًا﴾[1]

اور اللہ بڑا طاقت والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔

جب وہ تیرے پاس پہنچیں انہیں اطاعت کی جانب لوٹنے اور ہم سے کیے عہد کو وفا کرنے کی جانب دعوت دے۔ اگر وہ قبول کریں تو ان سے اچھی طرح پیش آنا اور جب تک تیرے پاس رہیں ان کا احترام کرنا۔ اگر قبول نہ کریں اور عہد شکنی نیز تفرقہ افگنی کی رسّی کے علاوہ کسی چیز سے متمسک نہ ہوں، تو بھرپور انداز میں ان سے جنگ کرنا یہاں تک کہ خدا تیرے اور ان کے درمیان فیصلہ فرمائے اور خدا بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

میں نے یہ خط ربذہ سے لکھ کر تجھے بھیج رہا ہوں اور بڑی تیزی سے تیری طرف ہی آرہا ہوں۔ ان شاء اللہ۔[2]

---

[1] نساء: ۸۴.

[2] شرحِ نہج البلاغہ: ج۹، ص ۳۱۲.

شورشیوں کے مقابل ڈٹ جانا لازم ہے

[ابھی ہم ربذہ میں ہی تھے کہ گورنر بصرہ کا خط موصول ہوا۔ خط میں لشکرِ جمل کے بصرہ پہنچ جانے کی خبر تھی۔ میں نے اس کے جواب میں لکھا:]

اگر دشمن اطاعت قبول کرے تو یہی ہمارا مُدّعا ہے اور اگر معاملات افتراق اور نافرمانی کی منزل کی طرف بڑھیں تو تم اپنے اطاعت گزاروں کو لے کر شورشیوں کے مقابلہ اٹھ کھڑے ہو اور اپنے فرمانبرداروں کے وسیلہ سے انحراف کرنے والوں سے بے نیاز ہو جاؤ کہ بادلِ ناخواستہ حاضری دینے والوں کی حاضری سے غیبت بہتر ہے اور ان کا بیٹھ جانا ہی اُٹھ جانے سے زیادہ مفید ہے۔[1]

اہلِ جمل کا بصرہ میں قتل وغارت کا بازار گرم کرنا

[افسوس! اہلِ جمل نے لوگوں کو قتل کرنا اور ان کے اموال لوٹنا شروع کر دیے۔ انہوں نے حکیم بن جبلّہ اور شیعوں میں سے ایک گروہ کو قتل کر دیا، بیت المال کے محافظ کو تہہ تیغ کر دیا، عثمان بن حنیف کو زدوکوب کیا۔ میں نے اپنے اہلِ لشکر کو یہ خبر دیتے ہوئے کہا:]

مجھ تک ایک اہم اور ہلا دینے والی خبر پہنچی ہے: طلحہ وزبیر شہر بصرہ میں داخل ہو گئے ہیں، میرے گورنر پر حملہ کر کے اور اسے اتنی بری طرح زدوکوب کیا ہے کہ معلوم نہیں وہ زندہ ہے یا دنیا سے چل بسا ہے۔ انہوں نے خدا کے صالح بندے حکیم بن جبلّہ کو بھی کچھ دیگر نیک اور صالح مسلمانوں کے ساتھ قتل کر دیا ہے۔ ہاں! ان شہداء نے اپنے خدا سے اس حالت میں ملاقات کی کہ وہ اپنی بیعت پر استوار تھے اور راہِ حق میں ثابت قدم۔ طلحہ وزبیر بیت المال پر بھی حملہ کر چکے ہیں۔ پہلے انہوں نے اس کے محافظ کو اسیر کیا اور پھر بڑے دردناک انداز میں قتل کر دیا ہے۔[2]

قریشی ہم سے انتقام لے رہے ہیں

حاجیوں کا ایک قافلہ چلتے ہوئے ربذہ میں داخل ہوا۔ انہوں نے اس تازہ فتنے کے حوالے سے میرے خیالات سے آگاہی کی درخواست کی۔ میں اس وقت اپنے خیمے میں بیٹھا اپنا جوتا ٹانک رہا تھا۔

---

1. نہج البلاغہ: خط ۴۔
2. ...: ص ۱۷۔

عبد اللہ بن عباس داخل ہوئے۔ جب انہوں نے مجھے جوتے کی مرمت کرتے دیکھا، تعجب سے کہنے لگے: آپ جس کام میں مصروف ہیں ہمیں اس سے زیادہ اپنے امور کی اصلاح کے لیے آپ کی ضرورت ہے!

میں نے اپنا کام ختم ہونے تک اس کا جواب نہیں دیا۔ پھر جوتے اس کے سامنے رکھ کر کہا: ان جوتوں کی کیا قیمت لگاؤ گے۔ اس نے کہا: ان کی کوئی ارزش نہیں! میں نے کہا: کوئی نہ کوئی قیمت تو ہو گی۔ اس نے کہا: ایک درہم سے بھی کم۔ میں نے اس سے کہا:]

خدا کی قسم! میرے لیے تمہاری حکومت سے زیادہ جوتے کا یہ جوڑا قیمتی ہے، مگر یہ کہ حق قائم کر سکوں یا کسی باطل کا راستہ روک سکوں۔

[میں خیمے سے باہر آیا اور حاجیوں کے لیے خطبہ دیتے ہوئے کہا:]

خدا کی حمد و ثنا کے بعد، بے شک خدا نے محمد ﷺ کو اس وقت مبعوث کیا جب عرب میں کوئی کتاب پڑھنا نہیں جانتا تھا اور نہ اس وقت کوئی مُدّعِیِ نبوّت تھا۔ آپؐ نے لوگوں کو ہر اُس راہ کی ہدایت فرمائی جس میں ان کی کامیابی اور فلاح مضمر تھی۔ خدا کی قسم! میں ہمیشہ اُن کے ساتھ ساتھ رہا، نہ دگرگوں ہُوا، نہ خیانت کی۔ یہاں تک کہ تمام دشمنانِ دین پراگندہ ہو کر راہِ فرار اختیار کر گئے۔

میرا قریش سے کیا لینا دینا؟! خدا کی قسم! جب یہ کافر تھے، میں نے ان کے ساتھ جنگ کی اور اس وقت بھی ان کے ساتھ جنگ کروں گا جب یہ فتنہ و فساد کی راہ چُن چکے ہیں... جو راہ میں ان کے مقابلے کے لیے طے کر رہا ہوں یہ ان کا مجھ سے باندھا ہوا عہد ہے۔ خدا کی قسم! باطل کو اس طرح شگافتہ کروں گا کہ اس کے پہلو سے حق باہر آجائے۔ قریش ہم سے کینہ رکھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ خدا نے ہمیں ان پر فضیلت دی ہے اور ہم نے انہیں اپنا محکوم بنایا ہے۔

[میں نے یہ شعر بھی پڑھے:]

مجھے میری جان کی قسم! خالص دودھ پینا گناہ ہے اور دودھ پینا یا بغیر گٹھلی کے کھجور کھانا بھی [نیز کفرانِ نعمت کرنا اور ہماری قدر و منزلت نہ جاننا بھی]۔

جبکہ یہ بلند مرتبہ اور جاہ و جلال ہم نے تجھے بخشا ہے؛ ورنہ تُو کہاں بلند مرتبے کا حامل تھا اور یہ ہم

تھے جنہوں نے تیرے ارد گرد بال کٹے گھوڑے اور نیزے فراہم کیے تھے۔[1]

: ج ۱، ص ۲۴۷؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۲، ص ۱۸۵؛ مجموعۃ الورام: ج ۲، ص ۹.

۶۔ ابو موسیٰ اشعری کی مخالفتیں

❁ گورنر کوفہ ابو موسیٰ اشعری کی مخالفتیں اور حکم عدولی

[عبد اللہ بن خلیفہ طائی سے ملاقات ہوئی۔ اس سے ابو موسیٰ اشعری کے بارے میں پوچھا۔ ک
خدا کی قسم مجھے اس پر اعتماد نہیں، اس کی جانب سے ذرا برابر اطمینان نہیں رکھتا کہ اگر اسے
مدد گار مل جائیں تو وہ آپ کے خلاف قیام نہ کرے! میں نے بھی اس کی رائے کی تائید کی:]

میرے نزدیک بھی وہ امین اور قابلِ اطمینان شخص نہیں تھا، نہ اسے اپنا خیر خواہ سمجھتا تھا۔ مجھ
قبل گزر جانے والے خلفاء سے اس کی رفاقت تھی جس وجہ سے انہوں نے اسے گورنر بنا کر لوگ
کے امور پر مسلّط کیا تھا۔ میں نے اسے معزول کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن مالک اشتر نے فی الحال ا
برقرار رکھنے کا کہا تھا۔ میں نے بھی اپنی خواہش کے برخلاف اسے برقرار رکھا، لیکن اب اسے معز
کرنا چاہتا ہوں۔ [1]

❁ ابو موسیٰ اشعری کے نام پہلا خط

[مجھے خبر ملی کہ ابو موسیٰ اشعری اہلِ کوفہ کو میری مدد و نصرت سے روک رہا ہے اور ان سے ک
ہے: علیؑ امام حق ہے اور کی بیعت بھی صحیح طور انجام پائی ہے، لیکن اسے اہلِ قبلہ سے جنگ کر
حق نہیں! میں نے اسے خط لکھا:]

بندہء خدا! امیر المومنین علیؑ کا خط عبد اللہ بن قیس کے نام

امابعد! مجھے ایک ایسی بات کی خبر ملی ہے جو تمہارے حق میں بھی ہو سکتی ہے اور تمہارے خلا
بھی۔ لہٰذا اب مناسب یہی ہے کہ میرے قاصد کے پہنچتے ہی دامن سمیٹ لو اور کمر کس لو اور فوراً
سے باہر نکل آؤ۔ اپنے ساتھیوں کو بھی بلا لو۔ اس کے بعد حق ثابت ہو جائے تو کھڑے ہو جا

[1] امالی طوسی: مجلس ۳، ص ۷۰، ح ۱۲؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۴۹۳؛ امالی مفید: مجلس ۳۵، ص ۲۹۵، ح ۶؛ الکامل: ج ۳، ص ۲۲۵؛ شرحِ نہج البلاغۃ: ج ۱۴، ص ۱۰۔

...کمزوری دکھائی ہے تو میری نظروں سے دُور ہو جاؤ۔ خدا کی قسم! تم جہاں رہو گے گھیر کر لائے جاؤ گے، تمہیں چھوڑا نہیں جائے گا یہاں تک کہ دودھ مکھن کے ساتھ اور پگھلا ہوا منجمد کے ساتھ مخلوط ہو جائے۔ تمہیں اطمینان سے بیٹھنا نصیب نہ ہو گا اور سامنے سے اس طرح ڈرو گے جس طرح اپنے پیچھے سے ڈرتے ہو۔ یہ کام اس قدر آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ یہ ایک مصیبت کبریٰ ہے جس کے اونٹ پر بہر حال سوار ہونا پڑے گا اور اس کی دشواریوں کو ہموار کرنا پڑے گا اور اس کے پہاڑ سر کرنا پڑے گا۔ لہٰذا ہوش کے ناخن لو اور حالات پر قابو رکھو اور اپنا حصّہ حاصل کرلو اور اگر یہ بات پسند نہیں تو اُدھر چلے جاؤ جہاں نہ کوئی آؤ بھگت ہے اور نہ چھٹکارے کی کوئی صورت۔ اور اب مناسب یہی ہے کہ تمہیں بیکار سمجھ کر چھوڑ دیا جائے کہ سوتے رہو اور کوئی یہ بھی نہ دریافت کرے کہ فلاں شخص کدھر چلا گیا خدا کی قسم یہ حق پرست کا واقعی اقدام ہے اور مجھے بے دینوں کے اعمال کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ والسلام[1]!

ابو موسیٰ اشعری کے نام دوسرا خط

[ہاشم بن عتبہ کے ہاتھ ابو موسیٰ اشعری کو خط بھیجا:]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امیر المومنین علیؑ کی جانب سے عبداللہ بن قیس کے نام!

اما بعد! میں ہاشم بن عتبہ کو تیرے پاس بھیج رہا ہوں تاکہ شہر کوفہ میں موجود افراد کو تیار کرے تاکہ وہ میری بیعت توڑنے والوں، میرے شیعوں کے قاتلوں اور اس امت میں ایک بڑی بدعت ایجاد کرنے والوں کے خلاف جنگ پر نکلیں۔ جیسے ہی میرا خط موصول ہو، لوگوں کو تیار کر کے ہاشم کے ہمراہ کر دے، انتظار کروا کر اس کا وقت برباد نہ کرنا۔ اس بات پر توجہ رکھ کہ میں نے تجھے فقط اس لیے اس شہر کی گورنری کے عہدے پر باقی رکھا ہے تاکہ تُو اِس میدان میں میرے مددگاروں اور یاوروں میں سے ہو۔ والسلام۔[2]

---

[1] نہج البلاغہ: خط ۶۳.

[2] الجمل: ص ۲۴۲؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۵۱۲؛ الکامل: ج ۳، ص ۲۶۰؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۱۴، ص ۸.

ابو موسی اشعری کو گورنری کوفہ سے معزول کیا

[ہاشم بن عتبہ خط لے گئے۔ چند روز بعد مجھے پیغام دیا کہ ابو موسیٰ اشعری بات نہیں مان رہا، بلکہ اس نے میرا خط پھاڑ ڈالا ہے نیز ہاشم کو بھی زندان میں ڈالنے کی دھمکی دی ہے۔ میں نے اپنے بیٹے حسنؑ، عمار یاسر اور قیس بن سعد کی کوفہ جانے اور اس مشکل کو حل کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ نیز انہی کے ہاتھوں ابو موسیٰ اشعری کا معزول نامہ بھی بھیج دیا:]

بندۂ خدا، امیر المومنین علیؑ کی جانب سے عبداللہ بن قیس کے نام!

اما بعد! اے جولاہے کے بیٹے! خدا کی قسم! مجھے لگتا تھا کہ تو سمجھ جائے گا کہ خدا نے تجھے مسلمانوں پر حاکم ہونے کی قابلیت سے نہیں نوازا، نہ تیرے لیے اس میں کوئی مقام رکھا اور اسی وجہ سے تو میرے حکم کے خلاف کام نہیں کرے گا۔ لیکن اب جب کہ تونے میری اطاعت سے ہاتھ اٹھالیا ہے، میں حسن، عمار اور قیس کو تیرے پاس بھیج رہا ہوں تا کہ شہر ان کے حوالے کر دے اور خفت و ننگ و عار کے ساتھ ہمارے کام سے ایک طرف ہو جائے۔

اگر اس حکم پر عمل کیا، تجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ ورنہ انہیں تجھ سے اعلانِ جنگ کا حکم دے چکا ہوں کیونکہ خدا خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اگر انہوں نے تجھے گرفتار کیا تو تیرے ٹکڑے کر دیں گے۔ ہر اس شخص پر رحمتِ خدا ہو جو اس نعمت کا شاکر رہا ہے، میری بیعت سے مسرور ہے اور نیک عاقبت کی اُمید سے خدا کے لیے عمل انجام دیتا ہے۔[1]

[1] الجمل: ص ۲۴۲؛ انساب الاشراف: ج ۲، ص ۲۳۱؛ الکامل: ج ۳، ص ۲۶۱؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۱۴، ص ۸ و ۱۰۔

۷۔ اہلِ کوفہ کے نام خطوط

اہلِ کوفہ کو اصحابِ جمل کے خلاف جہاد کی دعوت

[میں نے اہلِ کوفہ کے نام بھی خطوط لکھ کر روانہ کیے اور انہیں جہاد میں شمولیت کی دعوت دی۔
پہلا خط محمد بن ابی بکر اور محمد بن جعفر کے ہاتھ بھجوایا:]

اما بعد! میں نے بقیہ تمام افراد میں تمہیں منتخب کیا ہے اور تمہارے درمیان رہنے کا ارادہ رکھتا ہوں کیونکہ مجھے تمہاری خدا اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کی خبر ہے۔ اس وقت تم میں سے جو بھی میری پاس آکر میری مدد کرے گا، اس نے دعوتِ حق پر لبیک کہا ہے اور اپنی شرعی ذمہ داری پوری کی ہے۔[1]

تم سے دینِ خدا کی مدد و نصرت اور ہماری حقانیت کی تائید کرنے کی اُمید ہے۔ نصرت کے لیے ہماری طرف چلے آؤ۔ ہمارا قصد اصلاح ہے تاکہ اِس اُمّت کے درمیان برادری اور محبت لوٹ آئے۔ جس نے بھی یہ راہ پسند کی اور اس میں فداکاری سے کام لیا اس نے حق کی خاطر جان فشانی کی ہے اور جس نے بھی اس راہ کو بُغض آلود نگاہ سے دیکھا، اس نے حق کو ضائع کر دیا اور وہ حق کی مخالفت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے۔[2]

بغیر کسی شک و تردید کے فتنہ گروں سے مقابلے کی ضرورت

[اہلِ کوفہ کے نام دوسرا خط اپنے بیٹے حسن، عمار یاسر اور قیس کے ہاتھوں روانہ کیا:]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علیؑ ابن ابی طالبؑ کی جانب سے اہلِ کوفہ کے نام!

اما بعد! میں تمہیں قتلِ عثمان کے بارے میں حقیقتِ حال سے یوں آگاہ کر دینا چاہتا ہوں جیسے تم

---

[1] شرح نہج البلاغۃ: ج ۱۴، ص ۱۶؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۴۹۳۔

[2] تاریخ طبری: ج ۴، ص ۴۷۸؛ الکامل: ج ۳، ص ۲۲۳؛ الفصول المہمۃ: ص ۷۲۔

نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہو۔ لوگوں نے جب عثمان پر اعتراضات کیے تو میں مہاجرین میں سب سے زیادہ اصلاحِ حال کا طلبگار تھا اور سب سے کم اس پر عتاب کرنے والا تھا اور طلحہ و زبیر کی کم ترین بد رفتاری بھی اس کے بارے میں اہانت پر مبنی تھی۔ عائشہ بھی اچانک اس پر غضبناک ہوئی اور اس کی دشمنی پال بیٹھی۔ چنانچہ ایک گروہ کو موقع مل گیا اور اس نے اسے قتل کر دیا۔ جس کے بعد لوگوں نے میری بیعت کی۔ ایسی بیعت جس میں نہ کوئی جبر تھا اور نہ کوئی اکراہ۔ بلکہ سب کے سب خوشی سے آئے تھے اور خود مختار تھے۔ طلحہ و زبیر نے سب سے پہلے میری بیعت کی تھی؛ ویسے ہی بیعت جیسے انہوں نے مجھ سے پہلے ہونے والے خلفاء کی کی تھی۔ ان دونوں نے مجھ سے عمرے پر جانے کی اجازت طلب کی لیکن ان کی نیّت عمرہ کرنے کی نہ تھی۔ انہوں نے عہد شکنی کی اور اعلانِ جنگ کر دیا۔ انہوں نے عائشہ کو بھی اس کے گھر سے باہر نکالا تاکہ اسے اپنی فتنہ انگیزی کے لیے بہانہ بنائیں اور استعمال کریں۔ اس کے بعد وہ بصرہ کی جانب عازمِ سفر ہو گئے۔

میں نے تمہاری جانب آنے کی نیّت کی تاکہ تمہاری ہمراہی میں ان کا مقابلہ کروں۔ مجھے میری جان کی قسم! میرے کہے کا مثبت جواب دینا خدا اور اس کے رسول ﷺ کو مثبت جواب دینا ہو گا! خدا کی قسم! ان سے جنگ کرنے کے سلسلے میں مجھے رتی برابر شک و تردید نہیں۔ اس وقت اپنے بیٹے حسنؑ، عمار اور قیس کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں تاکہ تمہیں جنگ پر نکلنے کے لیے آمادہ اور کوفے سے روانہ کریں۔ اُمید ہے تم ویسے ہی کرو گے جیسی مجھے تم سے اُمید ہے۔ والسلام۔ [1]

سب پر جہاد واجب ہے

[اہلِ کوفہ کو تیسرا خط ارسال کیا:]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بندۂ خدا امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کی جانب سے کوفے کے مومنین و مسلمین کے نام!

اما بعد! بے شک مدینہ دیگ کی طرح ابل چکا ہے اور اپنے ساکنان سے خالی ہو چکا ہے۔ اس کے

[1] الجمل: ص ۲۴۴؛ الامامۃ و السیاسۃ: ص ۸۶؛ امالی طوسی: مجلس ۴۳، ح ۲، ص ۷۱۸؛ نہج البلاغۃ: خط ۱؛ مناقب آل ابی طالب: ج ۳، ص ۱۵۱۔

باسی وہاں سے باہر نکل آئے ہیں۔[1]

عائشہ تو اس سے قبل بھی کافی کام کرتی رہی ہے۔ اب وہ اونٹ پر سوار ہے جبکہ حوأب کے کتے اس پر بھونک چکے ہیں! سرکشوں کا فتنہ برپا ہو چکا ہے اور ان کی سربراہی وہ مرد کر رہے ہیں جو اپنے ہاتھوں سے بہائے ہوئے خون کے منتقم بن بیٹھے ہیں۔ وہ اس مقام و حیثیت کے خواہاں ہیں جسے انہوں نے خود ملیامیٹ کیا ہے! انہوں نے حرمتیں پائمال کر دیں، ناروا کام روا رکھے اور اب لوگوں کے سامنے بہانے کرتے ہیں اور معذرت طلب کرتے پھر رہے ہیں، لیکن خدا سے معافی طلب نہیں کرتے۔

﴿يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾[2]

یہ تمہارے سامنے قسم کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، پس اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو اللہ یقیناً فاسق قوم سے راضی نہ ہوگا۔

خدا تم پر رحمت نازل کرے! جان لو کہ بندگانِ خدا پر جہاد واجب ہو گیا ہے، اس وقت ایک قاصد تمہارے پاس آیا ہے تاکہ تمہیں جہاد پر تشویق دلائے نیز تمہارے سامنے راہِ سعادت کو واضح کرے۔

خدا گواہ ہے، میں امر خلافت قبول کرنے میں مجبور تھا۔ اگر معلوم ہوتا کہ مجھ سے زیادہ کوئی دوسرا اس کی قابلیت رکھتا ہے، کبھی اسے قبول نہ کرتا، نہ قدم آگے بڑھاتا۔ طلحہ و زبیر دونوں نے اپنی مرضی اور رغبت سے، بغیر کسی جبر و اکراہ کے میری بیعت کی تھی لیکن اس کے بعد انتقامِ خونِ عثمان کا بہانہ بنا کر مجھ سے جنگ پر اتر آئے۔ جبکہ انہوں نے عثمان کے ساتھ جو کیا وہ کیا! مجھے ان دونوں پر تعجب ہوتا ہے، کس طرح یہ ابو بکر و عمر کی اطاعت کرتے رہے اور اپنی بیعت پر پابند رہے لیکن میرے بارے میں ایسا کرنے سے سرپیچی کی! جبکہ جانتے ہیں میں ابو بکر و عمر سے کمتر نہیں ہوں۔ اس سب کے باوجود، جب وہ میری بیعت کرنے آئے تھے، میں نے ان سے کہا تھا کہ اگر وہ چاہیں تو میں ان میں سے کسی ایک کی بیعت کر لیتا ہوں! لیکن ان دونوں نے کہا: اس بارے میں ہم آپ کے ساتھ

---

[1] ایک گروہ طلحہ و زبیر کے ساتھ راہی بصرہ ہو گیا تھا اور ایک گروہ امام کے ساتھ عزمِ جہاد کر کے عہد شکنوں کا مقابلہ کرنے شہر سے باہر نکل آیا تھا۔

[2] توبہ: ۹۶.

رقابت میں نہیں پڑیں گے۔ بلکہ آپ کی بیعت کریں گے اور آپ کو خود پر برحق مقدم رکھیں گے۔ پس (اس وقت) انہوں نے بیعت کی لیکن بعد میں توڑ ڈالی!

اہلِ اسلام پر سلام![1]

[1] الجمل: ص۲۵۹.

۸۔ منزلِ ذی وقار

اہلِ جمل کے خلاف جنگ پر دوبارہ بیعت

[منزلِ ذی وقار پر پہنچ کر اپنی ہمراہیوں سے دوبارہ بیعت لے کر ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا:]

گزشتہ سالوں میں متعدد مسائل پیش آئے، ہم نے ان پر صبر کیا، جبکہ ہماری آنکھ میں خار و خاشاک تھے! اس صبر کی وجہ خدا کی مشیّت کے سامنے تسلیم رہنا تھا۔ خدا نے ان کے ذریعے ہمیں آزمایا۔ ہمیں ثوابِ الٰہی کی اُمید بھی تھی؛ کیونکہ ان مصیبتوں پر صبر و بردباری کا مظاہرہ کرنا مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے اور ان کا خون بہانے سے بہتر تھا۔ ہم اہل بیتؑ نبوت اور عترتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ ہم ان کی جانشینی کی سب سے زیادہ لیاقت رکھتے ہیں۔ ہم اُس کرامت کے معدن ہیں جس کے ذریعے سے خدا نے اس اُمّت کی تکریم کی ہے لیکن طلحہ و زبیر نہ تو خاندانِ نبوت سے ہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد۔ جب انہوں نے دیکھا کہ سالہا بعد خدا نے ہمیں ہمارا حق لوٹا دیا ہے، اس وقت ان سے ایک سال تو کجا، ایک ماہ بھی صبر نہ ہوا۔ یہ اپنے گزشتہ بڑوں کی طرح میرا حق ضائع کرنے اور مسلمانوں کی جماعت کو میرے اطراف سے متفرق کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے![1]

طلحہ و زبیر اور معاویہ کی باہمی سازش

[اسی مقام پر اپنے لشکر کے سامنے خطبہ دیا جس میں طلحہ و زبیر اور معاویہ کی ملی بھگت اور رابطے سے پردہ اٹھاتے ہوئے کہا:]

معاویہ نے شام سے طلحہ و زبیر کے لیے ایک خط لکھ کر ان دونوں کو فریب دیا ہے۔ انہوں نے مجھ سے وہ خط مخفی رکھا اور مدینہ سے باہر نکل گئے۔ سادہ لوح انسانوں کے سامنے ظاہر کرتے پھر رہیں کہ انہوں نے خونِ عثمان کے انتقام کے لیے قیام کیا ہے! خدا کی قسم! ان کے پاس میری مخالفت کا کوئی

---

[1] الارشاد: ج ۱، ص ۲۴۹؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۶۲.

بہانہ نہ تھا نہ کوئی ایسا کام جس کی وجہ سے مجھ پر تنقید کر سکیں۔ انہوں نے انصاف کی رعایت نہیں کی۔ بغیر کسی شک و ریب کے خونِ عثمان ان کے دامن پر لگا ہے؛ لہذا خونِ عثمان پر جوابدہ خود انہیں ہونا چاہیے![1]

[ابو زینب ازدی نامی شخص اٹھا اور کہنے لگا: خدا کی قسم! اگر ہم حق پر ہیں، تو آپ ہم میں سب سے زیادہ ہدایت کے نزدیک ہیں اور خیر میں آپ کا حصّہ بھی سب سے زیادہ ہے۔ اور اگر خدانخواستہ ہم گمراہ ہیں، اس صورت میں بھی آپ کا گناہ سب سے زیادہ ہے اور آپ کا بار سنگین تر ہے۔ اس وقت ہم اس قوم کی جانب جانے کا قصد رکھتے ہیں، ان سے اپنی دوستی منقطع کرنے، ان سے اپنی بیزاری کا اظہار کرنے اور ان کی دشمنی میں ایک دوسرے کی پشت پناہی کرتے ہوئے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہمارے ارادے سے خدا باخبر ہے۔ اب آپ کو اس خدا کی قسم دیتے ہیں جس نے آپ کو وہ چیزیں سکھائی ہیں جو ہم نہیں جانتے! ہمیں بتایئے کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن گمراہی اور ضلالت میں ہے؟ میں نے اس کے جواب میں کہا:]

ہاں! میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر تو نے صحیح نیّت کے ساتھ اپنے دین کی مدد کرنے کے لیے قیام کیا ہے اور اپنے کہے کے مطابق ان سے اپنی دوستی ختم کرے گا اور ان سے اپنی بیزاری کا اعلان کرے گا تو خدا تجھ سے راضی ہے۔ اے ابو زینب! تجھے بشارت ہو کہ یہی راہِ حق ہے۔ اس میں شک نہ کر۔ بے شک آج تُو احزاب سے جنگ کر رہا ہے۔[2]

لشکر کوفہ کے سامنے خطبہ

[ابو موسیٰ اشعری کے برطرف ہوتے ہی اہلِ کوفہ متحد ہو کر میری نصرت کے لیے نکل پڑے۔ منزل ذی قار پر تھے جب لشکرِ کوفہ ہم سے آملا۔ میں ان کے درمیان پہنچا اور خطبہ دیتے ہوئے کہا:]

اے اہلِ کوفہ! تم مسلمانوں کے درمیان سب سے زیادہ صاحبِ عزت ہو نیز اقدار کے معاملہ میں سب سے زیادہ میانہ رُو اور عمل میں سب سے زیادہ عدالت کا پاس رکھنے والے۔ اسلام میں تمہارا حصّہ

---

[1] شرحِ نہج البلاغۃ ج ۱، ص ۳۱۰؛ الجمل: ص ۲۶۷؛ انساب الاشراف: ج ۲، ص ۲۵۷.

[2] الجمل: ص ۲۷۰؛ وقعۃ صفین: ص ۱۰۰؛ شرحِ نہج البلاغۃ: ج ۳، ص ۱۷۹.

سب سے بڑھ کر ہے نیز لیاقت اور توانائی میں سارے عرب میں بہترین مانے جاتے ہو۔ تم رسول اللہ ﷺ اور ان کے اہل بیتؑ سے شدید محبت رکھتے ہو۔ آج میں خدا پر اعتماد اور تم پر اطمینان کی وجہ سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ کیونکہ مجھے تمہاری جان فشانی اور فداکاری کا علم ہے۔ دوسری جانب طلحہ و زبیر نے بیعت شکنی کی ہے، میری پیروی سے سرتابی کی ہے، فتنہ انگیزی کے لیے عائشہ کو ساتھ ملالیا ہے، اسے اپنے گھر اور شہر سے باہر نکال کر بصرہ لے آئے ہیں اور بصرہ کے پست سرشت اور اوباش لوگوں کو گمراہ کر کے میرے مقابل صف میں لا کھڑا کیا ہے البتہ مجھے خبر ملی ہے کہ بصرہ کے متدین اور بافضیلت لوگوں نے پیمان شکنی سے پرہیز کیا ہے، ان کی بات نہیں مانی، وہ طلحہ و زبیر کے رویّے اور عمل سے ناخوش ہیں نیز ان کے وہاں آنے پر ناراضی ہیں۔

[اہل کوفہ نے میرے جواب میں کہا: ہم آپ کے فوجی اور مددگار ہیں۔ آپ کے دشمن سے سامنے کے لیے تیار ہیں۔ اگر آپ ہمیں ان کی موجودہ تعداد سے کئی گنا زیادہ تعداد کے مقابلے پر بھی بلاتے، دل و جان سے حاضر ہو جاتے اور اس کا انجام خدا کے حساب میں ڈالتے اور اس میں سعادت کی امید رکھتے۔

میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہا:]

اے جماعتِ مسلمین! تم اچھے سے جانتے ہو، طلحہ و زبیر نے رضا و رغبت اور اپنی مرضی سے میری بیعت کی تھی۔ اس کے بعد مجھ سے عمرہ کرنے کی اجازت طلب کی۔ میں نے بھی انہیں اجازت دے دی۔ یہ دونوں وہاں سے بصرہ چلے آئے، مسلمانوں کو قتل کیا اور دیگر بُرے کام انجام دیئے۔

بار الہا! یہ دونوں مجھ سے جدا ہو گئے ہیں، انہوں نے مجھ پر ستم کیا ہے، میری بیعت توڑی ہے اور لوگوں کو میرے خلاف شورش پر اکسایا ہے۔ پس ان کی لگائی گرہ کھول دے، ان کے مکر و فریب کو ثمر آور نہ ہونے دے اور ان کے عمل کی بدی انہی کی جانب پلٹا دے۔[1]

اویس قرنی سے ملاقات

[ابھی منزلِ ذی وقار پر ہی تھے جو اپنے ساتھیوں سے کہا:]

---

1. الارشاد: ج ۱، ص ۲۴۹؛ الجمل: ص ۲۶۶؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۲، ص ۱۸۸۔

کوفے کی جانب سے نہ ایک کم نہ ایک زیادہ ہزار مرد آکر ہم سے ملیں گے اور اپنی جان کے آخری سانس تک میرے ساتھ کھڑے رہنے کی شرط پر بیعت کریں گے!

[ابنِ عباس اس بات سے پریشان ہو گئے کہ کہیں ان کی تعداد کم یا زیادہ ہو جائے اور یوں لوگ مُردّد ہو جائیں۔ بالآخر جس قافلے کے بارے میں کہا تھا وہ پہنچ گیا۔ ابنِ عباس نے انہیں گنا تو ایک شخص کم تھا۔ ان کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ دیکھا تو آخری شخص بھی آتا دکھائی دیا۔ وہ اویس قرنی تھے۔ انہوں نے آتے ہی کہا: اپنا ہاتھ بڑھایئے تا کہ آپ کی بیعت کروں۔ میں نے پوچھا:]

کس چیز پر بیعت کرو گے؟

[کہا: آپ کے کہے کی اطاعت، آپ کے حکم کی پیروی اور آپ کی رکاب میں جنگ کرنے پر یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں یا خدا آپ کو فتح و کامیابی سے نوازے۔ میں نے اس سے نام پوچھا: کہا: میں اویس قرنی ہوں۔ میں نے ان کا نام سنتے ہی کہا:]

اللہ اکبر! میرے حبیب رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی تھی کہ میں ان کی اُمّت کے ایک فرد سے ملوں گا، اس کا نام اویس قرنی ہو گا۔ وہ حزبِ خدا اور رسول ﷺ میں سے ہے، اس کی موت شہادت کی موت ہو گی اور وہ قبیلہ رُبیعہ و مضر کی تعداد کے برابر ایک بڑی جماعت کی شفاعت کرے گا۔[1]

۞ عثمان بن حُنیف سے ملاقات

[اسی منزل پر عثمان بن حنیف سے ملاقات ہوئی، وہ بصرے میں میری جانب سے گورنر تھے۔ انہیں بہت زیادہ زد و کوب کا نشانہ بنایا گیا تھا نیز ان کی داڑھی کے تمام بال بھی نوچ ڈالے گئے تھے! میں نے ان کی دلجوئی کرتے ہوئے کہا:]

اے عثمان! جب تجھ بھیجا تھا، تیری داڑھی تھی اور آج تو بغیر بالوں کے چہرے کے ساتھ پلٹا ہے! خدایا! تُو جانتا ہے کہ اس قوم نے تیری گستاخی کی ہے اور حرام کاموں کو روا رکھا ہے۔ خدایا! انہوں نے میرے شیعوں کو قتل کیا ہے اس کے بدلے تو خود انہیں قتل کر اور جو کچھ انہوں نے اس شہر (بصرہ) میں میرے جانشین (گورنر) کے ساتھ کیا ہے اس کے بدلے میں ان پر عذاب نازل

---

[1] الارشاد: ج۱، ص۳۱۶؛ اعلام الوریٰ: ص ۱۷۰؛ الصراط المستقیم: ج۱، ص ۱۶۰.

کرنے میں جلدی فرما۔[1]

❁ احنف بن قیس سے ملاقات

[احنف بن قیس مجھ سے ملاقات کے لیے آیا اور اہلِ بصرہ کی پریشانی سے مطلع کیا۔ بصریوں کا کہنا تھا: اگر لشکرِ امیر المومنین بصرہ میں داخل ہوا تو ان کے مردوں کو قتل کر دے گا اور عورتوں کو قیدی بنا لے گا! میں نے اس سے کہا:]

مجھ جیسا شخص ایسے محل و مقام میں نہیں جس سے دلوں میں ایسی پریشانی پیدا ہو اور لوگ اس سے ڈریں۔ اس قسم کا عمل فقط راہِ حق سے پشت پھیرنے والوں اور خدا کا کفر اختیار کرنے والوں سے سرزد ہوتا ہے۔ اہلِ بصرہ مسلمان ہیں۔ ان کے ساتھ اس طرح پیش آنا جائز نہیں۔ تم جلد ہی دیکھ لوگے کہ میں ان کے ساتھ کیسا سلوک کروں گا!

البتہ فی الحال یہ بتاؤ کہ جنگ میں میرا ساتھ دوگے یا نہیں؟

[احنف نے جواب دیا: اگر میں نے آپ کا ساتھ دیتا ہوں ایسی صورت میں فقط دو سو افراد کو آپ کی ہمراہی پر آمادہ کر سکتا ہوں لیکن اگر آپ کی رکاب میں جنگ میں شرکت نہیں کرتا تو چار ہزار شمشیر زنوں کو لشکرِ مقابل میں شمولیت سے روک سکتا ہوں۔ آپ جو منتخب فرمائیں میں حاضر ہوں۔ میں نے اس سے کہا:]

پھر میری ہمراہی کرنا لازم نہیں۔ بلکہ اہلِ بصرہ کو میرے دشمن کے ساتھ ملنے سے روکنا زیادہ اہم ہے۔[2]

❁ بصرہ کی جانب روانہ ہونے سے قبل دیا گیا خطبہ

اما بعد! بے شک خدا نے جہاد واجب کیا ہے اور اسے عظمت بخشی ہے اور اسے اپنی مدد اور نصرت کے مترادف قرار دیا ہے۔ خدا کی قسم! بغیر جہاد کے نہ دنیا کا کوئی کام بن سکتا ہے اور نہ دین کا۔ شیطان

---

[1] الجمل: ص ۲۸۵؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۴۹۶؛ الکامل: ج ۳، ص ۲۲۶؛ شرحِ نہج البلاغۃ: ج ۱۴، ص ۱۸.

[2] الفتوح: ج ۱، ص ۱۰۶؛ الامامۃ والسیاسۃ: ص ۹۱؛ انساب الاشراف: ج ۲، ص ۲۳۷؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۵۰۹؛ الکامل: ج ۳، ص ۲۳۹.

نے اپنا لشکر اکٹھا کر لیا ہے، وہ اپنے لشکر کو بلا رہا ہے، اس نے لوگوں کو شبہات میں گرفتار کر دیا ہے۔ اس نے انہیں فریب دیا ہے، جبکہ واقعات آشکار ہو چکے ہیں اور پردے ہٹ گئے ہیں۔

خدا کی قسم! ان لوگوں نے نہ میری کسی واقعی برائی کی گرفت کی ہے اور نہ میرے اور اپنے درمیان انصاف سے کام لیا ہے۔ یہ ایک ایسے حق کا مطالبہ کر رہے ہیں جسے خود انہوں نے نظر انداز کیا ہے اور ایسے خون کا بدلہ چاہتے ہیں جسے خود انہوں نے بہایا ہے۔ اگر میں اس معاملہ میں شریک تھا تو ایک حصّہ ان کا بھی ہوگا اور اگر یہ تنہا ذمہ دار تھے تو مطالبہ خود انہیں سے ہونا چاہیے اور سب سے پہلے انہیں اپنے خلاف فیصلہ سنانا چاہیے۔

میرے ساتھ میری بصیرت ہے نہ میں نے خود کو دھوکہ میں رکھا ہے اور نہ مجھے دھوکہ دیا جا سکا ہے۔ یہ وہی ستم کار ہیں جو سیاہ خاک پر بیٹھے ہیں اور ان میں بچو کا زہر ہے! قساوت نے ان کے دلوں میں گھر کر لیا ہے اور فتنوں نے ان کے سینوں میں جگہ بنالی ہے۔ یہ خشک پستانوں سے دودھ دھونا چاہتے ہیں اور اس بیعت کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جو پہلے ہی دم توڑ چکی ہے، تاکہ گمراہی کو اس کی پہلی جگہ پر لوٹا دیں اور وہی کریں جو پہلے ہوتا آیا ہے۔ میں جو انجام دے چکا ہوں اس پر معافی طلب نہیں کروں گا اور جو میں نے کیا ہے اس سے اظہارِ برائت بھی نہیں کروں گا۔

بے شک وریب جس نے نقارۂ جنگ بجایا ہے وہ نااُمید ہو گا۔ وہ کسے جنگ کے لیے للکار رہا ہے؟ اس سے پوچھو تو سہی کہ تو کس طرف دعوت دے رہا ہے؟ وہ کسے جواب دہ ہو گا؟ تیرا امام کون ہے؟ تیرا طریقہ کیا ہے؟ اگر وہ ان سوالوں کے صحیح جواب دے، باطل خود ہی اپنے مقام سے اکھڑ جائے گا اور بلاشک اس کی زبان گونگی ہو جائے گی!

خدا کی قسم! میں ان کے لیے ایسا حوض چھلکاؤں گا جس سے پانی نکالنے والا بھی میں ہی ہوں گا۔ یہ نہ اس سے سیراب ہو کر جا سکیں گے اور نہ اس کے بعد کسی تالاب سے پانی پینے کے لائق رہیں گے۔ میں آسودہ خاطر ہوں کیونکہ تمام حُجّت ہائے الٰہی ان کے خلاف ہیں بلکہ ان پر حُجّت تمام ہو چکی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ میں نے انہیں بارہا راہِ حق کی دعوت دی ہے اور اب ان کے پاس کوئی بہانہ نہیں بچا۔ اگر یہ توبہ کریں اور غلط راہ سے واپس پلٹنا قبول کریں تو ان کے لیے راستہ کھلا ہے اور ان کی توبہ قابلِ قبول ہے۔ لیکن اگر توبہ نہ کریں اور واپس نہ پلٹیں تو انہیں میری تلوار کی دھار اور اس کی کاٹ کا سامنا کرنا

ہو گا۔ اور باطل کے مقابلے کے لیے تلوار کافی ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ مومن کی مددگار بھی ہے۔[1]

[1] الارشاد: ج ۱، ص ۲۵۱؛ نہج البلاغۃ: خطبہ ۱۳۷.

۹۔ لشکرِ جمل کو پیغام اور خطوط ارسال کیے

عائشہ کو متنبہ کرنے کے لیے خط لکھا

[میں نے عائشہ کو خط لکھا جس میں اسے نصیحت کرتے ہوئے واپس لوٹ جانے کا کہا:]

اما بعد! اے عائشہ! تُو نے گھر سے باہر قدم نکال کر خدا اور اس کے رسول محمد ﷺ کی معصیت کی ہے اور اس کام کے درپے ہے جو تجھ سے کوئی ربط نہیں رکھتا نہ تیری اس حوالے سے کوئی ذمہ داری بنتی ہے۔ تُو سمجھتی ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح کرنے کے لیے اقدام کر رہی ہے۔ ذرا مجھے جواب دے، خواتین کا لشکر کشی اور لوگوں کی اصلاح سے کیا سروکار! دوسری جانب سوچتی ہے کہ تُو نے خونِ عثمان کے انتقام کے لیے قیام کیا ہے! تیرے اور عثمان کے درمیان کیا رشتہ ہے جو تُو اس کے انتقام کا مطالبہ کر رہی ہے؟ عثمان کا تعلق بنی اُمیہ سے تھا جبکہ تو بنی تیم سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون ہے!

مجھے میری جان کی قسم! تیرا ان بلاؤں میں پڑنا اور ان گناہوں میں گرفتار ہونا، قاتلانِ عثمان کے گناہ سے کہیں زیادہ بڑا گناہ ہے! تجھے قتلِ عثمان پر کوئی غم و غصہ نہیں ہے بلکہ تو دوسروں کو ترغیب دلا کر ہیجان میں لانا چاہتی ہے! پس اے عائشہ! اللہ سے ڈر، اپنے گھر واپس لوٹ جا اور پردہ نشین رہ۔ والسلام۔

[عائشہ کا جواب مختصر تھا: یا ابن ابی طالبؑ! بات توبیخ اور عتاب سے آگے بڑھ گئی ہے۔ ہم کبھی بھی تیری اطاعت قبول نہیں کریں گے۔ تُو جو کر سکتا ہے کر۔ والسلام][1]

عائشہ کو جنگ سے دور رکھنے کے لیے دوسرا پیغام

[زید بن صوحان اور عبد اللہ بن عباس کو طلب کیا اور انہیں ذمہ داری دیتے ہوئے کہا:]

عائشہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو: کیا خدا نے تجھے گھر میں رہنے اور پردہ نشینی اختیار کرنے کا حکم

[1] الفتوح: ج ۱، ص ۱۰۹؛ کشف الغمہ: ج ۱، ص ۲۳۹؛ الامامۃ والسیاسۃ: ص ۹۰؛ الفصول المہمۃ: ص ۷۲؛ مناقب آلِ ابی طالبؑ: ج ۳، ص ۱۵۲۔

نہیں دیا؟ پھر کیوں فریب کا شکار ہوئی اور دوسروں کو بھی فریب دی رہی ہے نیز کیوں گھر سے نکلی اور دوسروں کو بھی باہر نکال لائی ہے؟ اُس خدا سے ڈر جن کی طرف تجھے لوٹ کر جانا ہے اور اس کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ توبہ کر کیونکہ خدا اپنے بندوں کو توبہ قبول کرتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ طلحہ کے ساتھ تیری رشتے داری اور عبد اللہ بن زبیر کی طرف تیرا جھکاؤ تجھ سے ایسے اعمال سرزد کروائے جن کے نتیجے میں تو آتشِ جہنم کا ایندھن بن جائے!

[عائشہ نے ان دونوں کو جواب دیتے ہوئے کہا: میرے پاس تمہارے لیے کوئی جواب نہیں۔ کیونکہ جانتی ہوں علیؑ بن ابی طالب کی دلیلوں کے مقابل کچھ نہیں کہا جا سکتا!][1]

عائشہ کو تیسری بار خبردار کیا

[عبد اللہ بن عباس کو دوبارہ عائشہ کے پاس بھیجا اور اس سے کہا:]

دوبارہ عائشہ کے پاس جاؤ اور اسے یاددہانی کرواؤ کہ وہ بیتِ رسول ﷺ سے خارج ہوئی ہے! اسے حکمِ خدا پر عمل نہ کرنے نیز عہدِ رسول ﷺ توڑ دینے سے ڈراؤ اور اس سے کہو: خواتین کا ان امور میں دخل دینا اچھا نہیں، تجھے ان کاموں میں دخل دینے کی ذمہ داری نہیں سونپی گئی۔ خدا کی حکم عدولی پر راضی نہ ہو! جس گھر میں رسول اللہ ﷺ نے تجھے رہنے کا حکم دیا تھا تو اس سے باہر آنے پر کیوں راضی ہوئی؟ اور اب بصرہ پہنچ گئی ہے، مسلمانوں کو قتل کروایا، میرے عاملوں کو شہر بدر کیا، بیت المال میں تصرف کیا، مسلمانوں کو قیدی بنانے کا حکم دیا اور صالحین کا خون بہانے کو مباح کر دیا! اب تُو خدا کا خوف کھا اور خیال کر! تُو خود بہتر جانتی ہے کہ سب سے زیادہ عثمان پر سختی کرنے والی تُو خود ہے۔ لہٰذا آج تیرا خونِ عثمان کے انتقام کے لیے اٹھ کھڑا ہونا، کل عثمان کو پہنچائی تیری اذیتوں سے کیا مناسبت رکھتا ہے!

[اس بار بھی عائشہ کا جواب یہی تھا کہ کیا علیؑ بن ابی طالبؑ خود کو سارے عالم کا مالک سمجھ بیٹھا ہے؟ نہیں، خدا کی قسم! جو کچھ اس کے پاس ہے ہمارے ہاتھ میں اس کی نسبت بہت زیادہ ہے!][2]

1۔ الفتوح: ج ۱، ص ۱۱۲.

2۔ الجمل: ص ۳۱۶.

عائشہ شک وتردید کا شکار

[جب عائشہ نے میرے ساتھ اصحاب رسول ﷺ کا ایک جمِ غفیر دیکھا نیز کوفے کے سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد کا مشاہدہ کیا، شک وتردید کا شکار ہوگئی۔]

عائشہ اپنے سفر کے جائز ہونے کے سلسلے میں شک وتردید کا شکار ہوگئی۔ دوسری جانب جنگ اور قتال اس کے لیے ایک سنگین امر بن کر ظاہر ہوا۔ وہ خوف زدہ ہوئی۔ اس نے اپنے کاتب عبید اللہ بن کعب نمیری کو بلایا اور میرے لیے ایک خط لکھنے کا حکم دیا: «عائشہ بنتِ ابی بکر کی جانب سے علیؑ بن ابی طالبؑ کے نام» اس کے کاتب نے کہا: اس جملے پر قلم نہیں چلے گا! عائشہ نے پوچھا: کیوں؟ اس نے جواب دیا: آج علیؑ بن ابی طالب جہانِ اسلام میں شخصِ اول ہے؛ اس وجہ سے خط کا آغاز اس کے نام سے ہونا چاہیے۔

عائشہ نے کہا: لکھو:

علیؑ بن ابی طالب کے نام عائشہ بنتِ ابی اکبر کی جانب سے!

میں تیری رسول اللہ ﷺ سے رشتے داری کی منکر نہیں ہوں، اسلام میں تیرے سابقے کی جانب بھی متوجہ ہوں اور تجھے رسول ﷺ کے یہاں جو مقام حاصل تھا اس سے بھی آگاہ ہوں۔ میرا قیام میرے بیٹوں کے درمیان اصلاح کے لیے ہے۔ اگر تو طلحہ وزبیر کے ساتھ برا سلوک کرنے سے اجتناب کرے، تو میری تجھ سے کوئی جنگ نہیں ہے۔

یہ اس کی جانب سے مجھے لکھے گئے طولانی خط کا ایک حصّہ ہے۔ میں نے اس کے جواب میں ایک لفظ تک نہیں کہا تاکہ میدانِ جنگ میں اس کا جواب دوں![1]

طلحہ وزبیر پر اتمام حجت

[میں نے طلحہ وزبیر کو بھی ایک خط لکھا اور عمران بن حُصَین کے ہاتھ بھجوایا:]

امابعد! اگرچہ تم دونوں چھپا رہے ہو لیکن تمہیں بہر حال معلوم ہے کہ مجھے خلافت کی خواہش نہیں تھی۔ لوگوں نے مجھ سے اس کی خواہش کی ہے اور میں نے بیعت کے لیے اقدام نہیں کیا ہے جب

---

[1] کشف المحجۃ: ص ۲۶۱.

تک انہوں نے بیعت کرنے کا ارادہ ظاہر نہیں کیا ہے۔ تم دونوں بھی انہیں افراد میں شامل ہو جنہوں نے مجھے چاہا تھا اور میری بیعت کی تھی اور عام لوگوں نے بھی میری بیعت نہ کسی سلطنت کے رعب اور دبدبے کی وجہ سے کی نہ مال دنیا کی لالچ میں۔ پس اگر تم دونوں نے میری بیعت اپنی خوشی سے کی تھی تو اب خدا کی طرف رجوع کرو اور فوراً توبہ کرلو۔ اور اگر مجبوراً کی تھی تو تم نے اپنے اوپر میرا حق ثابت کردیا کہ تم نے اطاعت کا اظہار کیا تھا اور نافرمانی کو دل میں چھپائے رکھا۔ میری جان کی قسم! تم دونوں اس راز داری اور دل کی باتوں کے چھپانے میں مہاجرین سے زیادہ سزا وار نہیں تھے اور تمہارے لیے بیعت سے نکلنے اور اس کے اقرار کے بعد انکار کردینے سے زیادہ آسان روزِ اول ہی اس کا انکار کردینا تھا۔

تم لوگوں کا ایک خیال یہ بھی ہے کہ میں نے عثمان کو قتل کیا ہے! میرے اور تمہارے درمیان وہ اہلِ مدینہ موجود ہیں جنہوں نے ہم دونوں سے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔ اس کے بعد ہر شخص اسی کا ذمہ دار ہے جس کی ذمہ داری اس نے قبول کی ہے۔ بزرگوارو! موقع غنیمت ہے اپنی رائے سے باز آجاؤ کہ آج تو صرف ننگ وعار کا خطرہ ہے لیکن اس کے بعد عار ونار دونوں جمع ہو جائیں گے۔ والسلام۔ [1]

۞ طلحہ وزبیر کے پیغام کا جواب

[طلحہ وزبیر نے خداش نامی شخص کے ہاتھ مجھے پیغام بھیجوایا۔ ان کا پیغام یہ تھا: تیرے دو دینی بھائی اور دو چچازاد بھائی تجھے قسم دیتے ہیں کہ قطع رحم نہ کر! کیا تو نہیں جانتا کہ جس دن سے خدا نے محمد ﷺ کو اپنے پاس بلایا، ہم نے تیرے دفاع کی خاطر لوگوں کو چھوڑ دیا اور اپنے قریبی افراد کی مخالفت کی۔ لیکن جیسے ہی تجھے ذرا سا مقام و مرتبہ حاصل ہوا، تو نے ہماری حرمت ضائع کردی اور ہمیں خود سے نااُمید کردیا! تو نے ہمیں کم اکا۔ اب تو نے دیکھ ہی لیا ہوگا کہ کیسے ہم تجھ سے دور ہوئے اور ایک بڑا شہر اپنے ہاتھوں میں لے لیا! جنہوں نے تجھے ہم سے روگرداں کیا ہے اور ہمارے تعلق کو قطع کیا

---

[1] نہج البلاغۃ: خط ۵۴؛ الفتوح: ج ۱، ص ۱۰۸؛ الامامۃ والسیاسۃ: ص ۹۰؛ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۲۳۹؛ الفصول المہمۃ: ص ۷۲۔

ہے وہ تجھے بہت کم فائدہ دیں گے، وہ تیرا دفاع کرنے میں سست واقع ہوئے ہیں اور کسی بھی طور ہماری جگہ پُر نہیں کر سکتے۔ ہاں! جو لوگ آنکھیں رکھتے ہیں ان کے لیے آفتاب حقیقت طلوع ہو چکا ہے! ہمیں خبر ملی ہے کہ تُو نے ہماری شان میں ہتک کی ہے اور ہم پر لعنت و نفرین کی ہے۔ ہم تو تجھے عرب کا شجاع ترین مرد جانتے تھے! پھر کیوں لعن و نفرین کے لیے زبان کھولی؟ کیا تجھے لگتا ہے تیرے مقابل یہ کام ہماری شکست کا موجب بنے گا؟! میں نے اس پیغام کے جواب میں خداش سے کہا:]

طلحہ و زبیر سے کہنا: تمہاری باتیں خود تمہارے خلاف حُجّت ہیں اور تمہاری دلیل خود تمہیں نیچا دکھانے کو کافی ہے! لیکن خدا ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ تمہارا ماننا ہے کہ تم میرے دینی بھائی اور عمو زادے ہو۔ میں اس نسبت کا منکر نہیں اگرچہ ہر نسبت منقطع ہو جانے والی ہے سوائے اس کے جسے اسلام باندھے رکھے اور یہ جو تم نے کہا کہ تم میرے دینی بھائی ہو تو اگر سچ کہتے ہو پھر تم نے میرے خلاف آتشِ جنگ بھڑکا کر کتابِ خدا کے خلاف اپنی دینی بھائی کے حق میں جفا کی ہے۔ بنابریں تم نے مجھے اپنا دینی بھائی جاننے میں جھوٹ سے کام لیا ہے۔

اور یہ جو دعویٰ کر رہے ہو کہ تم نے وفاتِ رسول ﷺ کے بعد لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کی تو اس پر کہوں گا: ہو سکتا ہے کہ اس وقت یہ میرے لیے اور میرے حق کی رعایت کی غرض سے ہو، لیکن آج کیونکہ تم مجھ سے کنارہ کش ہو گئے ہو، تم نے اس دن کے عمل کے مخالف اقدام کیا اور حق کے خلاف ہو گئے ہو۔ اور اگر پہلے ہی دن لوگوں سے تمہارا کنارہ کشی اختیار کرنا ناحق تھا تو جان لو کہ پہلی کنارہ کشی کا وبال بھی تمہاری گردن پر ہے اور اس کنارہ گیری کا گناہ بھی تمہارے کندھوں پر ہے! رہنے دو، درحقیقت رحلتِ رسول ﷺ کے بعد تمہارا لوگوں کے ساتھ ہمراہی نہ کرنے کا ہدف لالچ اور دنیاوی آرزو کے سوا اور کچھ نہ تھا! ہاں! تم مجھ پر بس ایک اعتراض کر سکتے ہو اور وہ یہ کہ میں نے تمہاری اُمیدوں کو حسرتوں سے بدل دیا۔ خدا کا شکر کرتا ہوں کہ تمہیں میرے دین پر کوئی اعتراض اور انتقاد نہیں۔ ہاں! میں نے تمہاری اُمید اس لیے توڑ دی کیونکہ تم حق سے روگراں ہو چکے ہو، تم نے اپنے برحق عہد اپنے کندھوں سے اتار پھینکے ہیں۔ ویسے ہی جیسے کوئی سرکش جانور اپنی مہار توڑ ڈالتا ہے! میرا پشت پناہ خدائے واحد ہے جس کے لیے میں کوئی شریک قرار نہیں دیتا۔ اور تم یہ بھی نہ کہو کہ میرے یاور و ناصران سست اور کم فائدہ ہیں۔ کیونکہ اس طرح تم نفاق کے علاوہ شرک میں بھی

گرفتار ہو جاؤ گے!

اور یہ جو کہا کہ میں عرب کا شجاع ترین مجاہد ہوں اور تم میری لعن و نفرین سے پریشان ہو۔ تو جان لو ہر عمل کا اپنا ایک خاص مقام ہوتا ہے۔ جب نیزے ایک دوسرے میں در آئیں گے اور اسپ سوار موج کی طرح آگے بڑھیں گے اور تمہارے سانس تمہارے سینوں میں پھنس جائیں گے، اس وقت میرا خدا مجھے دلی سکون اور آرام عطا فرمائے کر میری مدد فرمائے گا!

پروردگارا! زبیر بدترین انداز میں مارا جائے! تو گمراہی کی حالت میں اس کا خون بہا۔ طلحہ کو ذلیل و خوار کر اور آخرت میں ان کے لیے اس سے بھی بدتر چیز ذخیرہ فرما کیونکہ انہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے، مجھ پر جھوٹ باندھا ہے اور میرے بارے میں اپنی گواہی چھپائی ہے اور تیرے اور تیرے رسول ﷺ کے حکم سے سرتابی کی ہے![1]

❁ زبیر کے لیے خاص پیغام

[عبد اللہ بن عباس کو زبیر کے ساتھ مذاکرے کے لیے بھیجا۔ جاتے ہوئے ان سے کہا:]

خبردار طلحہ سے ملاقات نہ کرنا۔ اگر اس سے ملاقات کرو گے تو اسے اس وحشی بیل جیسا پاؤ گے جو سینگ دکھا کر لڑنے کو آمادہ ہوتا ہے۔ وہ سرکش سواری پر سوار ہوتا ہے اور اسے رام کیا ہوا کہتا ہے۔ تم صرف زبیر سے ملاقات کرنا کیونکہ اس کی طبیعت قدرے نرم ہے۔ اس سے کہنا کہ تمہارے ماموں زاد بھائی نے کہا ہے تم نے حجاز میں مجھے پہچانا تھا اور عراق میں آکر بالکل بھول گیا ہے آخر کیا ہوا جو اپنے پیمان سے پھر گئے ہو اور میرے خلاف شورش برپا کر دی ہے؟![2]

---

[1] کافی: ج ۱، ص ۳۴۳.

[2] نہج البلاغۃ: خطبہ ۳۱؛ العقد الفرید: ج ۳، ص ۳۱۴.

۱۰۔ دونوں لشکر آمنے سامنے

❁ طلحہ و زبیر اور عائشہ کو حکم قرآن کی اطاعت کی دعوت

[اہلِ جمل کو بہتیرے خط بھیجے، کوئی فائدہ نہ ہوا۔ نتیجتاً جمعرات کی صبح، ۱۰ جمادی اولیٰ دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہو گئے۔ میمنہ پر مالک اشتر کو مقرر کیا جبکہ عمار یاسر کو میسرہ کی کمان سپرد کی۔ لشکر کا عَلم اپنے بیٹے محمدّ حنفیہ کے سپرد کیا اور اپنے سپاہیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:]

جنگ شروع کرنے میں جلدی نہ کرنا تاکہ میں اس لشکرِ مخالف پر حُجّت تمام کر سکوں۔

[عبد اللہ بن عباس کو بلایا اور ان کے ہاتھ میں قرآن دے کر کہا:]

اس قرآن کے ساتھ طلحہ و زبیر اور عائشہ کے پاس جاؤ اور انہیں اس کے احکام قبول کرنے کی دعوت دو نیز طلحہ و زبیر سے کہنا: کیا تم نے اپنے اختیار سے میری بیعت نہیں کی تھی؟ پھر اس وقت میری بیعت توڑنے پر کس چیز نے تمہیں اکسایا ہے؟ یہ رہی کتاب خدا جو میرے اور تمہارے درمیان موجود ہے۔

[ابنِ عباس نے طلحہ و زبیر اور عائشہ سے بات کی لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا اور وہ خالی ہاتھ واپس لوٹ آئے۔][1]

❁ لشکرِ مقابل کو احکامِ قرآن قبول کرنے کی دعوت دی

[اہلِ جمل نے نے تیر اندازی شروع کر دی۔ تیروں کی ایک بارش تھی جو میرے سپاہیوں پر برس رہی تھی۔ وہ سب حملہ کرنے کے لیے میرے حکم کے منتظر تھے لیکن میں نے لشکرِ اعداء پر دوسری بار اتمامِ حُجّت کرنا چاہی۔ قرآن ہاتھ میں پکڑا اور اپنے ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا:]

تم میں سے کون ہے جو یہ قرآن لے کر ان کے سامنے جائے اور انہیں اس کے احکام قبول کرنے

---

[1] الجمل: ص ۳۳۶.

کی دعوت دے؟ البتہ بتاتا چلوں، جو بھی یہ کام کرے گا، مارا جائے گا! اور میں بارگاہِ خدا میں اس کی جنت کا ضامن ہوں گا۔

[ایک کم سن سفید پوش جوان باہر نکلا۔ اس کا نام مسلم تھا۔ اس نے یہ کام انجام دینے کی حامی بھری۔ میں نے اپنا یہی سوال دو بار مزید دوہرایا اور مسلم نے ان دونوں بار آگے بڑھ کر آمادگی کا اعلان کیا۔ اس کے ہاتھ میں قرآن پکڑاتے ہوئے کہا:]

ان کے پاس جاؤ، ان پر قرآن پیش کرو اور انہیں ان احکامات کی جانب دعوت دو جو اس قرآن میں موجود ہیں۔

[مسلم نے لشکرِ مخالف کو حکمِ قرآن قبول کرنے کی دعوت دی لیکن عائشہ نے حکم دیا اور لشکریوں نے اسے تیر مار کر شہید کر دیا۔[1]

[جب یہ جوان لشکرِ مخالف کی طرف بڑھ رہا تھا میں نے اپنے اصحاب سے کہا تھا:]

یہ جوان ان افراد میں سے ہے جن کے دلوں کو خدا نے نور و ایمان سے لبریز کر دیا ہے۔ یہ اسے شہید کر دیں گے اور مجھے اسی چیز کا ڈر تھا۔ شک نہیں کہ اس جوان کو قتل کرنے کے بعد یہ گروہ کبھی کامیابی کا منہ دیکھ نہیں پائے گا۔

[مسلم کی شہادت کے بعد اپنے سپاہیوں سے کہا:]

خدا کی قسم! مجھے اوّل روز سے اس جماعت کے گمراہ اور باطل پر ہونے میں کوئی تردید نہیں تھی۔ فقط تم پر حقیقت روشن کرنا چاہتا تھا۔ تم جانتے ہو کہ اس گروہ نے پہلے حکیم بن جبلہ عبدی اور دوسرے صالحین کی جماعت کو قتل کیا اور اب اس جوان پر وحشیانہ طور حملہ کر کے قتل کر دیا جو انہیں کتاب خدا اور اس پر عمل کرنے کی جانب دعوت دے رہا تھا! اب کوئی بھی مسلمان ان سے جنگ کرنے میں کسی قسم کے شک و تردّد کا شکار نہیں ہو گا![2]

---

1 الجمل: ص۳۳۹؛ انساب الاشراف: ج۲، ص ۲۴۰؛ تاریخ طبری: ج۳، ص ۵۲۰ و ۵۲۲؛ مروج الذہب: ج۲، ص۳۹۹؛ الکامل: ج۳، ص۲۶۱.

2 ارشاد القلوب: ج۲، ص۳۴۱؛ انساب الاشراف: ج۲، ص ۲۴۰؛ الفتوح: ج۱، ص ۱۱۸؛ مناقب خوارزمی: ص۱۸۶؛ شرح نہج البلاغۃ: ج۹، ص ۱۱۲.

آخری موقع: زبیر کے ساتھ گفتگو

[دونوں لشکروں کے درمیان آکر کھڑا ہوا اور بلند آواز سے زبیر سے ملاقات کا تقاضا کیا:]

زبیر بن عوام کہاں ہے؟ اسے میرے پاس بھیجو تاکہ ہم بات چیت کریں۔

[میرے ساتھیوں نے کہا: آپ بغیر جنگی لباس کے اس زبیر سے ملنے جا رہے ہیں جو اسلحے سے لیس کھڑا ہے؟ میں نے جواب میں کہا:]

وہ مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا، پریشانی کی کوئی بات نہیں۔

[دوبارہ زبیر کو آواز دی، اس نے جواب دیا اور میرے پاس آیا۔ میں نے اس سے کہا:]

اے اباعبداللہ! یہ میدان سجانے کی کیا وجہ بنی؟

[زبیر نے جواب دیا: خونِ عثمان کے انتقام کے لیے! میں نے کہا:]

عثمان کو تُو نے اور تیرے دوستوں اور ساتھیوں نے قتل کیا ہے۔ لہٰذا خود سے انتقام لے! لیکن میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں، جس نے قرآن اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل کیا، کیا تجھے یاد ہے ایک دن رسول اللہ ﷺ نے تجھ سے پوچھا تھا: اے زبیر! کیا تو علیؑ سے محبت کرتا ہے؟ تو نے جواب دیا تھا: میں کیوں نہ اس سے محبت کروں وہ میرے ماموں کا بیٹا ہے! اس وقت رسول اللہ ﷺ نے تجھ سے فرمایا تھا: لیکن ایک دن ایسا آئے گا جب تُو اس کے خلاف لشکر کشی کرے گا اور اس پر ظلم کرے گا!

[زبیر نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی تائید کی۔ میں نے اس سے کہا:]

تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے قرآن اپنے نبی محمد ﷺ پر نازل کیا، کیا وہ دن یاد ہے جب تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابن عوف کے یہاں سے واپس آ رہا تھا، رسول ﷺ کا ہاتھ تیرے ہاتھ میں تھا، میں رسول اللہ ﷺ کے استقبال کے لیے آیا اور انہیں سلام کیا، آپؐ مسکرائے تو میں بھی مسکرا دیا اس وقت تو نے کہا: ابن ابی طالب! تفاخر اور غرور سے باز نہیں آئے گا! اس وقت رسول اللہ ﷺ نے تجھے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: اے زبیر! خیال سے! علیؑ غرور و تفاخر کرنے والوں میں

سے نہیں۔ ایک دن تو اس کے خلاف خروج کرے گا اور اس پر ظلم کرے گا۔

[زبیر نے جواب دیا: ہاں! ایسا ہی ہے۔ لیکن میں یہ سب بھول گیا تھا اور اگر مجھے اس سے قبل یہ یاد آ جاتا تو تیرے خلاف خروج نہیں کرتا![1] میں نے زبیر سے کہا:]

تُو اب لوٹ جا!

[اس نے کہا: اب کیسے لوٹ جاؤں جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے ہیں؟ یہ ننگ و عار کسی چیز سے مٹائے نہیں مٹے گی! میں نے کہا:]

اے زبیر! ابھی واپس لوٹ جانے کی ننگ و عار برداشت کر لے اور واپس لوٹ جا، قبل اس کے کہ ایک طرف ننگ و عار کا سامنا بھی ہو اور دوسری جانب آتشِ جہنم میں بھی گرفتار ہو!

[زبیر واپس لوٹ گیا لیکن اس کے بیٹے نے اسے بھڑکایا اور طیش دلاتے ہوئے کہا: تو علیؑ کے لشکر کی تیز دھار علم ہوئی تلواروں سے ڈر گیا ہے اور بہانے بنا رہا ہے! اس نے اپنے باپ کو اس قدر طیش دلایا کہ زبیر نے ہاتھ میں نیزہ اٹھا کر میرے لشکر کے میمنہ پر حملہ کر دیا۔ میں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا:]

اس کے لیے راستہ کھول دو، اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ کیونکہ اسے بھڑکایا گیا ہے۔

[اس کے بعد اس نے لشکر کے میسرہ پر حملہ کیا، اس کے بعد قلبِ لشکر پر حملہ کیا اور واپس لوٹ کر اپنے بیٹے سے کہا: کیا کوئی ڈرپوک انسان اس طرح حملہ کر سکتا ہے؟][2]

میدانِ جمل کے بیچوں بیچ طلحہ سے گفتگو

[زبیر کے لوٹ جانے کے بعد، طلحہ کو طلب کیا۔ وہ آیا تو اس سے پوچھا:]

اے ابا محمدؐ! تُو نے یہ میدان کس لیے سجایا ہے؟

[اس نے جواب دیا: خونِ عثمان کے انتقام کے لیے! میں نے کہا:]

---

[1] کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۲۴۰؛ الفتوح: ج ۱، ص ۱۱۴؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۵۱۴؛ مروج الذہب: ج ۲، ص ۴۰۱؛ امالی طوسی: مجلس ۵، ص ۱۳۷، ح ۲۳۶؛ بشارۃ المصطفیٰ: ص ۲۴۷؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۶۲؛ مناقب خوارزمی: ص ۱۷۹؛ مناقب آل ابی طالب: ج ۳، ص ۱۵۴؛ الکامل: ج ۳، ص ۲۴۰؛ اسد الغابۃ: ج ۲، ص ۳۱۰؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۲، ص ۱۶۷؛ الفصول المہمۃ: ص ۷۹ تا ۸۰۔

[2] مروج الذہب: ج ۲، ص ۴۰۱؛ الامامۃ والسیاسۃ: ص ۹۲؛ کفایۃ الاثر: ص ۱۱۴۔

خدا قاتلِ عثمان کو قتل کرے!

[طلحہ نے کہا: تُو مسندِ حکومت سے ایک طرف ہو جا اور یہ کام شُوریٰ کے سپرد کر دے۔ اگر شُوریٰ نے دوبارہ تجھے منتخب کیا، میں بھی لوگوں کے ساتھ تیری بیعت کر لوں گا، ورنہ تو بھی معاشرے کے دوسرے عام افراد کی طرح ہو رہے گا! میں نے طلحہ سے پوچھا:]

ابا محمدؐ! کیا تُو نے آزادی کے ساتھ بغیر کسی جبر و اکراہ کے میری بیعت نہیں کی تھی؟ لہٰذا میں اپنی بیعت کرنے والوں کو نہیں چھوڑوں گا۔

[طلحہ نے جواباً کہا: میری بیعت اس حال میں تھی جب تلوار میری گردن پر رکھی تھی! میں نے اس سے کہا:]

کیا تجھے نہیں معلوم کہ میں نے کسی کو بھی بیعت کے لیے مجبور نہیں کیا؟! اگر کسی کو مجبور کرنا ہی ہوتا تو سعد، ابنِ عمر اور محمد بن مُسلمہ سے بیعت طلب کرتا۔ انہوں نے میری بیعت کرنے سے اعراض برتا اور مجھ سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ میں نے بھی انہیں آزاد چھوڑ دیا اور ان سے کوئی سروکار نہیں رکھا۔

[طلحہ نے کہا: ہم چھ رکنی شُوریٰ کے رکن ہیں۔ ان میں سے دو رکن دنیا سے گزر چکے ہیں اور اس وقت شُوریٰ میں سے باقی بچے تین افراد تیرے مخالف ہیں۔ میں نے اس سے کہا:]

تم بیعت سے قبل اپنی نارضایتی کا اعلان کر سکتے تھے لیکن اب ایسا کوئی حق نہیں رکھتے کہ اعلانِ رضایت اور بیعت کرنے کے بعد کہو: ہم بیعت کے مخالف ہیں، مگر یہ کہ میں نے بیعت کے وقت کیے اپنے وعدوں کے خلاف عمل کیا ہو۔ اگر میں نے شرائطِ بیعت کے خلاف کوئی اقدام کیا ہے تو بیان کر۔

تمہارا گناہِ عظیم یہ ہے کہ اپنی خواتین کو گھروں میں بٹھا رکھا ہے جبکہ زوجہ رسول ﷺ کو اپنے ساتھ (میدان میں) لے آئے ہو۔ کیا رسول اللہ ﷺ اپنی زوجہ کے پردہ سرا سے باہر نکالنے پر راضی ہیں؟!

[طلحہ نے کہا: وہ اصلاح کے لیے آئی ہے! میں نے کہا:]

خدا کی قسم! اُسے خود ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اس کی اصلاح کرے۔ اسے یہ مقام و منزلت حاصل نہیں کہ امورِ اُمّت کی اصلاح کے لیے اٹھ کھڑی ہو۔ اے بوڑھے شخص! میرا خیر خواہانہ

مشورہ قبول کر اور واپس لوٹ کر توبہ کرنے پر راضی ہو جا، چاہے اس میں ننگ و عار ہی کیوں نہ ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیاوی ننگ و عار کے ساتھ ساتھ آتش جہنم بھی تیرے لیے مہیا ہو جائے۔[1]

۞ مخالف لشکر کی فوج سے گفتگو

[آخری اِتمامِ حجّت کے لیے اپنے ساتھیوں سے کہا:]

جلدی نہ کرو۔ اس گروہ کے ساتھ جنگ کرنے میں عجلت سے کام نہ لو۔ میں ایک بار اور اپنے، خدا اور ان کے درمیان حجّت تمام کردوں۔

[لشکرِ مقابل کے سامنے کھڑا ہوا اور ان سے کچھ سوالات پوچھے:]

اے اہل بصرہ! کیا میں نے کوئی فیصلہ کرنے میں ظلم روا رکھا ہے؟ یا بیت المال کی تقسیم میں کسی کا حق مارا ہے؟ یا اپنے یا اپنے قریبیوں میں سے کسی کے لیے بیت المال میں کوئی خاص حصّہ مقرر کیا ہے اور کوئی خاص امتیاز مدِ نظر رکھا ہے جس کی وجہ سے تم ناراض ہو اور میری بیعت توڑ ڈالی ہے؟ کیا میں نے تمہارے معاملات میں حدودِ الٰہی کا اجراء کیا ہے اور دوسروں کے معاملے میں اس سے منہ موڑا ہے؟

[ان تمام سوالوں کا جواب انہوں نے نفی میں دیا۔ میں نے ان سے کہا:]

پھر کیوں میری بیعت توڑ دی جاتی ہے جبکہ مجھ سے قبل آنے والے خلفاء کی بیعت نہیں توڑی گئی؟! میں نے تم افراد سے جنگ کرنے کے بارے میں بہت سوچا، فکر کی اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یا احکامِ الٰہی کا انکار کردوں یا تلوار اٹھا کر میدانِ جنگ میں اتر آؤں۔ خداوندِ متعال اپنی کتاب میں فرماتا ہے:

﴿وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَ طَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡكُفۡرِ ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ‏﴾[2]

اور اگر عہد کرنے کے بعد یہ لوگ اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین کی عیب جوئی کرنے لگ جائیں تو کفر کے اماموں سے جنگ کرو، کیونکہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں شاید وہ باز آجائیں۔

---

1. الامامۃ والسیاسۃ: ج ۱، ص ۹۴.
2. توبہ: ۱۲.

اس خدا کی قسم جس نے دانا شگافتہ اور خلق کو پیدا کیا ہے نیز محمد ﷺ کو نبوت کے لیے منتخب فرمایا اس آیت کے مصداق تم ہو، جب سے یہ آیت نازل ہوئی اب تک ائمہ کفر سے جنگ کے حوالے سے اس آیت کے حکم پر عمل نہیں ہوا تھا۔[1]

اہلِ جمل کے لیے امان نامہ

[ایک شخص کو دونوں لشکروں کے درمیان کھڑا ہو کر با آواز بلند یہ پیغام پہنچانے پر مامور کیا:]

اے جماعتِ قریش! خدا سے ڈرو اور خود کو موت کے منہ میں نہ جھونکو! ہر چند کہ تم نے میرے خلاف قیام کیا لیکن جانتا ہوں تمہیں بات کے یہاں تک پہنچ جانے کی اُمید نہ تھی۔ لہٰذا تمہیں قسم دیتا ہوں کہ خود کو خطرے میں نہ ڈالو کیونکہ تلواریں کسی سے تکلّف نہیں کرتیں۔ اگر اب بھی چاہو، واپس جاسکتے ہو تاکہ ہم نے اس گروہ کے ساتھ کیا کرنا ہے، وہ طے کرسکیں۔ نیز اگر چاہو تو میرے لشکر سے بھی مل سکتے ہو (ایسی صورت میں) تم سب خدا کی امان میں ہوگے۔[2]

میں ابوالحسنؑ ہوں!

[حملے کے حکم سے قبل، اپنے سپاہیوں کے سامنے خطبہ دیا، جس میں ان سے کہا:]

ایہا الناس! میں اس جماعت کے پاس گیا اور انہیں نصیحت کی نیز راہِ حق کی جانب دعوت دی، انہیں دلیل دی اور ان پر حُجّت تمام کی لیکن انہوں نے مجھے جنگ کے لیے للکارا اور پیغام دیا کہ خود کو ان کی تیز دھار تلواروں اور بلند نیزوں کے لیے تیار کرلوں! ان کی مائیں ان کے غم میں بیٹھیں! یہ مجھے جنگ سے ڈرا رہے ہیں اور تلواروں کے واروں سے دھمکاتے ہیں! گویا جنگ کے میدانوں میں میرے سابقے سے بے خبر ہیں۔ بہتر ہے یہ کسی دوسرے کے لیے رجز پڑھیں اور اس کے سامنے قدرت نمائی کریں۔

میں وہی ابوالحسنؑ ہوں جس نے بارہا اُن کی صفوں کو چیرا ہے، اُن کے جتھوں کو تتر بتر کیا ہے اور اب بھی اسی قوتِ قلب کے ساتھ اپنے دشمن سے ملاقات کرنے چلا ہوں۔ البتہ مجھے اپنے رب کے

---

[1] تفسیر العیاشی: ج ۲، ص ۷۸؛ قرب الاسناد: ص ۴۶.

[2] الجمل: ص ۳۶۵.

وعدوں کی اُمید ہے کیونکہ اس نے مدد و تائید اور کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے۔ مجھے ان وعدوں کی حقانیت کا یقین ہے نیز اپنے کام میں رتی برابر شک کا شکار نہیں ہوں!

اے لوگو! موت سے کسی کو فرار نہیں۔ جو بیٹھے رہتے ہیں موت ان کا سراغ لگا لیتی ہے، جو موت سے گریز کرتے ہیں وہ اسے عاجز کرنے کی قوت نہیں رکھتے۔ بہترین موت راہِ حق میں نصیب ہونے والی موت ہے۔ مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، میرے لیے بستر پر مرنے سے زیادہ آسان تلوار کے ہزار وار سہنا ہے۔ ہاں! بڑا مقامِ تعجب ہے کہ طلحہ لوگوں کو عثمان کے خلاف بھڑکاتا ہے، عثمان کے قتل ہونے کے بعد میری سامنے دست بیعت دراز کرتا ہے اور کمالِ رغبت سے میری بیعت کرتا ہے، پھر میری بیعت توڑ دیتا ہے! خدایا! اسے عذاب میں گرفتار کر اور اسے مُہلت نہ دے! زبیر نے بھی میری بیعت شکنی کی، مجھ سے قطع رحمی کی اور میرے دشمنوں سے جاملا۔ خدایا! تو جس طرح بھی چاہ، پر آج مجھے اس کے شر سے رہائی عطا فرما۔[1]

آگاہ ہو جاؤ کہ شیطان نے اپنے گروہ کو بھڑکانا شروع کر دیا ہے اور فوج کو جمع کر لیا ہے تاکہ ظلم اپنی منزل پر پلٹ آئے اور باطل اپنے مرکز کی طرف واپس آجائے۔

خدا کی قسم! انہیں میرا کوئی گناہ نہیں ملا اور نہ انہوں نے میرے اور اپنے درمیان کوئی انصاف کیا ہے۔ یہ مجھ سے اُس حق کا مطالبہ کر رہے ہیں جو خود انہوں نے نظر انداز کیا ہے اور اُس خون کا تقاضا کر رہے ہیں جو خود انہوں نے بہایا ہے۔ اگر میں اس کام میں اُن کے ساتھ شریک تھا تو اُن کا بھی اس خون ریزی میں ایک حصّہ تھا اور وہ تنہا مجرم تھے تو ذمہ داری بھی انہیں پر ہے۔ بیشک ان کی سب سے اہم دلیل بھی انہیں کے خلاف ہے۔ یہ اس ماں سے دودھ پینا چاہتے ہیں جس کا دودھ ختم ہو چکا ہے اور اس بدعت کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جو مر چکی ہے۔ ہائے یہ جنگ کا داعی کس قدر نامراد ہے۔ کون پکار رہا ہے؟ اور کس مقصد کے لیے اس کی بات سنی جا رہی ہے؟ میں اس بات سے خوش ہوں کہ پروردگار کی حجت اُن پر تمام ہو چکی ہے اور وہ اُن کے حالات سے باخبر ہے۔

اب اگر ان لوگوں نے حق کا انکار کیا ہے تو میں انہیں تلوار کی باڑھ عطا کروں گا کہ وہی باطل کی

---

1. کافی: ج ۵، ص ۵۳؛ تاریخ یعقوبی: ج ۲، ص ۲۰۹؛ الفتوح: ج ۱، ص ۱۱۳؛ امالی طوسی: مجلس ۶، ح ۳۶، ص ۱۶۹؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۱، ص ۳۰۶؛ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۲۴۰۔

بیماری سے شفا دینے والی اور حق کی واقعی مدد گار ہے۔ حیرت انگیز بات ہے کہ یہ لوگ مجھے نیزہ بازی کے میدان میں نکلنے اور تلوار کی جنگ سہنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ رونے والیاں ان کے غم میں روئیں۔ مجھے تو کبھی بھی جنگ سے خوفزدہ نہیں کیا جاسکا ہے اور نہ میں شمشیر زنی سے مرعوب ہوا ہوں میں تو اپنے پروردگار کی طرف سے منزل یقین پر ہوں اور مجھے دین کے بارے میں کسی طرح کا کوئی شک نہیں ہے۔[1]

[آخر میں اپنے ہاتھ آسمان کی جانب اٹھائے اور دعا کی:]

پروردگارا! آنکھیں تیری طرف اٹھی ہوئی ہیں، ہاتھ تیرے سامنے پھیلے ہوئے ہیں، دل تیری جانب محوِ پرواز ہیں اور اعمال کے ذریعے سے تیرا تقرّب حاصل کر رہے ہیں:

﴿رَبَّنَا افۡتَحۡ بَيۡنَنَا وَ بَيۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَقِّ وَ اَنۡتَ خَيۡرُ الۡفٰتِحِيۡنَ﴾[2]

اے ہمارے رب! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان برحق فیصلہ کر اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔[3]

چند شبہات واعتراضات کا جواب

[اسی دن بعض افراد کو ایسے سوال پیش آئے جن کا جواب دینا لازم تھا۔ مثال کے طور پر ایک شخص میرے سامنے آکر کھڑا ہوا اور بولا: یا امیر المومنین! یہ گروہ تکبیر کہتا ہے اور ہم بھی تکبیر کہتے ہیں۔ یہ بھی لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اور ہم بھی یہ کلام اپنی زبانوں پر جاری کرتے ہیں۔ یہ بھی نماز پڑھتے ہیں اور ہم بھی پڑھتے ہیں! پھر ان سے کس چیز پر جنگ کریں؟! میں نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا: اس آیت کے مطابق:

﴿تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ۘ مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدۡنٰهُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلَ الَّذِيۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ

---

[1] نہج البلاغۃ: خطبہ ۲۲.

[2] اعراف: ۸۹.

[3] الجمل: ص ۳۴۱؛ کتاب سلیم بن قیس: ص ۹۰۲.

مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ وَ لٰكِنِ اخۡتَلَفُوۡا فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَفَرَ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلُوۡا ۟ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ يَفۡعَلُ مَا يُرِيۡدُ ﴾[1]

ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے بعض ایسے ہیں جن سے اللہ ہم کلام ہُوا اور اُس نے اِن میں سے بعض کے درجات بلند کیے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو روشن نشانیاں عطا کیں اور ہم نے روح القدس سے ان کی تائید کی اور اگر اللہ چاہتا تو ان رسولوں کے آنے اور روشن نشانیاں دیکھ لینے کے بعد یہ لوگ آپس میں نہ لڑتے، مگر انہوں نے اختلاف کیا، پس ان میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض نے کفر اختیار کیا اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ باہم نہ لڑتے، مگر اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ہم وہ ہیں جو ایمان لائے اور ہمارے دشمن وہ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کیا۔

[وہ شخص اس جواب پر متعجب ہوا، کہنے لگا: خدائے کعبہ کی قسم یہ لوگ کافر ہو گئے ہیں! اس کے بعد اس نے ان پر حملہ کیا اور جامِ شہادت نوش کر گیا۔[2]

ایک اور شخص اٹھا اور بولا: یا امیر المومنینؑ! اس سے بڑا فتنہ کیا ہو گا کہ اصحابِ بدر نے ایک دوسرے کے خلاف تلواریں سونت لیں ہیں اور جنگ کر رہے ہیں؟! میں نے اسے جواب دیا:]

وائے ہو تجھ پر! تُو کس طرح اس واقعے کو فتنے کا نام دے رہا ہے، جبکہ میں امیر لشکر اور رہبر ہوں؟! اس خدا کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا اور ان کی تکریم کی، نہ میں نے تم سے جھوٹ کہا ہے اور نہ مجھ سے جھوٹ کہا گیا ہے۔ نہ کسی غلط راہ پر چلا ہوں اور نہ کسی کو راہِ حق سے بھٹکایا ہے۔ آج تک ایک دفعہ بھی لغزش کا شکار نہیں ہو اور نہ کسی کو لغزش سے دوچار کیا ہے۔ میرے ہاتھ میں ایسے واضح دلائل ہیں جو خدا اور اس کے رسول ﷺ نے مجھے عنایت فرمائے ہیں۔ روزِ قیامت مجھے اس حال میں بلایا جائے گا کہ میرے نامۂ عمل میں کوئی گناہ نہیں ہو گا اور اگر کوئی گناہ تھا بھی تو ان بیعت شکنی کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے کی وجہ سے بخش دیا جائے گا![1]

---

1. بقرہ: ۲۵۳۔

2. تفسیر عیاشی: ج۱، ص ۱۳۶؛ تفسیرِ قمی: ج۱، ص ۸۴؛ امالی طوسی: مجلس ۷، ح ۳۹، ص ۱۹۷؛ الاحتجاج: ج۱، ص ۱۷۸۔

[ایک بَدّو سامنے آیا اور کہنے لگا: یا امیر المومنین! خدا کے واحد ہونے کے کیا معنی ہیں؟

میرے ساتھیوں نے اس پر اعتراض کیا کہ اس وقت جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور تجھے ایسے سوال سوج رہے ہیں؟ لیکن میں نے اپنے اصحاب سے کہا:]

اِسے کچھ نہ کہو کیونکہ یہ وہی چاہتا ہے جس چیز پر ہم اس جماعت سے بر سر پیکار ہیں!

[اس کے بعد اس بدو کو سمجھانے کی غرض سے کہا:]

اے عرب! یہ کہنا کہ خدا واحد و یکتا ہے، اس کے چار ممکنہ معنی ہیں۔ جن میں سے دو غلط جبکہ دو صحیح ہیں:

خدا کے بارے میں پہلا غلط معنی، واحد عددی کا ہے؛ کیونکہ خدا کا کوئی دوسرا نہیں، لہذا اس کے بارے میں اعداد میں بحث نہیں کی جا سکتی۔ کیا تو نہیں دیکھتا جنہیں نے خدا کو تین میں سے ایک کہا وہ کافر ہو گئے؟!

دوسرے معنی جو غلط ہیں وہ جنس کی قسم سے ہیں۔ جیسے کہا جائے کہ فلاں فرد، انسانوں کی جنس میں سے ایک فرد ہے۔ خدا کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایک خدا بقیہ خداؤں کی جنس سے ہے۔ کیونکہ اس صورت میں خدا کے لیے شریک کا قائل ہونا پڑے گا اور خدا کی شان اس سے برتر ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو۔

البتہ خدا کے بارے میں دو صحیح معنی یہ ہیں: پہلا معنی خدا کے یگانہ ہونا ہے، جس کی اشیاء کے درمیان کوئی شبیہ و نظیر نہیں اور خداوندِ متعال ایسا ہی ہے کہ کمالات میں اس کی کوئی نظیر اور شبیہ نہیں۔ خدا کے واحد ہونے کے دوسرے صحیح معنی یہ ہیں کہ وہ احدیّ المعنیٰ ہے، یعنی خدا نہ اپنے وجود میں تقسیم ہو سکتا ہے نہ عقل میں اور نہ وہم میں اور ہمارا خدا ایسا ہی ہے۔[2]

---

[1] شرحِ نہج البلاغۃ: ج۱، ص ۲۶۵.

[2] التوحید: ص ۸۳؛ معانی الاخبار: ص ۵؛ الخصال: ج۱، ص ۲؛ اعلام الدین: ص ۶۶.

۱۱۔ آغازِ جنگ

✿ مجاہدین کو نصیحت

[قبل اس کے کہ میرے سپاہی حملہ کرتے، انہیں کچھ نصیحتیں کرتے ہوئے کہا:]

لطفِ الٰہی سے تم حق پر ہو اور حجّت کافی رکھتے ہو۔ لہٰذا اس گروہ کے ساتھ جنگ کی شروعات کرنے والے نہ بنو۔ تمہارا جنگ سے اس وقت تک ہاتھ روکنے رکھنا جب تک یہ خود آغاز نہ کریں، تمہاری حقانیّت کی دوسری دلیل ہو گی۔ جنگ شروع ہونے کے بعد، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی زخمی شخص کو قتل کرو، جب یہ شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کریں تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان کا تعاقب کرو۔ دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی نہ کرنا نہ انہیں مثلہ کرنا۔

جب تم اس گروہ کے گھروں تک پہنچو، ہر قسم کی پردہ دری سے اجتناب کرنا، کسی گھر میں داخل نہ ہونا اور نہ کسی کے اموال پر قابض ہونا۔ تکلیف و آزار دے کر خواتین کو سخت ردِ عمل دکھانے پر مجبور نہ کرنا، چاہیں وہ تمہاری اہانت کریں اور تمہیں ناسزا کہیں اور تمہارے اجداد اور بزرگوں کو برا بھلا بھی کہیں، کیونکہ خواتین اس قسم کے مسائل میں کم تحمل واقع ہوئی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں، ان میں آپؐ کی جانب سے خواتین کے ساتھ سخت روّیہ اپنانے کی ممانعت تھی، جبکہ اس زمانے میں یہ مشرک تھیں! اگر کوئی شخص اس نصیحت کے خلاف جا کر سختی کرتا، یہاں تک کہ عصا یا کسی درخت کی شاخ سے بھی کسی خاتون کے ساتھ جسارت کرتا، لوگ اس پر تنقید کرتے اور یہ ننگ و عار اس کے خاندان میں باقی رہتی۔[1]

اے لوگو! جب دشمن کے سپاہی اپنی شکست قبول کر کے راہِ فرار اختیار کریں، انہیں زخمی نہ کرنا۔ قیدیوں کو قتل نہ کرنا۔ جو میدان سے راہَ فرار اختیار کر رہے ہوں ان کا پیچھا نہ کرنا۔ دشمن کی لاشوں کو

---

[1] شرحِ نہج البلاغۃ: ج۶، ص ۲۲۸؛ انساب الاشراف: ج۲، ص ۲۴۰؛ کافی: ج۵، ص ۳۸؛ مروج الذہب: ج۲، ص ۳۹۹؛ مناقبِ آلِ ابی طالبؑ: ج۳، ص ۱۵۵.

برہنہ نہ کرنا نہ ان کے جنازوں کی اہانت کرنا۔ پردہ دَری سے پرہیز کرنا اور اموال میں دست درازی سے باز رہنا، مگر اسلحے، گھوڑے اور غلاموں جیسے اموال جو وہ میدانِ جنگ میں اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ (اس کے علاوہ) ان کا بقیہ مال ان کے ورثاء کو ملے گا، ویسے ہی جیسے کتاب اللہ میں اسے معیّن و مقرر کردیا گیا ہے۔[1]

ان کے بچوں اور خواتین کو اسیر نہ بنانا۔ ان کے زخمیوں کو قتل نہ کرنا۔ ان میں سے جو بھی اپنے گھر چلا جائے اور گھر کا دروازہ بند کرلے اور جو بھی اپنے ہتھیار ڈال دے، امان میں ہے۔[2]

سپاہیوں کے جوش وولولے کو برقرار رکھنے کے لیے خطبہ دیا

اے بندگانِ خدا! قیام کرو اور کشادہ سینوں کے ساتھ اس گروہ سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ انہوں نے بیعت توڑی، میرے گورنر عثمان بن حُنَیف کو زدوکوب کیا اور بڑی اذیتیں دینے کے بعد شہر بدر کردیا، بیت المال پر میرے مقرر کردہ نگہبان کو تہہِ تیغ کرڈالا، حکیم بن جبلّہ عدی اور اس کے ساتھ دیگر صالحین کو قتل کیا، وہاں سے راہِ فرار اختیار کر جانے والوں کا پیچھا کیا، وہ جہاں بھی چھپے انہوں نے انہیں وہاں سے ڈھونڈ نکالا اور بدترین شکل میں ان کی گردنیں ماردیں! خدا انہیں قتل کرے! یہ کہاں جارہے ہیں؟!

قیام کرو، ان پر حملہ کرو۔ ان کا شدّت سے مقابلہ کرو۔ اخلاص اور مقاوم نفسانی کیفیات کے ساتھ ان سے جنگ لڑو۔ یقین رکھو کہ تم انہیں خاک چٹادو گے اور اپنے ہاتھوں سے تہہِ تیغ کروگے۔ خود کو تیز نیزوں اور شمشیر بکف مردوں سے مقابلے کے لیے تیار کرو اور جنگی مردوں کا مقابلہ کرنے کے لیے خود کو پیش کرو۔ تم میں سے جو بھی خود میں دشمن کے ساتھ جنگ کرنے کی زیادہ توانائی دیکھے لیکن اپنے برادر میں کسی ضعف یا کمزوری کا مشاہدہ کرے، وہ اپنے بھائی کا بھی ویسے ہی دفاع کرے جیسے اپنا کرتا ہے۔ کیونکہ اگر خدا نے چاہا تو اس ضعیف بھائی کو بھی اس توانا کی طرح توانا اور شجاع بنادے گا۔[3]

---

[1] مروج الذھب: ج ۲، ص ۳۶۲.

[2] کافی: ج ۵، ص ۱۲.

[3] الارشاد: ج ۱، ص ۲۵۲؛ الجمل: ص ۳۳۴.

موت ایک جلد باز جستجو گر ہے۔ جو بھی اس سے گریز کرے گا، اس کے چنگل سے بچ نہیں سکتا۔ اسے اپنا تعقب کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا۔ اس لیے آگے بڑھو اور سستی نہ دکھاؤ۔ یہ دشمن کی گرج اور آوازیں جنہیں تم سن رہے ہو، ان کی سستی اور غیر متحد ہونے کی علامت ہے، اسی وجہ سے یہ ہمیں جنگ میں سکوت اختیار کرنے کا حکم دیتے تھے۔

اب اپنے دانتوں بھینچ لو، تلواروں کے واروں کے مقابل صبر اور پائیداری کا مظاہرہ کرو۔ اس خدا کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میرے لیے بستر پر مرنے سے زیادہ آسان تلوار کے ہزار وار سہنا ہے۔ صبر کے ساتھ، اللہ کی رضا کی خاطر ان سے جنگ کرو کیونکہ کتابِ خدا اور سُنّت (رسول ﷺ) تمہارے ساتھ ہے اور ہم جس کے ساتھ ہیں بے شک وہ قدرت مند ہے۔ اپنے واروں سے انہیں سچی قدرت دکھادو۔ دشمن کا مقابلہ کرتے ہوئے تم میں سے جو بھی اپنے وجود میں شجاعت، قوتِ قلب اور استقامت و ثابت قدمی محسوس کرے، وہ خود پسندی کا شکار نہ ہو، نہ یہ سوچے کہ اسے دوسروں پر فضیلت حاصل ہے![1]

اے بندگانِ خدا! تقوئے الٰہی اپناؤ، اپنی انکھیں بند کر لو،[2] اپنی آواز نیچی کر لو اور کم سے کم بات کرو۔ خود کو دشمن سے پیکار کے لیے آمادہ کر لو، دشمن سے مقابلے کے لیے مقاتلے اور جنگ، تلواروں کے پیہم واروں، نیزوں کے ردوبدل، دشمنوں سے دست وگریبان ہونے، صفوں کو چیرنے، رقیبوں کے سامنے، یہاں تک کہ دانتوں سے کاٹنے تک کے لیے تیار ہو جاؤ!

﴿فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ وَ اَطِيْعُوا اللهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾[3]

تو ثابت قدم رہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ ناکام رہو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر سے کام لو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

---

[1] الجمل: ص۳۵۸.

[2] یعنی دشمن سے خیرہ ہونے سے پرہیز کرو.

[3] انفال:۴۶.

پروردگارا! ان کے دلوں پر صبر اور ثابت قدمی کا نزول فرما، ان پر اپنی نصرت اور مدد کا نازل فرما نیز ان کے اجر میں اضافہ فرما۔[1]

محمد حنفیہ کے ہاتھ میں سیاہ پرچم

[میں نے اپنا جنگی لباس طلب کیا اور اسے پہننے کے بعد اپنے بیٹے محمدؐ سے کہا عمامے کے کپڑے سے میری کمر مضبوطی سے باندھ دے۔ تلوار اٹھا کر کے حمائل کی۔ اس کے بعد لشکر کا علم محمدؐ کے ہاتھ میں دے کر اسے چند نصیحتیں کیں:]

عَلم کے ساتھ آگے بڑھو۔ توجّہ رہے، عَلم تمہارے ساتھ چلنے والے تمام افراد سے آگے رہنا چاہیے۔ تو سب سے آگے آگے چل تا کہ بقیہ افراد تیرے پیچھے پیچھے آگے بڑھیں۔ اگر کوئی تجھ سے آگے بڑھ بھی جائے اور حملہ کرے تو تیرے پاس واپس آجائے۔[2]

سنجیدگی اور جد وجہد کے ساتھ علم کی حفاظت کرنا۔ جب بھی لشکر کی صفین درہم برہم ہوں، تو اپنے جگہ پر جما رہنا اور اپنے ساتھیوں کے درمیان عَلم کو سیدھا اٹھائے رکھنا کیونکہ اگر تُو اپنے ساتھیوں کو نہیں بھی دیکھ رہا ہو تو وہ تجھے دیکھ لیں گے۔[3]

بیٹا! جو کچھ تیری نگاہوں کے سامنے ہے، تجھے وحشت زدہ نہ کرے۔ میں تجھ سے کم عمر تھا جب علم اپنے ہاتھ میں لیا تھا۔ مجھے دشمن کبھی پریشان نہ کر سکا نہ وحشت میں ڈال سکا۔ کیونکہ میں نے ہر ایک سے جنگ کے وقت خود سے کہا: میں جیت جاؤں گا اور اسے قتل کروں گا۔

ہمیشہ خدا کی مدد اور نصرت پر یقین رکھ کہ تُو دشمن پر فتح حاصل کر لے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے نفس کا ضعف تیرے یقین کو کمزور کر دے، کہ یہ بدترین شکست ہے۔[4]

خبردار پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹے تو ہٹے پر تیرے پائے استقلال میں لغزش نہ آئے۔ اپنے دانت بھینچ

---

[1] کافی: ج ۵، ص ۳۸.

[2] الجمل: ص ۳۵۹.

[3] الجمل: ص ۳۶۸.

[4] الجمل: ص ۳۶۸.

لینا۔ اپنا کاسہ سر اللہ کے حوالے کر دینا۔ زمین میں قدم گاڑ دینا۔ نگاہ لشکر کی آخری صف پر رکھنا۔ دشمنوں کی کثرت سے صَرفِ نظر کرنا، یہ یاد رکھنا کہ مدد اللہ ہی کی طرف سے ہے۔[1]

❁ جنگِ جمل کے کچھ واقعات کا بیان

[میرے جنگی لباس کا ایک حصّہ پشت کی جانب سے پھٹا ہوا تھا۔ ابنِ عباس نے دیکھ کر کہا: ڈر ہے کہیں پشت کی جانب سے کوئی آپ کو زخمی نہ کر دے۔ میں نے ان کے اطمینانِ خاطر کے لیے کہا:]

پریشان نہ ہو۔ کوئی بھی پشت کی طرف سے مجھ پر حملہ آور نہیں ہو گا۔ خدا کی قسم! اے عبد اللہ بن عباس میں نے کسی بھی میدان میں دشمن کو پشت نہیں دکھائی![2]

[میں نے خود دو بار حملہ کیا، دشمنوں کی صفیں چیر کر رکھ دیں، دونوں حملوں میں میری تلوار ٹیڑھی ہو گئی۔ اپنے زانو پر رکھ کر اسے سیدھا کیا اور اپنے ان اصحاب کو جو ان حملوں سے حیرت میں تھے، کہا:]

خدا کی قسم! میرا اس شمشیر زنی سے خدا کی رضا اور خانۂ آخرت کی آبادی کے علاوہ کچھ اور مقصود نہیں![3]

[ابی خلف خزاعی نامی شخص مجھے ڈھونڈتا ہوا آیا اور بولا: کیا مجھ سے جنگ کے لیے تیار ہے؟! میں نے اس سے کہا:]

مجھے تیرا مطالبہ برا نہیں لگا؛ لیکن وائے ہو تجھ پر اے ابن ابی خلف! تجھے مر کر بھی سکون نہیں ملے گا اور تُو قطعی طور پر جانتا ہے، میں کون ہوں؟!

[وہ بہت مغرور انسان تھا، کہنے لگا: باتیں چھوڑ اور نزدیک آ تا کہ معلوم ہو جائے کون کس کے ہاتھ مارا جائے گا۔ میں نزدیک گیا۔ اس نے وار کیا جسے میں نے رد کر دیا۔ اس کے بعد میرے پہلے وار سے اس کا ہاتھ کٹا اور دوسرے وار سے اس کی گردن تن سے جدا ہو گئی۔[4]

1۔ نہج البلاغۃ: خطبہ ۱۱۔

2۔ الجمل: ص ۳۵۶۔

3۔ الفتوح: ج ۱، ص ۱۱۹؛ مناقبِ خوارزمی: ص ۱۸۷؛ شرحِ نہج البلاغۃ: ج ۱، ص ۲۵۷۔

4۔ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۲۴۲؛ الفتوح: ج ۱، ص ۱۲۳؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۱، ص ۲۶۱؛ کشف الیقین: ص ۱۵۵۔

ان حملوں میں سے ایک حملے کے بعد واپس اپنی لشکر گاہ کی جانب آیا۔ بہت پیاس لگ رہی تھی۔ پانی مانگا۔ میرے اصحاب میں سے ایک نے مجھے شہد کا شربت پلایا۔ اسے پیتے ہی میں نے کہا:]

یہ طائف کے علاقے کا شہد ہے۔

[وہ شخص بہت حیران ہوا کہ ان سخت اور طاقت فرسا حالات میں بھی میں نے شہد کی جزئیات کے بارے میں بتا دیا۔ میں نے اس سے کہا:]

اے میرے برادر زادے! خدا کی قسم! آج تک کوئی چیز تیرے چچا کے قلب کو خود میں مشغول نہیں کر پائی، نہ کوئی چیز اسے ہراساں اور پریشان کر سکی ہے۔[1]

[جب میرا باوفا صحابی زید بن صوحان زخموں سے چور ہو کر زمین پر گرا، اس کی بالیں پر پہنچا اور اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا:]

اے زید! تجھ پر خدا کی رحمت ہو کہ تو ہمارے لیے بہت کم زحمت بنا جبکہ تیری خدمت گزاری اور یاوری بہت زیادہ تھی۔

[زید نے اپنا سر اٹھایا اور جواب میں کہا: یا امیر المومنین! خدا آپ کو بہترین اجر سے نوازے۔ خدا کی قسم! میں آپ کو یہ تعارف رکھتا ہوں کہ آپ کو خدا کی کامل درجہ معرفت حاصل ہے اور عالمِ ہستی میں آپ کا مقامِ رفیع اور مستحکم ہے۔ آپ کے وجود کی گہرائیوں میں عظمتِ الٰہی موجزن ہے۔ خدا کی قسم! میں علم رکھتے ہوئے آپ کی رکاب میں شریکِ جنگ ہوا ہوں۔ میں نے زوجہ رسول ﷺ اُم سلمٰہ سے سنا، کہ آپؐ نے فرمایا: جس جس کا میں مولا ہوں اُس اُس کا علیؑ مولا ہے۔ پروردگارا! اس کے محبوب سے محبت فرما اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھ، جو اس کی مدد کریں ان کی مدد فرما اور جو اسے خوار کریں تو انہیں خوار فرما۔

خدا کی قسم! میں ان میں سے نہیں ہونا چاہتا تھا جنہوں نے آپ کو تنہا چھوڑ دیا اور آپ کی مدد و نصرت کو نہیں آئے۔ کیونکہ اگر میں آپ کو تنہا چھوڑ دیتا، خدا مجھے تنہا چھوڑ دیتا اور خوار کر دیتا۔][2]

---

[1] الامامة والسیاسة: ص ۹۶؛ مروج الذہب: ج ۲، ص ۴۰۷۔

[2] رجال کشی: ص ۶۶؛ الاختصاص: ص ۷۹؛ الطرائف: ج ۱، ص ۱۰۳؛ الصراط المستقیم: ج ۱، ص ۲۷۵؛ مناقب خوارزمی: ص ۱۷۷؛ کشف الیقین: ص ۲۳۶۔

۱۲۔ اختتامِ جنگ

❁ عائشہ کے اونٹ کو پے کرنے کا حکم

[طلحہ و زبیر کے قتل ہونے کے بعد فقط عائشہ کا اونٹ میدان جنگ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ مخالف لشکر نے اس کے گرد حلقہ بنا رکھا تھا اور میرے سپاہیوں کا مقابل کر رہے تھے۔ اس اونٹ کے گرد بہت سے افراد لقمۂ اجل بن چکے تھے اور کئیوں کے ہاتھ قلم ہوئے تھے۔ میں نے مالکِ اشتر اور عمار یاسر کو بلا کر ان سے کہا:]

یہ لوگ اس وقت تک جنگ سے ہاتھ نہیں اٹھائیں گے جب تک یہ اونٹ ان کی آنکھوں کے سامنے ہے لیکن اگر اس اونٹ کو مار گرایا، کوئی اس کے گرد کھڑا ہو کر مقابلہ کرنے والا نہیں بچے گا۔[1]

[میں نے حکم دیا:]

جاؤ اور جا کر اس اونٹ کا کام تمام کرو، جب تک یہ زندہ ہے جنگ کے شعلے ٹھنڈے نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اونٹ ان کا قبلہ بنا ہوا ہے!

[ان دونوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ حملہ کیا اور بالآخر اونٹ کو پے کر دیا، اونٹ کے گرتے ہی اس پر رکھا ہودج جس میں عائشہ سوار تھی، زمین پر آ گرا۔ میں نے فوراً حکم دیا:]

محمل کی طنابیں کاٹ دو۔

[عائشہ کے بھائی محمد بن ابی بکر کو اس کی حفاظت کرنے کرنے کا حکم دیا۔][2]

❁ لشکرِ جمل کی شکست کے بعد عائشہ سے گفتگو

[عائشہ کے اونٹ پر رکھے ہودج کے گرتے ہی اس کے پاس گیا اور پوچھا:]

اب بول حمیرا! تو مجھے قتل کرنا چاہتی تھی، ویسے ہی جیسے عثمان کو قتل کیا تھا! کیا خدا نے تجھے ایسا

---

[1] اخبار الطوال: ص ۱۵۰.

[2] شرح نہج البلاغۃ: ج ۶، ص ۲۲۸.

کوئی حکم دیا تھا؟! کیا رسول اللہ ﷺ نے تجھ سے ایسا کوئی عہد لیا تھا؟![1]

لوگوں کو میدان میں بلا لائی لیکن وہ سب راہِ فرار اختیار کر گئے۔ تُو نے لوگوں کے درمیان ایسا تفرقہ ایجاد کیا کہ وہ ایک دوسری کے خون کے پیاسے ہو گئے اور ایک دوسرے کو تہہِ تیغ کر دیا![2]

اے حمیرا! کیا رسول اللہ ﷺ نے تجھے ایسا کوئی حکم دیا تھا؟ کیا انہوں نے تجھے گھر میں رہنے کا حکم نہیں دیا تھا؟ خدا کی قسم! جو لوگ تجھے تیرے گھر سے نکال کر میدانِ جنگ میں کھینچ لائے، انہوں نے تیرے ساتھ انصاف کا معاملہ نہیں کیا کیونکہ انہوں نے اپنی بیویوں کو تو اپنے گھروں میں رکھا لیکن تجھے اپنے ہمراہ لے آئے![3]

ہاں! اس خدا کی قسم جس نے دانے کو شگافتہ اور خلق کو پیدا کیا! اب بھی رسول اللہ ﷺ کی آواز تیرے کانوں میں گونج رہی ہے کہ وہ اصحابِ جمل اور اصحابِ نہروان پر لعنت کیا کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ افراد جنگ میں مارے جائیں گے اور باقی رہ جانے والے دینِ یہود پر مریں گے اور راہیِ جہنم ہوں گے![4]

[عائشہ کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے بس یہ کہا: اے ابن ابی طالب، اب جب کہ تو فتح یاب ہو چکا ہے تو اپنی کرامت ظاہر کر۔

میں نے اس کے بھائی محمد بن ابی بکر کو حکم دیا:]

اپنی بہن کی حفاظت تیری ذمہ داری ہے۔ خیال رکھنا، تیرے علاوہ کوئی دوسرا اس کے نزدیک نہ جائے۔[5]

---

[1] امالی مفید: مجلس ۳، ح ۸، ص ۲۴؛ انساب الاشراف: ج ۲، ص ۲۴۹؛ الفتوح: ج ۱، ص ۱۲۸؛ الاخبار الطوال: ص ۱۵۱؛ مروج الذہب: ج ۲، ص ۴۰۶؛ تاریخ یعقوبی: ج ۲، ص ۱۸۳؛ الجمل: ص ۳۶۹ و ۳۷۱؛ الکامل: ج ۳، ص ۲۵۴.

[2] الکامل: ج ۳، ص ۲۶۲.

[3] مروج الذہب: ج ۲، ص ۴۰۶.

[4] الکافئۃ: ص ۳۴.

[5] المناقب: ج ۳، ص ۱۶۱.

اسے میدان سے باہر لے جا اور بنو خلف خزاعی کے گھر میں ٹھہرا دے۔[1]

[1] امالی مفید: مجلس ۳، ح ۸، ص ۲۴.

۱۳۔ فتح و کامیابی

۞ شکست خوردہ افراد کے لیے عام معافی کا اعلان

[جنگ اپنے اختتام کو پہنچی:]

خدا نے ان میں سے ایک گروہ کو قتل کیا جبکہ ایک گروہ نے راہِ فرار اختیار کی اور اپنے شہروں کو بھاگ کھڑے ہوئے۔ آخر میں انہوں نے اسی چیز کا مطالبہ کیا جو میں پہلے دن سے چاہتا تھا۔ یعنی جنگ سے ہاتھ اٹھالینا۔ میں نے بھی ان کی بات مان لی اور ان کے سر پر لٹکتی تلوار نیام میں رکھ لی۔ اس کے بعد سب کو معاف کر دیا اور ان کے حق میں حق و سُنّت سے کام لیا۔[1]

[میں نے حکم دیا:]

قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے، زخمی افراد کو قتل نہ کیا جائے، فرار کرنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے۔ جس نے بھی ہتھیار ڈال دیے ہیں، وہ امان میں ہے اور جو اپنے گھر جاکر دروازہ بند کر لے، وہ بھی امان میں ہے۔[2]

متوجہ رہو! جو میدانِ جنگ سے فرار کر رہا ہو اس کا تعاقب نہ کرنا، زخمیوں کو قتل نہ کرنا اور لوگوں کے گھروں میں نہ گھسنا![3]

۞ لاشوں کو دفنانے کی کُلّی اجازت

[پہلے ایک کُلّی حکم دیا:]

جو بھی اپنے کشتوں کو دفنانا چاہے، اسے دفنانے کی اجازت ہے۔

[پھر اپنی فوج کے شہداء کے لیے بطورِ خاص حکم صادر کیا:]

---

[1] الجمل: ص ۳۹۷؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۵۴۵؛ الارشاد: ج ۱، ص ۲۵۸.

[2] غیبت نعمانی: ص ۳۰۷؛ تاریخ یعقوبی: ج ۲، ص ۱۸۳.

[3] الکامل: ج ۳، ص ۲۵۳.

۱۴۔ فتح کے بعد

❁ اہلِ جمل کے مقتولین سے گفتگو

[جنگ کے بعد، عمار اور اپنے دوسرے اصحاب کے ساتھ میدانِ جنگ میں چہل قدمی کرتے ہوئے مخالف لشکر کی لاشوں کے پاس سے گزرا۔ ان لاشوں میں سے کئی کا تعلق قریش سے تھے۔ ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا:]

معلوم ہوتا ہے جیسے ہم نے اپنے ہی جسم کا کوئی حصے کاٹا ہے! خدا کی قسم! تمہارا مارا جانا مجھ پر بہت ناگوار اور گراں ہے۔ میں نے پہلے ہی تمہیں خبردار کیا تھا، تمہیں تلواروں کی دھار سے متنبہ کیا تھا۔ لیکن تم جوان تھے، جاہلانہ انداز میں قدم بڑھاتے گئے اور یہ دن دیکھنا پڑا۔ وائے ہو بری موت پر! میں بری موت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔[1]

[جنگِ جمل میں قتل ہونے والے کچھ افراد کے بارے میں اپنے اصحاب کو تفصیل بتا رہا تھا کہ طلحہ کے جنازے پر پہنچا، اپنے اصحاب سے کہا:]

ابو محمد (طلحہ) نے اس میدان میں عالمِ غربت میں صبح کی ہے۔ خدا گواہ ہے کہ مجھے یہ بات ہرگز پسند نہیں تھی کہ قریش کے لاشے ستاروں کے نیچے زیر آسمان پڑے رہیں لیکن کیا کروں۔ بہر حال میں نے عبد مناف کی اولاد سے ان کے کئے کا بدلہ لے لیا مگر افسوس کہ بنی جمح بچ کر نکل گئے ان سب نے اپنی گردنیں اس امر کی طرف اٹھائی تھیں جس کے یہ ہرگز اہل نہیں تھے۔ اس لیے اس تک پہنچنے سے پہلے ہی ان کی گردنیں توڑ دی گئیں۔[2]

[اس کے بعد طلحہ کو مخاطب کر کے کہا:]

---

[1] الجمل: ص ۳۹۱۔

[2] نہج البلاغۃ: خطبہ ۲۱۹.

اپنے کشتگان کو اسی لباس میں دفن کرو جن میں یہ قتل ہوئے ہیں، یہ مقامِ شہادت پر فائز ہو کر محشور ہوں گے اور میں خود ان کی وفاداری کی گواہی دوں گا۔[1]

اپنے وفادار اور جان باز سپاہیوں کی قدردانی

[اپنے اصحاب کی قدردانی کرتے ہوئے ان سے کہا:]

تم میرے برحق اصحاب اور دینی و ایمانی بھائی ہو۔ جنگ کے دن ڈھال کی طرح وار دور کرنے والے اور محافظ اور خلوتوں میں میرے محرمِ راز ہو۔ تمہاری مدد سے میں رُوگردانی کرنے والے افراد کی ہَوا اکھاڑتا ہوں اور انہیں راہِ راست پر لاتا ہوں جنہوں نے حق کو پشت دکھائی نیز ان دوستوں کو اُمید دلاتا رہا جنہوں نے ہمارا رخ کیا۔ پس خالص اور سالم خیر خواہی کے ساتھ ہر قسم کے فریب، دو رخی اور شک و تردید کے بغیر میری مدد کرو۔ خدا کی قسم! میں لوگوں (کی امامت) کے لیے سب سے زیادہ اولیٰ اور مقدّم ہوں۔[2]

مستقبل میں آنے والے محبّانِ اہل بیت علیہم السلام کو بشارت

[میرے اصحاب میں سے ایک نے حسرت کے ساتھ آرزو کی: کاش میرا بھائی بھی اس وقت ہمارے ساتھ ہوتا اور یہ عظیم فتح اپنی آنکھوں سے دیکھتا۔ میں نے اس سے پوچھا: کیا تیرے بھائی کا دل ہمارے ساتھ تھا؟ اس نے کہا: ہاں! میں نے اسے بشارت دی:]

وہ (اس جنگ میں) ہمارے ساتھ تھا، وہ تمام لوگ ہمارے ساتھ تھے ہمارے اس لشکر میں تھے جو ابھی دنیا میں نہیں آئے اور مردوں کے اصلاب اور عورتوں کے ارحام میں ہیں لیکن ہمارے ہم عقیدہ ہیں۔ عنقریب زمانہ انہیں منظر عام پر لے آئے گا اور ان کے ذریعہ ایمان کو تقویت حاصل ہو گی۔[3]

---

1. الجمل: ص ۳۹۴.
2. نہج البلاغہ: خطبہ ۱۱۸.
3. نہج البلاغہ: خطبہ ۱۲.

اے طلحہ! میں نے خدا کے کیے وعدہ کو حق پایا۔ کیا تُو نے بھی اپنے خدا کے وعدے کو سچا پایا؟![1]

ہاں! خدا کی قسم تو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا، شاہد تھا، تو نے سن اور دیکھ رکھا تھا لیکن شیطان نے تجھے راہ سے بھٹکا دیا، وہ تجھ پر مسلّط ہو گیا اور بالآخر اس نے تجھے جہنّم کا راہی بنا دیا۔[2]

[کعب بن سور کے جنازے پر پہنچا۔ جب اسے قتل کیا گیا، اس کی گردن میں قرآن لٹکا ہوا تھا۔ حکم دیا کہ قرآن اٹھا کر کسی پاک جگہ پر رکھیں۔ پھر کہا:]

یہ ہمارے مقابل اپنی گردن میں قرآن لٹکا کر آیا تھا۔ سمجھتا تھا کہ اپنی ماں عائشہ کی مدد کر رہا ہے! یہ لوگوں کو قرآن کی طرف دعوت دیتا تھا لیکن اسے معارفِ قرآن کی کوئی خبر نہیں تھی! اس نے خدا سے فتح کی دعا کی:

﴿وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ﴾[3]

اور انبیا نے فتح و نصرت مانگی تو ہر سرکش دشمن نامراد ہو کر رہ گیا۔

ہاں! اس نے خدا سے چاہا کہ مجھے قتل کر دے لیکن خدا نے اسے قتل کر دیا۔[4]

[اس کی بے جان لاش سے خطاب کر کے کہا:]

اے کعب بن سور! میں نے اس چیز کو حق پایا جس کا میرے خدا نے وعدہ فرمایا تھا کیا تو نے بھی اس چیز کو سچ پایا جس کا تیرے خدا نے وعدہ کیا تھا؟!

[معبد بن مقداد کے جنازے پر کھڑے ہو کر کہا:]

خداوند متعال اس کے والد پر رحمت کرے۔ ہمارے بارے میں اُس کی نظر اِس کی نظر سے بہتر تھی۔

[معبد بن زبیر کے جنازے پر پہنچا تو کہا:]

اگر فتنہ ثریا پر بھی برپا ہوتا، یہ جوان اس تک پہنچ جاتا! خدا کی قسم! کسی چیز کا علم نہیں رکھتا تھا، مجھ

1۔ الجمل: ص ۳۹۲؛ الکافئۃ: ص ۲۶؛ الارشاد: ج ۱، ص ۲۵۶؛ الفصول المختارہ: ص ۱۴۱؛ الاحتجاج: ج ۱، ص ۱۶۳.

2۔ الکافئۃ: ص ۲۵.

3۔ ابراہیم: ۱۵.

4۔ الکافئۃ: ص ۲۶.

اس شخص نے خبر دی جس نے اسے دیکھا تھا کہ یہ تلوار اور قتل کے ڈر سے پناہ گاہ ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔ اس وقت یہ بدبخت اس طرح قتل ہو کر تباہ و برباد ہو گیا ہے!

[مسلم بن قرظہ کے جنازے پر پہنچے۔ میں نے اپنے اصحاب سے کہا:]

اس شخص کے ساتھ میری اچھائی اور خدمات میرے خلاف اس کے قیام کا موجب بنیں۔ اس نے مجھ سے مکّہ میں موجود اپنے اموال کے بارے میں عثمان سے بات کرنے کا تقاضا کیا۔ میں نے اس سے اس طرح بات کی کہ وہ یہ اموال مسلم کو واپس کر دے۔ عثمان نے مجھ سے کہا تھا: اگر تیری سفارش نہ ہوتی، کبھی یہ مال اسے نہیں دیتا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں، یہ اچھے رشتے دار نہیں ہیں اور یہ عثمان کی مدد کرنے کی خاطر خود موت کے منہ میں جا پڑا۔

[عبد اللہ بن حکیم کی بالیں پر پہنچ کر کہا:]

یہ شخص اپنے والد کی نظر کے خلاف جا کر میرے مقابل آ گیا۔ اس کا والد میری مدد کے لیے نہیں اٹھا لیکن بیعت کر کے اپنے گھر میں بیٹھ گیا۔ میں نے کسی ایسے شخص کو سرزنش نہیں کی جس نے نہ ہماری مدد کی اور نہ ہمارے دشمن کے ساتھ ملا؛ بلکہ قابلِ سرزنش وہ ہے جو ہم سے جنگ کرنے چلا آیا ہے۔

[عبد اللہ بن مغیرہ کے لاشے پر پہنچے، تو بتایا:]

اس شخص کا باپ جنگ کے دن عثمان کے گھر میں مارا گیا، اپنے والد کے قتل پر غصے میں تھا جس وجہ سے اس لشکر کے ساتھ مل گیا۔ یہ ایک ایسا جوان تھا جسے کاموں کے انجام کا علم نہیں تھا۔

[عبد اللہ بن عثمان کے لاشے پر پہنچے تو کہا:]

میں نے خود دیکھا تھا، جب تلواریں میانوں سے باہر نکلیں یہ شخص بھاگ گیا تھا۔ یہ تلواروں کے سامنے سے تیزی سے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا تھا۔ میں نے لوگوں کو اسے قتل کرنے سے منع کیا تھا لیکن میری بات نہ سنی گئی! یہ بھی مجھ پر غضبناک ہونے والوں میں سے ایک تھا۔ یہ اور قریش کے دوسرے جوان فنونِ جنگ سے نابلد تھے۔ انہوں نے فریب کھایا اور لغزش کا شکار ہو گئے اور یہاں تک پہنچ گئے، جب اس میں پھنس گئے تو مضطرب اور بے چارہ ہو کر رہ گئے یہاں تک کہ مارے گئے۔[1]

[1] الجمل: ص ۳۹۱ تا ۳۹۴۔

قاتلِ زبیر سے گفتگو

[قاتلِ زبیر اس کی تلوار اور سر کے ساتھ میرے پاس آیا۔ اسے انعام کی اُمید تھی۔ میں نے اس سے کہا:]

خدا کی قسم! ابن صفیہ ضعیف اور ڈرپوک نہیں تھا نہ پست فطرت تھا۔ لیکن آج اسے یہ سب دیکھنا پڑا اور ایسی بری موت اس کا نصیب بنی۔

[میں نے زبیر کی تلوار ہاتھ میں لے کر حسرت سے کہا:]

یہ وہ تلوار ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے سے کئی غم دور کیے تھے۔[1]

[سرِ زبیر کی جانب دیکھا اور اس سے خطاب کر کے کہا:]

تجھے رسول اللہ ﷺ کی ہم نشینی کا افتخار حاصل تھا، نیز ان کے رشتے داروں میں سے بھی تھا۔ لیکن افسوس شیطان تجھ پر مسلّط ہوا اور تجھے ایسے دن اور مقام پر لا کھڑا کیا۔[2]

[اس کے بعد حاضرین کی جانب منہ کر کے کہا:]

خدا کی قسم! زبیر طلحہ کی نسبت مجھ سے زیادہ نزدیک تھا، وہ ہمیشہ ہم اہلِ بیتؑ کے ساتھ رہا، مگر جب اس کا بیٹا بڑا ہوا اس نے ہمارے درمیان فصیل کھینچ دی![3]

---

1. شرح نہج البلاغۃ: ج۱، ص ۲۳۵؛ الاخبار الطوال: ص۱۴۹؛ الفتوح: ج۱، ص ۱۱۷؛ مروج الذہب: ج ۲، ص ۳۷۳؛ الجمل: ص۳۸۹؛ الطبقات الکبریٰ: ج۳، ص ۱۱۲؛ الاحتجاج: ج۱، ص ۱۶۳؛ الکامل: ج۳، ص ۲۴۴.

2. الجمل: ص۳۹۰.

3. الجمل: ص۳۸۹.

۱۵۔ قیدوں کے ساتھ سلوک اور مالِ غنیمت کی تقسیم

عام معافی کا اعلان

[عثمان کے دو بیٹے اسیر ہو گئے تھے۔ انہیں میرے پاس لایا گیا۔ جنگِ جمل میں ان دونوں کے اہم کردار کی وجہ سے میرے بعض اصحاب نے انہیں قتل کرنے کا مطالبہ کیا لیکن میں نے ان کے جواب میں کہا:]

تم نے زبان سے نامناسب بات نکالی ہے! جب میں نے سب لوگوں کو امان دے دی ہے پھر ان دونوں کے قتل کا حکم کیسے دے سکتا ہوں؟!

[میں نے عثمان کے بیٹوں کو موت سے بچا لیا لیکن ان دونوں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا:]

اپنے غلط راستے سے واپس لوٹ آؤ اور گمراہی کے سفر سے باز آجاؤ۔ جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو اور اگر چاہوں تو میرے پاس بھی رہ سکتے ہو، میں تمہارے ساتھ نیکی سے پیش آؤں گا اور رشتے داری کا حق نبھاؤں گا![1]

[مروان بن حکم بھی اسیروں میں سے ایک تھا۔ اسے بھی معاف کر دیا۔ اس نے دوبارہ میری بیعت کرنے کا اعلان کیا لیکن میں نے اس سے بیعت لینے سے پرہیز کرتے ہوئے کہا:]

کیا اس نے قتل عثمان کے بعد میری بیعت نہیں کی تھی؟ مجھے اس کی بیعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ ایک یہودی قسم کا ہاتھ ہے۔ اگر آشکارا طور پر خود اپنے ہاتھ سے بیعت کر بھی لے تو رکیک طریقہ سے خلوت میں اپنی بیعت بھی توڑ ڈالے گا۔ یاد رکھو اسے بھی حکومت ملے گی مگر صرف اتنی دیر جتنی دیر میں کتا اپنی ناک چاٹتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ چار حاکموں کا باپ بھی ہے اور اُمّت اسلامیہ اس سے اور اس کی اولاد سے بدترین دن دیکھنے والی ہے۔[2]

---

[1] الجمل: ص ۳۸۲.

[2] نہج البلاغۃ: خطبہ ۷۳؛ اعلام الوریٰ: ص ۱۷۲.

[قریش کے نوجوانوں کا ایک گروہ جو لشکرِ مخالف میں شریک تھا، انہوں نے مجھ سے ملاقات کے لیے عبد اللہ بن عباس کو واسطہ بنایا۔ وہ مجھ سے معافی اور بیعتِ مجدّد کا تقاضا کر رہے تھے۔ میں نے ان سے کہا:]

اے گروہ قریش! سچ بتاؤ مجھ سے جنگ کیوں کی؟ کیا میں نے حکومت میں عادلانہ روّیہ نہیں اپنایا یا بیت المال کی تقسیم میں اقرباء پروری کا قائل ہوا اور مساوات کی رعایت نہیں کی یا اپنے لیے کسی خاص امتیاز کو مدِ نظر رکھا؟ کیا میرا رسول اللہ ﷺ سے دور کا رشتہ تھا یا میں نے اسلام کی راہ میں کم زحمت اٹھائی تھی؟!

[انہوں نے کہا: ہم یوسف کے بھائیوں جیسے ہیں۔ ہمیں بخش دیجیے نیز ہمارے لیے استغفار بھی کیجیے۔ میں نے ان سے کہا:]

میں نے تمہیں معاف کیا۔ لیکن خدا کی قسم! تم میں ایک ایسا شخص موجود ہے جو میرے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا، وہ ہاتھ سے بیعت کرے یا اپنی پشت سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا! کیونکہ وہ حتماً اپنی بیعت توڑ دے گا![1]

مالِ غنیمت کی تقسیم میں درپیش مشکل

[مالِ غنیمت تقسیم کرتے وقت ایک مشکل پیش آئی۔ میرے لشکر کے بعض افراد طرفِ مقابل کے مقتولین کی خواتین، بچوں اور اموال کو بطورِ مال غنیمت لینا چاہتے تھے۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ جب ان کا خون بہانا جائز تھا، پھر ان کے اموال لوٹنا اور ان کی خواتین اور بچوں کو غلامی میں لینا بدرجہ اولی جائز ہوگا۔ میں نے ان کے جواب میں کہا:]

ان خواتین اور بچوں کو مالِ غنیمت شمار کرنے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یہ سرزمینِ اسلام میں تھے اور مسلمان ہیں۔ ہم نے فقط ان سے جنگ کی ہے جو ہم سے جنگ کرنے آئے تھے، اور جنہوں نے ہم پر ستم روا رکھا تھا۔ لیکن ان کے اموال ان کے مستحق بچوں اور رشتے داروں کو وراثت کی صورت میں ملیں گے۔[1]

---

[1] امام کا مقصود مروان تھا۔ الجمل: ص ۴۱۳.

یہ خواتین اور بچے جو اسلامی زمین میں رہ رہے تھے اور مسلمان ہیں، انہیں اسیر بنانا تمہارے لیے حلال نہیں۔ ہاں وہ وسائل اور اموال جو یہ تم سے جنگ کے لیے میدان میں اپنے ساتھ لے آئے تھے، تم پر حلال ہیں اور انہیں تم مالِ غنیمت کے طور پر لے سکتے ہو لیکن وہ اموال جو گھروں میں موجود ہیں اور ان گھروں کے دروازے بھی بند تھے اور دشمن نے ان سے کوئی استفادہ نہیں کیا، وہ اس اہلِ خانہ سے متعلق ہیں اور تمہیں ان میں کوئی حق حاصل نہیں۔[2]

اہلِ توحید کو غلام بنانا جائز نہیں نہ ان کے اموال مال غنیمت کے طور پر لیے جاسکتے ہیں سوائے اس مال کے جس سے انہوں نے جنگ میں استفادہ کیا ہے۔ لہذا جو نہیں جانتے اس پر ضد نہ کرو اور جو حکم تمہیں دیے جاتے ہیں، ان پر عمل کرو۔[3]

[لشکر میں شامل بعض افراد اپنے مطالبے پر اصرار کر رہے تھے۔ میں نے انہیں ان کی غلطی کی جانب متوّجہ کرنے کے لیے کہا:]

پھر ہمیں سب سے پہلے عائشہ کے بارے میں قرعہ اندازی کرنی چاہیے، جس کے نام بھی قرعہ نکلا وہ اسے اپنی کنیزی میں لے گا!

[اس وقت وہ اپنی غلطی کی جانب متوّجہ ہوئے اور استغفار کی۔][4]

---

[1] الجمل: ص ۴۰۵.

[2] شرحِ نہج البلاغۃ: ج ۱، ص ۲۵۰؛ دعائم الاسلام: ج ۱، ص ۳۹۵.

[3] الاخبار الطوال: ص ۱۵۱.

[4] شرحِ نہج البلاغۃ: ج ۱، ص ۲۵۰.

۱۶۔ جنگ کی جامع تحلیل

طلحہ وزبیر یمن اور عراق کی حکومت پر قابض ہونا چاہتے تھے

[میں نے اپنے شیعوں کے نام لکھے خط میں جنگِ جمل کے مسائل کے بارے میں تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا:]

طلحہ حکومتِ یمن تک پہنچنے کی اُمید رکھتا تھا جبکہ زبیر عراق کی حکومت پر دل ہارا بیٹھا تھا۔ جب انہیں معلوم ہوا میں ان کی بات ماننے والا نہیں، نہ انہیں کوئی حکومت و گورنزی دینے والا ہوں، انہوں نے عمرے کے بہانے سے مجھ سے سفر کی اجازت طلب کی۔ در حقیقت وہ مکر و حیلہ کرنے کا قصد رکھتے تھے۔ اس کے بعد عائشہ سے جاملے۔ اس کا دل ویسے ہی میرے بُغض سے مملو تھا۔ ان دونوں نے عائشہ کو جنگ پر ابھارا۔ عبد اللہ بن عامر نے انہیں بصرہ پہنچا دیا اور جنگ جو مرد، مال اور وسائل ان کی خدمت میں پیش کرنے کا وعدہ کیا۔ وہ عائشہ کو بھی اپنے ساتھ لے گئے اور عائشہ بھی انہیں اپنے پیچھے پیچھے لے کر پہنچ گی! انہوں نے عائشہ کو اپنی پناہ گاہ کے طور پر استعمال کیا تاکہ اس کو محور بنا کر اس کے ارد گرد جنگ لڑیں۔ اس سے بڑا اور کیا گناہ ہو گا کہ اپنی عورتوں کو تو گھر میں محفوظ رکھا لیکن زوجہ رسول ﷺ کو گھر سے باہر نکال لائے اور وہ حجاب چاک کر ڈالا جو خدا نے اسے پہنایا تھا! حقیقت میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حق میں انصاف کی مراعات نہیں کی۔

قرآن میں تین خصلتیں ایسی ہیں جن کے عواقب لوگوں کے دامن گیر ہو جاتے ہیں: ظلم، عہد شکنی اور دھوکا دہی۔

خدائے متعال ارشاد فرماتا ہے:

﴿يَآيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ﴾[1]

اے لوگو! تمہاری یہ بغاوت خود تمہارے خلاف ہے۔

---

1. یونس: ۲۳.

نیز فرماتا ہے:

﴿فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا یَنۡكُثُ عَلٰی نَفۡسِهٖ﴾[1]

پس جو عہد شکنی کرتا ہے وہ اپنے ساتھ عہد شکنی کرتا ہے۔

اور فرماتا ہے:

﴿وَلَا یَحِیۡقُ الۡمَكۡرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ﴾[2]

بری چال کا وبال اس کے چلنے والے پر ہی پڑتا ہے۔

طلحہ وزبیر نے میرے حق میں ظلم روا رکھا۔ انہوں نے میری بیعت توڑ ڈالی، اور فریب ونیرنگ سے کام لیا۔ ایک طرف میں عائشہ بنت ابو بکر کی عداوت کا شکار ہوا۔ عائشہ لوگوں کے درمیان حیثیت رکھتی تھی لہذا انہوں نے اس کی اطاعت کی جبکہ دوسری جانب میں طلحہ وزبیر کی مشکل کا شکار ہوا۔ طلحہ میرا سب بڑا دشمن تھا جبکہ زبیر لوگوں میں سب سے زیادہ شجاع انسان تھا! یعلیٰ بن منیہ نے بھی ان کی بے شمار دیناروں سے مدد کی۔ خدا کی قسم! اگر میرا بس چلا تو اس کا مال مسلمانوں کے لیے مالِ غنیمت قرار دے دوں گا!

یہ لوگ بصرے میں داخل ہوئے۔ اہلِ بصرہ میری بیعت اور اطاعت پر یکدل تھے۔ اس شہر میں میرے شیعہ مسلمین کے بیت المال کے خزانہ دار تھے۔ طلحہ وزبیر نے لوگوں کو میری بیعت توڑنے پر اکسایا اور ان سے میری اطاعت سے روگردانی کا مطالبہ کیا۔ جس نے ان کا کہنا مانا، اسے کافر کہنے لگے اور جس نے ان کی مخالفت کی، اسے قتل کر دیا۔

حکیم بن جبلہ نے ان دونوں کے خلاف قیام کیا اور میدان میں اتر آیا۔ انہوں نے اہلِ بصرہ میں سے ستر ایسے افراد کو تہہِ تیغ کر دیا جو صالح اور اہلِ عبادت تھے اور اہلِ بصرہ میں «مثفّنین» کے نام سے معروف تھے۔ انہیں مثفنین کہنے کی وجہ کثرتِ عبادت کی وجہ سے ان کی ہتھیلیوں کا اونٹ کے گھٹنوں کی طرح کا ہو جانا تھا۔

یزید بن حارث یشکری نے ان کی بیعت کرنے سے انکار کیا اور طلحہ وزبیر سے کہا: خدا سے ڈرو۔

---

[1] فتح: ۱۰.

[2] فاطر: ۴۳.

اول تم نے ہمیں بہشت کی راہ دکھائی، اب آخر میں ہمیں دوزخ کی طرف نہ کھینچو! ہمیں مدّعیان کی تصدیق پر مجبور نہ کرو اور جو موجود نہیں اس کے خلاف حکم نہ دو۔ میرا سیدھا ہاتھ علیؑ ابن ابی طالبؑ کی بیعت کر چکا ہے، لیکن میرا بایاں بازو آزاد ہے۔ اگر چاہتے ہو اسے پکڑ لو!

انہوں نے اس کا گلا اس طرح دبایا کہ دم گھٹ گیا۔ خدا اس پر رحمت نازل کرے۔

عبداللہ بن حکیم تمیمی اٹھا اور کہا: اے طلحہ! کیا یہ خط پہچانتا ہے؟

کہا: ہاں یہ خط تجھے میں نے ہی لکھا تھا۔

پوچھا: اس میں تُو نے کیا لکھا تھا، کچھ یاد ہے؟

کہا: اسے میرے لیے پڑھ۔

اس نے خط پڑھا۔ اس میں طلحہ نے عثمان کو برا بھلا لکھا تھا اور عثمان کو قتل کرنے کا کہا تھا۔

اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ اس وجہ سے اسے بصرہ سے نکال باہر کیا۔

میری جانب سے مقرر کردہ گورنر عثمان بن حُنیف کو مکر و حیلے سے پکڑا، اسے بدترین اذیتیں دیں اور اس کے سر اور داڑھی کے سارے بال نوچ دے! میرے شیعوں میں سے ایک گروہ کو حیلے اور مکر و فریب سے قتل کیا اور بعض کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ انہوں نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ جاری رکھی یہاں تک کہ خدا سے جا ملے۔ خدا کی قسم! اگر انہوں نے فقط ایک شخص کو قتل کیا ہوتا، ان کا اور ان کے لشکریوں کا خون میرے لیے حلال تھا کیونکہ یہ سارے ان مقتولین کے قتل پر راضی تھے! لیکن انہوں نے ایک نہیں بلکہ خاصی تعداد کو تہہِ تیغ کر دیا۔ بالآخر خدا نے ان کا شر برطرف کر دیا۔ ظالموں سے خدا کی رحمت دور ہو!

طلحہ مروان کے مارے ہوئے تیر سے ابدی نیند سو گیا۔ میں نے زبیر سے بات کی، اسے رسول اللہ ﷺ کی احادیث یاد دلائیں جن میں آپؐ نے فرمایا تھا: تو علیؑ کے ساتھ جنگ کرے گا اور اس کے حق میں ظلم روا رکھے گا۔ عائشہ کو بھی رسول اللہ ﷺ نے اس سفر سے منع فرمایا تھا۔ وہ شکست کے بعد پشیمانی سے اپنی انگلیاں منہ سے چباتی رہی۔

بصرہ کی جانب سفر کے دوران طلحہ ذی قار کے علاقے میں پہنچا۔ وہاں کھڑے ہو کر اس نے خطبہ دیتے ہوئے کہا: اے لوگو! عثمان کے بارے میں ہم سے خطا ہو گئی۔ اس خطا کا تدارک نہیں ہو سکتا مگر

یہ کہ اس کے خون کا بدلہ لیں! علیؑ قاتلِ عثمان ہے اور اس کا خون علیؑ کی گردن پر ہے۔ اس وقت علیؑ منزل دارن پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے اور یمن کے مُرَدِّدین، قبیلہ رُبیعہ کے مسیحی نیز قبیلہ مُضر کے منافقین اس کے ساتھ ہیں۔

جب مجھے طلحہ و زبیر کے ان بُرے کلمات کی خبر ملی، ایک شخص کو ان کے پاس بھیجا، انہیں حقِ محمد ﷺ کی قسم دی کہ جب اہلِ مصر نے عثمان کا محاصرہ کر رکھا تھا تم ان کے ساتھ میرے پاس نہیں آئے تھے اور مجھ سے قتلِ عثمان میں ساتھ دینے کی درخواست نہیں کی تھی؟! کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ ہمارے پاس عثمان کو قتل کرنے کے لیے سوائے آپ کے کوئی مددگار نہیں، آپ خود بہتر جانتے ہیں کہ عثمان نے ابوذر کو مدینہ بدر کیا، عمار کو اتنا زدوکوب کیا کہ وہ فتق میں مبتلا ہو گئے، اُس حکم بن ابی العاص کو پناہ دی جسے رسول اللہ ﷺ ابو بکر اور عمر نے شہر بدر کر دیا تھا۔ کیا تم ہی نے نہیں کہا تھا، عثمان نے ولید بن عقبہ کو جو خدا کے حکم کے مطابق فاسق ہے، اپنا گورنر بنا دیا، خالد بن عرفطہ عُذری کو کتاب خدا پر مسلّط کر دیا اور اس نے قرآن کو پارہ پارہ کر کے جلا دیا؟! اس وقت میں نے تمہارے جواب میں کہا تھا: میں یہ ساری باتیں جانتا ہوں، لیکن اس وقت اس کے قتل میں مصلحت نہیں دیکھتا اور مستقبل قریب میں یہ حقیقت سب پر روشن ہو جائے گی۔ انہوں نے میری بات کی تائید اور ان کے صحیح ہونے کا اقرار کیا۔

رہا خونِ عثمان کے انتقام کا مسئلہ، اس وقت بھی عثمان کے بیٹے سعید اور عمرو موجود ہیں۔ انہیں اپنے باپ کے خون کے انتقام کی ذمہ داری اٹھانے دو، قبیلہ اسد اور قبیلہ تیم کب سے بنی اُمیہ کے خون کے ولی ہو گئے جو اس وقت طلحہ و زبیر ان کی جگہ خونِ عثمان کے منتقم ہو چلے ہیں؟ چونکہ طلحہ و زبیر کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا، مجبوراً خاموش رہے۔

اس کے بعد صحابی رسول ﷺ عمران بن حصین خزاعی اٹھے اور کہا: اے طلحہ و زبیر! ہمیں علیؑ کی اطاعت سے منحرف نہ کرو، ہمیں علیؑ سے کیے اپنے عہد و پیمان کو توڑنے پر نہ اکساؤ کیونکہ خدا کی رضا اس عہد و پیمان کی حفاظت اور اسے وفا کرنے میں ہے۔ کیا تمہارے گھروں میں جگہ نہیں تھی جو ام المومنین عائشہ کو ان کے گھر سے باہر نکال کر یہاں لانے پر مجبور ہو گئے؟ ان کا تمہارا ساتھ دینا اور ہمراہ چل کر یہاں تک آجانا بڑا تعجب خیز ہے۔ ہماری جان چھوڑ دو اور جس راستے سے آئے ہو اسی

سے مایوس ہو جاؤ، کیونکہ ہم اس کے بندے اور مطیع نہیں ہیں جو برتری جتانے کے درپے ہو۔

طلحہ وزبیر نے اسے قتل کرنا چاہا، لیکن کچھ مصلحتوں کے مدِّ نظر اس کام سے ہاتھ کھینچ لیا۔[1]

طلحہ وزبیر پر حجّت تمام کر چکا تھا

[ایک اور موقع پر جنگِ جمل کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہا:]

جن لوگوں نے میری بیعت کی تھی ان میں سے بعض نے جب خود کو اپنے اہداف اور آرزوؤں سے دور ہوتا دیکھا اور اپنے ذاتی مفاد اور غیر شرعی منافع تک دسترسی کی راہ بند پائی، مجھ پر شورش کر دی اور عائشہ کو بھی اپنے ساتھ ملالیا۔ باوجود اس کے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی جانب سے آپؐ کا ولی و وصی تھا، انہوں نے عائشہ کو اونٹ پر سوار کیا اور اپنے لشکر کی قیادت اس کے سپرد کر دی نیز ضروری وسائل کی جمع آوری کے بعد بصرہ کا رخ کر لیا۔ راستے میں، مخوف کے بیابانوں سے گزرتے وقت حوأب کے کتے ان پر بھونکے۔[2] ان پر مسلسل پشیمانی کی نشانیاں عیاں ہوتی جارہی تھیں لیکن پھر بھی اپنا سفر جاری رکھا اور لوگوں کے ساتھ بصرہ میں داخل ہو گئے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں میری بیعت کرنے کے علاوہ عثمان کے قتل کے بعد بھی میری دوسری بار بیعت کر چکے تھے، لیکن انہوں نے میری بیعت توڑ دی اور میری مخالفت میں کھڑے ہو گئے۔ اس شہر کے لوگ کم عقل، سطحی نگر، سست، ضعیف، ظاہری تقدس کے حامل، بیابان گردوں کے پڑوسی اور سمندری طوفانوں کے میزبان تھے۔ عائشہ نے بھی ان بے عقل لوگوں کی قیادت اپنے ہاتھ میں لی اور انہیں اس (مصیبت) میں جھونک دیا، انہوں نے بھی کم علمی میں تلوار چلائی اور نفہمی کی وجہ سے تیر چلائے۔

ان عہد شکنوں اور بے عقلوں کے مقابل مجھے دو بڑی اور ناخوش آئند مشکلات کا سامنا تھا: اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا، یہ شورش اور فساد پھیلانے سے باز نہ آتے اور نہ عقل کی ترازو پر عمل تول کر انجام دیتے، اور اگر ان کے مقابل قیام کرتا، تو ہر حال میں جنگ اور خون ریزی ہوتی، جو میں

---

[1] کشف المحجۃ: ص ۲۵۲.

[2] عائشہ کو اس وقت رسول اللہ ﷺ کی پیشن گوئی یاد آگئی کہ وہ آپؐ کے وصی سے جنگ کرے گی اور اس راہ میں حوأب کے کتے اس پر بھونکیں گے.

ہر گز نہیں چاہتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ میں نے نصیحت اور تنبیہ کرنے، دھمکانے اور اِتمامِ حُجت کی راہ اپنائی۔ عائشہ کو اپنے گھر لوٹ جانے کا مشورہ دیا۔ اس کے ہمراہیوں کو مجھ سے کیے عہد اور بیعت سے وفادار رہنے اور عہدِ الٰہی کو نہ توڑنے کی نصیحت کی۔

جہاں تک ہو سکتا تھا اپنی جانب سے اور ان کے فائدے کی خاطر کوشش کرتا رہا کہ بات جنگ اور خون ریزی تک نہ پہنچے۔ ان میں سے ایک سے بات چیت کی اور اسے حق کی یاد دہانی کرائی، اتفاقاً وہ واپس لوٹ گیا۔ باقی افراد سے بھی بات کی لیکن افسوس کہ ان کی جہالت، گمراہی اور سرکشی میں اور اضافہ ہو گیا اور وہ عناد اور لجاجت کے ساتھ جنگ کرنے پر مصر رہے۔ میں نے دلیرانہ انداز میں پوری قدرت کے ساتھ ان سے جنگ کی، انہیں شکست کا مزا چکھایا اور ان کے دلوں میں کامیابی اور فتح کو حسرت بنا کر چھوڑ دیا۔ ان کا بڑا نقصان ہوا، ان کے بہت سے افراد میدان میں ڈھیر ہوئے تو کئی راہِ فرار اختیار کر گئے۔

میں نے ان سے جنگ مجبوری کی وجہ سے کی۔ اگر انہیں اس سے زیادہ فرصت دیتا، یہ ایسے کام انجام دیتے کہ پھر میں انہیں اس طرح معاف نہیں کر سکتا تھا جسے جنگ کے بعد انہیں معاف کر دیا۔ حقیقت میں اگر ان کا مقابلہ نہ کرتا تو میں خود اپنی ذات اور اُمّت سے خیانت کرتا اور ان کے جرائم میں شریک شمار ہوتا۔ یہ اس شورش کو اسلامی ملک کے گوش و کنار میں اپنی پوری قوت سے پھیلانے کا مصمم ارادہ کیے بیٹھے تھے۔ یہ آتشِ فساد کو جہاں تک ہو سکتا تھا لگانا چاہتے تھے، لوگوں کو قتل کرنے اور ان کا خون بہانے کو تیار تھے اور آخر میں حکومت ایک کم عقل اور کم فائدہ عورت کے ہاتھ میں تھما دیتے تا کہ رُم کی حکومتوں اور یمن کے بادشاہوں کی طرف زمامِ حکومت عورتوں کے ہاتھ میں رہے۔
میں اس جانب متوّجہ تھا کہ اگر اس سلسلے میں سستی دکھاتا تو اس کے آخر میں بھی جنگ ناگزیر تھی، البتہ اس وقت یہ فرق ہوتا کہ عائشہ اور اس کے لشکر کے ساتھ ضعیف انداز میں پیش آنے اور ان کی جانب سے ڈھائے جانے والے مظالم کا داغ میرے ماتھے پر ہوتا۔ بنابریں، دوبارہ تاکید کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ میں بغیر مقدمے کے جلد بازی میں جنگ کے لیے نہیں اٹھا۔ جہان تک ہو سکتا تھا اتمام حُجت کی، جہاں تک ممکن تھا جنگ ملتوی کی، اپنی نرم خوئی اور سکون کو بحال رکھا، ان سے بات چیت کی

...سے کے طور پر متعدد افراد کو بھیجا۔ ان کی جو بھی امکان پذیر شرعی مانگ تھی، اسے قبول کیا۔ یہاں تک کہ جو چیز انہوں نے طلب نہیں کی تھی لیکن اسے مہیا کیا جا سکتا تھا اور وہ جنگ کے شعلوں کو بجھا سکتی تھی، ان کے حق میں اسے بھی قبول کیا لیکن انہوں نے ان تمام چیزوں کے باوجود خودسری کا مظاہرہ کیا اور مجھے اقدامِ جنگ پر مجبور کر دیا، پھر جس طرح خدا نے چاہا میرا اور ان کا امر اپنے اختتام کو پہنچا، اس صورت سے کہ میری حجّت ان پر غالب ہوئی اور وہ میرے مقابل مغلوب کھڑے تھے۔[1]

انہوں نے مسلمانوں کو تہہ تیغ کیا

[لوگوں کے سامنے ایک خطبہ دیا۔ اس میں جنگِ جمل کی مناسبت سے بات کرتے ہوئے کہا:]

طلحہ و زبیر اور ان کے ساتھیوں نے میرے خلاف قیام کیا۔ وہ زوجۂ رسول ﷺ کو یوں کھینچ کر میدان میں لا رہے تھے جیسے کنیزیں خرید و فروخت کے وقت لے جائی جاتی ہے۔ ان دونوں نے اپنی عورتوں کو گھر میں بند کر رکھا تھا جبکہ زوجۂ رسول ﷺ کو بصرہ لے آئے تھے اور اسے اپنی اور دوسروں کے آنکھوں کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔ یعنی اس لشکر کے درمیان جس میں موجود تمام افراد نے میری اطاعت قبول کی تھی اور بغیر کسی جبر و اکراہ کے، مکمل رضایت کے ساتھ میری بیعت کی تھی۔

بصرہ میں داخل ہونے کے بعد یہ لوگ پہلے میری جانب سے مقرر عاملِ بصرہ اور خازنِ بیت المال جیسے افراد پر حملہ آور ہوئے، ان میں سے ایک گروہ کو اذیتیں دیں تو دوسرے گروہ کو دھوکے اور حیلے سے تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ خدا کی قسم! اگر یہ تمام مسلمانوں میں صرف ایک شخص کو بھی قصداً قتل کر دیتے تو بھی میرے لیے پورے لشکر سے جنگ کرنے کا جواز موجود تھا کیونکہ دیگر افراد دیکھتے رہے لیکن پھر بھی انہوں نے ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا اور اپنی زبان یا ہاتھ سے ان مظلوموں کا دفاع نہیں کیا! پھر ان ناکثین نے تو بصرہ کے بہت سے نہتّے افراد کو تہہِ تیغ کر دیا تھا۔[2]

---

[1] الخصال: ج ۲، ص ۳۷۷؛ الاختصاص: ص ۱۷۵؛ ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۳۵۳۔

[2] نہج البلاغۃ: خطبہ ۱۷۲؛ الغارات: ج ۱، ص ۲۰۵؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۶، ص ۹۷؛ کشف المحجۃ: ص ۲۵۵۔

۱۷۔ شہر بصرہ میں داخلہ

❁ رسول اللہ ﷺ جیسا سلوک

[شہر بصرہ میں داخل ہوتے وقت عمار نے مجھ سے پوچھا: اہلِ شہر کے ساتھ کیا روّیہ اپنایئے گا؟ میں نے جواب دیا:]

ان سے لطف و احسان و عفو و درگزر سے پیش آؤں گا؛ ویسے ہی جیسے فتحِ مکّہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مکّہ کے ساتھ لطف و درگزر کا معاملہ فرمایا تھا۔[1]

❁ عام معافی کا اعلان

[بصرہ میں داخل ہونے کے بعد، اپنے پہلے خطبے میں ہی اہلِ شہر کے لیے عام معافی کا اعلان کیا:]

اے لوگو! خدا واسع الرحمت ہے، اس کی دائمی بخشش اپنے مطیع بندوں کے لیے ہے، نیز اس نے اپنا عذاب و عقاب اہلِ معصیت کے لیے مقرر کر رکھا ہے۔ اے بصرہ! اے اہلِ مؤتفکہ! اے اس عورت اور اونٹ کے پیروکاروں کہ جب اس نے آواز نکالی تو تم نے صفیں باندھ لیں اور جب وہ پے ہوا، راہِ فرار اختیار کر گئے! تمہاری جبلّت اور سرشت ست جبکہ تمہارے عہد و پیمان کمزور ہیں۔ تم نے اپنے دین میں نفاق سے کام لیا اور فسق کے ساتھ دین سے خارج ہو گئے۔

اے بصریوں! تم خدا کی بدترین مخلوق ہو! تمہاری زمین پانی سے نزدیک اور آسمان سے دور ہے۔ تمہاری عقل سبک اور تمہاری فکر بے شعوری کی زد پر ہے۔ تم نے ہم پر تلوار سونتی لیکن اپنا ہی خون بہا دیا اور اپنے امام کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ تم فتنہ گروں کے لیے کتنا تر نوالہ اور شکاریوں کے لیے کتنا مناسب شکار ہو! آج آگ تمہاری منتظر ہے اور ننگ و عار تمہارے لیے افتخار بن گئی ہے۔

اے اہلِ بصرہ! تم نے میری بیعت توڑی اور میرے دشمنوں سے جا ملے۔ اِس وقت تم اہلِ بصرہ میرے بارے میں کیا سوچتے ہو؟

---

[1] دعائم الاسلام: ج ۱، ص ۳۹۴۔

[مجمع سے ایک شخص اٹھا اور گویا ہوا: یا امیر المومنین! ہم آپ سے خیر کی اُمید رکھتے ہیں۔ آپ اس جنگ کے فاتح ہیں۔ اگر ہم سب کو سزا دیں تو اس کا حق رکھتے ہیں کیونکہ ہم سب گناہگار ہیں لیکن اگر درگزر سے کام لیں اور ہمیں معاف کر دیں تو یقیناً یہ رب العالمین کی رضا کا موجب بنے گا۔

اس کے جواب میں کہا:]

میں نے تم سب سے درگزر کیا اور تمہیں معاف کیا لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے بعد تم پھر فتنہ انگیزی میں ملوث پائے جاؤ۔ تم بیعت شکنی کرنے والے اولین افراد ہو جنہوں نے اُمت کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ اب اپنے گناہ سے واپس پلٹ آؤ اور جو کچھ تمہارے اور خدا کے درمیان گزر چکا ہے، اس پر خالصانہ طور پر توبہ کرو۔[1]

اے اہلِ بصرہ! خدا نے مجھے تم پر فتح بخشی اور جو تمہیں تمہاری حرکتوں کی وجہ سے تسلیم ہونے پر مجبور کر دیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پھر انہی حرکتوں کا رخ کرو۔ تم وہ ہو جنہوں نے جنگ شروع کرنے، حق کو ترک کرنے، اور انصاف سے دوری اختیار کرنے میں پہل کی ہے۔[2]

توبہ اور تقویٰ کی نصیحت

[اہلِ بصرہ کے سامنے ایک اور خطبہ دیتے ہوئے انہیں توبہ کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی:]

اے لوگو! یہ ظاہری دنیا شیریں اور سرسبز ہے۔ لوگوں کو شہوات کے ذریعے سے فتنوں میں مبتلا کر دیتی ہے اور ان کے لیے جلد گزر جانے والی خوشیاں کو آراستہ کر کے پیش کرتی ہے۔

خدا کی قسم! دنیا اپنے چاہنے والوں کو دھوکا دیتی ہے، خود سے اُمید باندھنے والوں کی اُمیدیں حسرتوں میں بدل دیتی ہے اور ان افراد کے لیے جلد پشیمانی اور حسرتیں لے آتی ہے جنہوں نے اس کا سچ کیا ہوتا ہے، اسے حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں اور اہلِ دین و فضیلت پر کینہ جوئی، سرکشی، گردن کشی، تکبّر اور حسَد کرتے ہیں اور ان پر ظلم روا رکھتے ہیں۔

1۔ الجمل: ص ۴۰۷.

2۔ الجمل: ص ۴۰۰.

خدا کی قسم! وہ لوگ جو خدا کی دل نشین نعمتوں میں زندگی گزار رہے ہیں اگر تقویٰ الٰہی کی رعایت کریں، اس کی نعمتوں کا شکر کریں تو خدا ان کے ہاتھوں میں موجود نعمتوں کو ان سے سلب نہیں کرے گا مگر یہ کہ خود یہ افراد بدل جائیں، خدا کی اطاعت سے روگردانی کریں، جدید گناہوں کے مرتکب ہوں، گناہوں کے مقابل سہل پسند ہو جائیں، ان کی محافظت کم ہو جائے، مراقبت کو خیرباد کہہ دیں، عقوبتِ الٰہی کی فکر نہ کریں اور خدا کا شکر ادا کرنے میں سستی اور کوتاہی کریں۔ کیونکہ خداوندِ متعال ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ﴾[1]

اللہ کسی قوم کا حال یقیناً اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہ بدلے اور جب اللہ کسی قوم کو بُرے حال سے دوچار کرنے کا ارادہ کرلے تو اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور نہ ہی اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے۔

جب گناہ گاروں کو تنبیہ کی جاتی ہے، انہیں خدا کی نعمتوں کے نابود ہونے سے ڈرایا جاتا ہے اور اللہ کے عذاب کے آنے، انتقامِ الٰہی اور عافیت کے برباد ہونے جانے سے خبردار کیا جاتا ہے، اگر وہ ان تنبیہات کی جانب توجّہ کریں، اور ان سب کے خدا کی طرف سے لیکن ان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہونے کا یقین پیدا کرلیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ گناہوں سے ہاتھ اٹھالیں گے، توبہ کریں گے، صداقت کے ساتھ اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے بارگاہِ خدا میں پناہ حاصل کریں گے۔ ایسی صورت میں خدا یقیناً ان کے گناہوں اور ان کی تمام لغزشوں سے درگزر فرماتا، اپنی کریمانہ نعمتیں انہیں واپس لوٹا دیتا، ان کے امور کی اصلاح کرتا اور ان کی تباہ شدہ نعمتوں کی تلافی کر دیتا۔

پس اے لوگو! اس طرح تقوئے الٰہی اپناؤ جیسا اپنانے کا حق ہے، خدا کے ڈر کو اپنے وجود کا لازم حصّہ بنالو، اپنا یقین خالص کرو، اور ہر اس برائی سے جس کی جانب شیطان نے تمہیں بہکایا، خدا کی جانب لوٹ آؤ۔ بُرے اور ناپسندیدہ عمل سے مراد اس ولی امر اور اہل علم سے جنگ ہے جو بعدِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے درمیان موجود تھا۔ تم نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے، ان کے امور پراگندہ کرنے اور

---

[1] رعد:11۔

...کے صحیح روابط تباہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دیے۔ البتہ خدا توبہ قبول کرنے والا ہے، وہ برائیوں سے درگزر کرتا ہے اور تم جو بھی کرتے ہو اس سے آگاہ ہے۔ [1]

ایک تہمت کا جواب

[صفیہ نامی ایک خاتون نے سخت لہجے میں مجھے اپنے دوستوں کا قاتل اور وحدت کو پارہ پارہ کر دینے والا کہہ کر پکارا۔ میں نے اس سے کہا:]

اے صفیہ! تو مجھ پر غضبناک اور ناخوش ہے اس بات پر تجھے سرزنش نہیں کروں گا، کیونکہ جنگِ بدر میں تیرا جد میرے ہاتھوں مارا گیا تھا، جنگِ احد میں تیرا چچا میرے ہاتھ ابدی نیند سویا تھا اور اس جنگ (جمل) میں تو اپنے شوہر سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے لیکن اگر میں اپنے دوستوں کا قاتل ہوتا تو جو ان گھروں میں پناہ لیے بیٹھے ہیں انہیں بھی تہہِ تیغ کر دیتا۔

[ان گھروں میں مروان اور عبداللہ بن زبیر رہ رہے تھے۔] [2]

عائشہ کو مدینہ واپس بھجوایا

[صفیہ کے گھر میں عائشہ سے آمنا سامنا ہوا۔ میں نے اس سے کہا:]

خدا نے تجھے تیرے گھر میں رہنے اور پردہ نشینی اختیار کرنے نیز اپنے گھر سے باہر نہ آنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن تو نے خدا کی معصیت کی۔ تُو خون میں غوطہ زن ہوئی اور ظالم کرتے ہوئے میرے ساتھ جنگ کی، لوگوں کو میرے خلاف بھڑکایا، جبکہ تو جانتی ہے کہ تیری اور ایسے ہی تیرے باپ کی تمام شرافت اور مقام و منزلت ہم اہل بیتؑ سے ارتباط کی وجہ سے تھا، تجھے ام المومنین کا لقب بھی ہماری وجہ سے ملا ہے۔ تیرے لیے پردہ نشینی واجب تھی۔ اب اٹھ اور مدینہ جانے کی تیاری کر اور اس گھر میں رہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے تجھے چھوڑا تھا اور مرتے دم تک اس سے باہر نہ نکلنا۔ [3]

[عبداللہ بن عباس کی ذمہ داری لگائی کہ:]

---

1. کافی: ج۸، ص ۲۵۶.
2. مناقب: ج ۲، ص ۲۶۲.
3. الفتوح: ج ۱، ص ۱۳۲.

عائشہ کے پاس جاؤ اور کہو: جس طرح تو مدینہ سے آئی تھی، ویسے ہی واپسی کی تیاری کر اور بصرے میں مستقر نہ ہو۔[1]

[عائشہ واپس مدینہ جانے سے پہلو تہی کر رہی تھی۔ لہذا عبد اللہ بن عباس نے مشورہ دیا کہ اسے بصرہ میں رہنے دوں اور اس کے یہاں رُکنے کی راہ میں مانع نہ ہوں، میں نے ان سے کہا:]

وہ کوئی بھی شر اور فتنہ پھیلانے میں کوتاہی نہیں کرے گی۔ میں ہر حال میں اسے اس کے گھر بھیج کر رہوں گا۔[2]

[عائشہ نے مجھے پیغام بھجوایا: میں تیرے ساتھ اور تیرے دشمنوں سے جنگ میں تیری مددگار بن کر رہنا چاہتی ہوں! میں نے اسے جواب دیا:]

لازم نہیں۔ جو گھر رسول اللہ ﷺ نے تیرے لیے چھوڑا ہے اس کی جانب واپس لوٹ جا۔[3]

[دوبارہ محمد بن ابی بکر اور عمار یاسر کو عائشہ کے پاس بھیجا اور پیغام دیا:]

جانے کے لیے تیار ہو جا اور اسی گھر کی طرف واپس لوٹ جا جس میں رسول اللہ ﷺ نے تجھے ساکن کیا تھا۔

[اس بار بھی عائشہ کا جواب منفی تھا۔ پھر محمد بن ابی بکر، عمار اور مالکِ اشتر کو عائشہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا:]

خدا کی قسم! یا تو خود بصرہ سے جائے گی یا تجھے خود لے جایا جائے گا اور کس طرح لے جایا جائے گا!

[میں نے قبیلہ عبد القیس سے کہا:]

اے جماعتِ عبد القیس! اپنی آزاد اور شائستہ خواتین کا ایک گروہ تیار کرو تا کہ وہ عائشہ کو لے جائیں۔ بالآخر عائشہ تمہاری خواتین میں سے ایک خاتون ہے جو مدینہ جانے سے پرہیز کر رہی ہے![4]

[ان تنبیہات اور دھمکیوں سے عائشہ مدینہ جانے کو تیار ہوئی۔ میں نے عائشہ کو مدینہ پہنچانے کے

---

[1] الفتوح: ج۱، ص ۱۳۰۔

[2] الاحتجاج: ج۱، ص ۱۶۴۔

[3] مروج الذہب: ج۲، ص ۴۰۸۔

[4] الکافئۃ: ص ۲۹۔

...ے قبیلہ عبد القیس کے کچھ مردوں اور ان کی بیس متدین خواتین کو معیّن کیا اور خواتین کو مردانہ ...اس پہننے کا حکم دیا:]

مردوں کا لباس پہنو، اپنے چہرے چھپائے رکھو، اس طور کہ عائشہ نہ جان سکے تم خواتین ہو۔ اسے ...لے جانے اور راستے میں اس کا خیال رکھنے کی ذمہ داری تمہاری ہے۔[1]

مروج الذہب: ج ۲، ص ۴۱۰؛ الفتوح: ج ۱، ص ۴۳۳؛ الجمل: ص ۴۱۵؛ تذکرۃ الخواص: ص ۸۰.

۱۸۔ خطباتِ بصرہ

❁ نعمتِ فتح پر خدا کی حمد بجالاتا ہوں

[اپنے اصحاب اور ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:]

اے لوگو! خدا کی اس کی نعمتوں پر حمد بجالاتا ہوں۔ طلحہ و زبیر مارے گئے اور عائشہ نے شکست کھائی۔ خدا کی قسم! اگر عائشہ حصولِ حق اور باطل سے مقابلہ کرنا چاہتی تھی، کافی تھا کہ گھر میں بیٹھی رہتی؛ کیونکہ خدا نے اس پر جہاد واجب نہیں کیا تھا لیکن اس راہ میں اٹھائے گئے پہلے قدم سے ہی اس نے اپنے نقصان کا اقدام کیا۔ خدا کی قسم! عائشہ اس جماعت کے لیے ناقۂ صالح سے بھی زیادہ نامبارک تھی![1] اِس وقت تمہارے دشمنوں کے دل تمہارے لیے اس شکست کی وجہ سے جو خدا نے ان پر ڈالی کینے سے بھر گئے ہیں، شیطان بھی ان کی سرکشی اور طغیان میں اضافہ کرے گا اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ یہ لوگ آغازِ کام میں باطل اور آخرِ راہ میں ظالم تھے!

لیکن تمہارے بھائیوں نے خدا پر ایمان کے ساتھ اُس کی راہ میں جہاد کیا۔ انہیں مغفرتِ الٰہی کی اُمید تھی۔ ہاں! ہم سب راہِ حق پر ہیں اور ہمارا دشمن ہمیشہ راہِ باطل پر رہا ہے۔ جلد ہی خدا ہمیں اور انہیں اکٹھا کرے گا، اسی دن جس میں وہ حق کو باطل سے جدا کر دے گا تا کہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ خدا سے اپنے اور تمہارے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں۔[2]

❁ میں تمہاری بہشت کی جانب رہنمائی کرتا ہوں

فتنے کے وقت اگر کوئی شخص اپنے نفس کو صرف خدا تک محدود رکھنے کی طاقت رکھتا ہے تو اسے ایسا ہی کرنا چاہیے پھر اگر تم میری اطاعت کروگے تو میں تمہیں ان شاء اللہ جنّت کے راستے پر چلاؤں

---

[1] ناقۂ صالح قومِ صالح پر نزولِ عذاب کا موجب بنا تھا۔ اس گروہ کے درمیان عائشہ کا ہونا بھی ان کے لیے رسوا کن شکست کا موجب بنا۔

[2] الجمل: ص ۴۰۲.

کا جاہے اس میں کتنی ہی زحمت اور تلخی کیوں نہ ہو۔

رہ گئی فلاں خاتون کی بات تو ان پر عورتوں کی جذباتی رائے کا اثر ہو گیا ہے۔ اس پر وہ کینہ اثر کر گیا ہے جو اس کے سینے میں لوہار کے کڑھاؤ کی طرح کھول رہا ہے۔ اسے اگر میرے علاوہ کسی اور کے ساتھ اس برتاؤ کی دعوت دی جاتی تو کبھی نہ آتی لیکن اس کے بعد بھی مجھے اس کی سابقہ حُرمت کا خیال ہے اور اس کا حساب بہر حال پروردگار کے ذمہ ہے۔

ایمان کا راستہ بالکل واضح اور اس کا چراغ مکمل طور پر نور افشاں ہے۔ ایمان ہی کے ذریعہ نیکیوں کا راستہ حاصل کیا جاتا ہے اور نیکیوں ہی کے وسیلہ سے ایمان کی پہچان ہوتی ہے۔ ایمان سے علم کی دنیا آباد ہوتی ہے اور علم سے موت کا خوف حاصل ہوتا ہے اور موت ہی پر دنیا کا خاتمہ ہوتا ہے اور دنیا ہی کے ذریعہ آخرت حاصل کی جاتی ہے اور آخرت ہی میں جنّت کو قریب کر دیا جائے گا اور جہنّم کو گمراہوں کے لیے بالکل نمایاں کر دیا جائے گا۔ مخلوقات کے لیے قیامت سے پہلے کوئی منزل نہیں۔ انہیں اس میدان میں آخری منزل کی طرف بہر حال دوڑ لگانا ہے۔ وہ اپنی قبروں سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی آخری منزل کی طرف چل پڑے۔ بہشت کے ہر گھر کے اپنے اہل ہوتے ہیں جو نہ گھر بدل سکتے ہیں اور نہ اس سے منتقل ہو سکتے ہیں۔

یقیناً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ دو خدائی اخلاق ہیں اور یہ نہ کسی کی موت کو قریب بناتے ہیں اور نہ کسی کی روزی کو کم کرتے ہیں۔ تمہارا فریضہ ہے کہ کتاب خدا سے وابستہ رہو کہ وہی مضبوط ریسمانِ ہدایت اور روشن نورِ الٰہی ہے۔ اس میں منفعت بخش شفا ہے اور اسی میں پیاس بجھا دینے والی سیرابی ہے۔ وہی تمسک کرنے والوں کے لئے عصمتِ کردار کا وسیلہ ہے اور وہی رابطہ رکھنے والوں کے لیے ذریعۂ نجات ہے۔ اس میں کوئی کجی نہیں جسے سیدھا کیا جائے اور اس میں کوئی انحراف نہیں ہے جسے درست کیا جائے۔ مسلسل تکرار اُسے پرانا نہیں کر سکتی ہے اور برابر سننے سے اس کی تازگی میں فرق نہیں آتا ہے۔ جو اس کے ذریعے کلام کرے گا وہ سچا ہو گا اور جو اس کے مطابق عمل کرے گا وہ سبقت لے جائے گا۔

اس درمیان ایک شخص کھڑا ہوا اور فتنے کے بارے میں سوال کرتے ہوئے کہنے لگا: کیا آپ نے اس سلسلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے کچھ دریافت کیا ہے؟ میں نے اسے جواب دیا:]

جس وقت آیت شریفہ نازل ہوئی:

﴿الٓمّٓ ۞ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ﴾[1]

"کیا لوگوں کا خیال یہ ہے کہ انہیں ایمان کے دعویٰ ہی پر چھوڑ دیا جائے گا اور انہیں فتنے میں مبتلا نہیں کیا جائے گا"

تو ہمیں اندازہ ہو گیا کہ جب تک رسول اکرم ﷺ موجود ہیں فتنے کا کوئی اندیشہ نہیں، لہٰذا میں نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ فتنہ کیا ہے جس کی پروردگار نے آپ کو اطلاع دی ہے؟

فرمایا: یا علیؑ! یہ اُمت میرے بعد فتنے میں مبتلا ہو گی۔

میں نے عرض کی: کیا ایسا نہیں کہ جب احد کے دن کچھ مسلمان راہِ خدا میں شہید ہو گئے اور مجھے شہادت نصیب نہیں ہوئی جس کی وجہ سے مجھے سخت تکلیف ہوئی۔ تو آپ نے مجھ سے فرمایا تھا:

یا علیؑ! بشارت ہو۔ شہادت تمہارے پیچھے آ رہی ہے؟ لیکن اس وقت تمہارا صبر کیسا ہو گا؟

میں نے عرض کی: یا رسول اللہ ﷺ یہ تو صبر کا نہیں بلکہ مسرت اور شُکر کا مقام ہے۔

پھر فرمایا: یا علیؑ! لوگ عنقریب اپنے اموال کے فتنہ میں مبتلا کیے جائیں گے اور اپنے دین کا احسان اپنے پروردگار پر رکھیں گے اور پھر اس کی رحمت کے اُمیدوار بھی ہوں گے اور خود کو اس کے غضب سے محفوظ بھی تصور کریں گے۔ جھوٹے شبہات اور غافل کرنے والی خواہشات سے حرام کو حلال کر لیں گے شراب کو انگور کا شربت بنا کر، حرام کو ہدیہ قرار دے کر اور سُود کو تجارت کا نام دے کر حلال شمار کریں گے۔

میں نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ اُس وقت لوگوں کو کس مقام پر سمجھوں؟ کیا انہیں مرتد جانوں یا فتنہ و آزمائش میں مبتلا؟

فرمایا: انہیں فتنہ و آزمائش میں مبتلا سمجھو۔[2]

۞ مجھے لمحہ بھر بھی حق میں تردُّد کا سامنا نہیں ہوا

[اہل بصرہ کے لیے ایک اور خطبے میں کہا:]

---

[1] عنکبوت: ۱ و ۲.

[2] نہج البلاغۃ: خطبہ ۱۵۶.

تم لوگوں نے ہماری ہی وجہ سے تاریکیوں میں ہدایت کا راستہ پایا ہے اور بلندی کے کوہان پر قدم جمائے ہیں اور ہماری ہی وجہ سے اندھیری راتوں سے نکل کر اُجالے کی طرف آئے ہو۔ وہ کان بہرے ہو جائیں جو پکارنے والے کی آواز نہ سن سکیں اور وہ لوگ بھلا دھیمی آواز کو کیا سن سکیں گے جن کے کان بلند ترین آوازوں کے سامنے بھی بہرے ہی رہے ہوں۔ مطمئن دل وہی ہوتا ہے جو یادِ الٰہی اور خوفِ خدا میں مسلسل دھڑکتا رہتا ہے۔

میں روزِ اوّل سے تمہاری غداری کے انجام کا منتظر ہوں اور تمہیں فریب خوردہ لوگوں کے انداز سے پہچان رہا ہوں۔ تمہارے دینداری کے لبادے نے ہمارے درمیان پردہ کھینچ رکھا تھا، لیکن صدقِ نیت نے میرے لیے تمہارے حالات کو آئینہ کر دیا۔ میں نے تمہارے لئے گمراہی کی منزلوں میں حق کے راستوں پر قیام کیا ہے جہاں تم ایک دوسرے سے ملتے تھے لیکن کوئی راہنما نہ تھا اور کنواں کھودتے تھے لیکن پانی نصیب نہ ہوتا تھا۔ آج میں تمہارے لیے اپنی اس زبان خاموش کو گویا بنا رہا ہوں جس میں بڑی قوتِ بیان ہے۔ یاد رکھو وہ شخص کامیاب نہ ہوا جس نے مجھ سے رُوگردانی کی۔ میں نے روزِ اول سے آج تک حق کے بارے میں کبھی شک نہیں کیا۔ میرا سکوت مثلِ موسیٰؑ ہے۔ موسیٰؑ کو اپنے نفس کے بارے میں خوف نہیں تھا انہیں دربارِ فرعون میں صرف یہ خوف تھا کہ کہیں جاہل جادوگر اور گمراہ حکام عوام کی عقلوں پر غالب نہ آجائیں۔ آج ہم اور تم حق و باطل کے دوراہے پر آمنے سامنے ہیں اور یاد رکھو جسے پانی پر اعتماد ہوتا ہے وہ پیاسا نہیں رہتا ہے۔[1]

میرے شیعہ ثابت قدمی دکھائیں!

اس دنیا کی عمر جتنی بھی طویل ہو جائے، پھر بھی کم ہے۔ ہاتھ سے گیا موقع اس دنیا کے ساکنان کے لیے وجہ عبرت ہے۔ جو دنیا سے گزر گئے وہ زندوں کے لیے نصیحت اور موعظہ شمار ہوتے ہیں۔ گزرے ہوئے کل کے واپس لوٹنے کا امکان نہیں اور آنے والے کل کا آنا بھی قطعی نہیں ہے۔ جو لوگ جلدی چلے گئے وہ راہ کے درمیان موجود افراد کے لیے رہبر ہیں اور جو راہ کے درمیان ہیں، وہ اس راہ کے آخر میں موجود افراد کے لیے پیشرو ہیں۔ سب ایک دوسرے سے جُدا ہوں گے اور ایک

---

[1] نہج البلاغۃ: خطبہ ۴؛ الارشاد: ج ۱، ص ۲۵۳۔

دن ایک پھر ایک دوسرے کے پاس پہنچ جائیں گے۔ موت سب کو اُچک لے گی اور وہ خوف ناک دن سب پر آئے گا:

﴿يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ۞ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ﴾[1]

اس روز نہ مال کچھ فائدہ دے گا اور نہ اولاد۔ سوائے اس کے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لے کر آئے۔

اے میرے شیعو! اس عمل کو انجام دینے میں صبر سے کام لو جس میں تمہیں ثواب کی اُمید ہے اور جس عمل کا عذاب برداشت نہیں کر سکتے، اس سے پرہیز کرو۔ ہم نے خدا کی اطاعت پر صبر کرنے کو اس کے عذاب پر صبر کرنے سے آسان تر پایا ہے۔

جان لو تمہاری عمر محدود جبکہ تمہاری آرزوئیں لمبی چوڑی ہیں۔ تمہاری عمر کے لمحات بہت تھوڑے ہیں۔ ایک نہ ایک دن پیمانۂ حیات لبریز ہو جائے گا اور خواہشات کا دفتر بند ہو جائے گا اور سانسوں کا حساب لیا جائے گا۔

﴿وَاِنَّ عليكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۞ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۞ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾[2]

جب کہ تم پر نگران مقرر ہیں، ایسے معزز لکھنے والے، جو تمہارے اعمال کو جانتے ہیں۔[3]

۞ دنیا اولیائے الٰہی کی مسجد ہے

[اواخرِ شب میں اپنے کچھ شیعوں کے پاس پہنچا۔ جابر بن عبد اللہ انصاری بھی ان میں موجود تھے۔ اُن سے پوچھا: کس بارے میں گفتگو ہو رہی ہے؟ جابر نے جواب دیا: دنیا کی مذمّت پر بات کر رہے تھے۔ میں نے انہیں تنبیہ کرتے ہوئے کہا:]

انسانوں کا ایک گروہ دنیا کی مذمّت کرتا ہے اور زُہد کا دکھاوا کر کے خود کو دنیا کی جانب سے بے رغبت ظاہر کرتا ہے! جو لوگ سچائی سے دنیا کے ساتھ پیش آتے ہیں یہ ان کے لیے صحیح جگہ ہے، جو

---

[1] شعراء: ۸۸ تا ۸۹.

[2] انفطار: ۱۰ تا ۱۲.

۔ق ؛ مجلس ۲۳، ح ۵، ص ۱۰۸؛ روضۃ الواعظین: ج ۲، ص ۴۸۸.

[...]اک کر لیتے ہیں، ان کے لیے خانۂ عافیت ہے، جو اس سے توشہ حاصل کرتے ہیں، [...] کا محل ہے۔ دنیا انبیائے الٰہی کی سجدہ گاہ، وحی خدا کا مقامِ نزول، فرشتگانِ خدا کا [...] اقامت گاہ اور اولیائے الٰہی کا بازار ہے جس میں وہ رحمتِ الٰہی کا سودا کرتے ہیں [...] ہے۔

پس اے جابر! کوئی کس طرح دنیا کی مذمّت کر سکتا ہے جب کہ خود دنیا با آوازِ بلند چلاتی ہے کہ وہ جدا ہو جانے والی ہے، اعلان کرتی ہے کہ (میں) باقی رہنے والی نہیں؟! دنیا اپنے زوال سے سب کو خبر دار کرتی ہے، اپنی بلاؤں کے ذریعے مشکلات اور سختیوں کو پیش کرتی ہے اور اپنی شادمانیوں کے ذریعے سے لوگوں کی خدمت میں شوق اور خوشی تقدیم کرتی ہے۔ اگر دنیا کی راتیں جان گداز مصیبتوں میں گزریں تو اس کی صبحیں نعمت و عافیت کی طرح پلٹ جاتی ہیں تاکہ خوف کی وجہ بھی بنے اور اُمید بخش بھی قرار پائے۔

جو لوگ مشکلات اور پشیمانی کے وقت دنیا کی مذمّت کرتے پھرتے ہیں! یہ وہی دنیا ہے جس نے ان کی خدمت کی تھی، انہیں یاددہانی کروائی تھی اور تنبیہ کی تھی کہ شاید یہ متنبہ ہو جائیں، اس نے انہیں نصیحتیں کی کہ شاید یہ نصیحتیں قبول کر لیں، انہیں ڈرایا تاکہ موت سے ڈر جائیں اور ترغیب دلائی کہ شاید یہ مشتاق ہو جائیں۔

پس دنیا کی مذمّت کرنے والو! جب تم نے خود اس سے دھوکا اور فریب کھایا ہے، پھر تم اس کی مذمّت کرنے کا حق رکھتے ہو؟! کیا واقعاً دنیا نے تمہیں دھوکا دیا ہے؟! کیا دنیا نے تمہیں تمہارے ان اجداد کی قبروں سے فریب دیا ہے جن میں وہ محوِ آرام ہیں اور ان کی ہڈیاں اس میں بوسیدہ ہو چکی ہیں یا ان ماؤں کی آرم گاہوں سے دھوکا دیا ہے جو خاک میں آرام کر رہی ہیں؟!

تُو نے خود کتنی بار بیماروں کی تیمارداری کی ہو گی، ان کے سرہانے کھڑا رہا ہو گا، ان کے لیے دوا کا بندوبست کیا ہو گا اور طبیبوں سے ان کے لیے علاج کی درخواست کی ہو گی لیکن اس وقت اپنی ناتوانی دیکھی ہو گی، اپنے مقصود تک نہیں پہنچ سکا ہو گا اور ان کی صحت یابی کے حوالے سے تیری حاجت پوری نہ ہوئی ہو گی۔ دنیا کے ان مناظر کے ساتھ تجھے اپنا تعارف کروایا ہے اور تجھے ان بیماروں کا حال دکھا کر تیرے کل کی تصویر کشی کی ہے۔ دنیا دِکھاتی ہے کہ نہ تو دوست کچھ کر سکتے ہیں اور نہ تیری چیخ و

پکار سے کچھ ہوتا ہے۔ جس دن تُجھ پر موت کے آثار نمودار ہوں گے، تیری بیماری سخت اور دشوار ہو جائے گی، جان لیوا درد تُجھ پر حملہ آور ہو جائیں گے، اس دن نالے کوئی فائدہ نہ دیں گے اور گریہ و زاری موت کا راستہ نہ روک سکے گی۔ موت تیرے سراغ میں آئے گی، تیرے سینے کو تنگ کر دے گی، تیرا گلا گھونٹ دے گی۔ نہ وہ تیری فریاد پر کان دھرے گی اور نہ تیری دعا اور نفرین سے کوئی خوف کھائے گی!

موت کے وقت ہونے والے اندوہ پر افسوس! اُسے ایک تابوت پر رکھ دیں گے، پھر چار کندھوں پر اٹھالیں گے اور قبر کی جانب لے جا کر اس میں لٹا دیں گے: تنگ و تاریک قبر! اس کی قوت و طاقت ختم، سلسلۂ عمر منقطع، مہربان افراد اسے چھوڑ کر اپنی زندگیوں میں مشغول اور اس پر نوازشات کرنے والے ہاتھ اٹھا کر چلتے بنیں گے! اس کے دوست اس کے نزدیک نہیں آئیں گے، اس کی قبر پر آنے والوں میں سے کوئی اس کے پاس نہیں رہے گا، اس کا کچھ باقی نہ رہے گا اور اس کی حالت کی کوئی خبر نہیں دی جائے گی! پیچھے رہ جانے والے میراث کی تقسیم میں لگ جائیں گے۔ جبکہ وہ اپنے گناہوں کا شکار اور بُرے اعمال میں گرفتار ہو گا۔ اگر اس سے قبل کوئی کارِ خیر وہاں بھیج رکھا ہو گا، اسے فائدہ پہنچائے گا اور اگر کوئی بُرا عمل بھیج رکھا ہو گا، اس کا نتیجہ نقصان دہ ہو گا! اس زندگی کا کیا بھروسہ جب اس کا انجام وہ موت ہے اور قبروں کی طرف جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں؟! یہی بات پند و نصیحت کے لیے کافی ہے۔

اے جابر! اتنا ہی کافی ہے۔ اُٹھو اور میرے ساتھ چلو۔

[ہم جابر کے ساتھ ایک قبرستان میں پہنچے۔ قبروں کے سرہانے کھڑے ہو کر میں نے اہلِ قبور سے کہا:]

اے اہلِ خاک اور خاک نشینو! اے غربت اور تنہائی کے مارو! جان لو کہ تمہارے گھروں میں اور لوگ آباد ہو چکے ہیں، انہوں نے تمہارا مال بانٹ لیا اور میراث تقسیم کر لی ہے، تمہاری بیویوں سے شادی کر لی ہے! یہ تھی ہماری جانب سے تمہارے لیے خبریں۔ تمہارے پاس ہمارے لیے کون سی خبریں ہیں؟!

اس خدا کی قسم جس سے آسمانوں کو بلند کیا اور زمین کو بچھایا! اگر ان مُردوں کو بات کرنے کی

اجازت دی جائے تو ان کا جواب یہ ہو گا: آخرت کی زندگی کے لیے بہترین توشہ تقویٰ ہے۔

اے جابر، جب دل چاہے لوٹ آنا۔[1]

[illegible]

منظر ایلیاء

۱۹۔ دوستوں کے گھر میں مہمانی

❁ احنف کے گھر میں

[احنف بن قیس نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو اپنے گھر دعوت دی۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس کے گھر پہنچا۔ احنف میرے اصحاب کے چہرے دیکھ کر متحیّر ہو گیا۔ اس نے پوچھا: یا امیر المومنینؑ! آپ کے اصحاب پر کیا آن پڑی جو اُن کا یہ حال ہو گیا ہے؟ کیا یہ غذا کی کمی کی وجہ سے ہے یا یہ جنگ کی پریشانی اور سختیوں کی وجہ سے ایسے ہو گئے ہیں؟ میں نے اس کے جواب میں کہا:]

احنف! ایسا نہیں ہے۔ خداوندِ سبحان کو پسند ہے دنیا میں جو لوگ اس کی بندگی کرتے ہیں وہ ایسے بندے ہوں جو قیامت کے مشاہدے سے پہلے ہی اس کا علم حاصل کر لیں، اس کے نزدیک ہونے کا یقین رکھیں، اور اپنی طرف سے ہر ممکنہ کوشش کریں! وہ جب صبحِ قیامت کا تصور کرتے ہیں، وہی دن جب خدا کے سامنے اعمال پیش کیے جائیں گے، انہیں آتشِ جہنّم سے ایک عظیم شعلہ باہر آتا یاد آجاتا ہے!

تمام انسان خدا کے حضور ایک جگہ جمع ہو جائیں گے۔ وہاں ایک کتاب تمام لوگوں اور شاہدین اعمال کے سامنے رکھی جائے گی، جس میں گناہوں کی تمام برائیاں آشکار ہوں گی۔ اس وقت، ان لوگوں کی روحیں پگھل جانے اور سیلاب کی طرح بہہ جانے کے قریب ہوں گی یا ان کے قلوب خوف وہراس کے پروں کے ساتھ پر پرواز مار کر اڑ جائیں گے! وہ خود کو بارگاہِ خدا میں تنہا پاتے ہیں، جس طرح دیگ میں اُبال اتال ہے یہ بھی جوش وخروش میں آجاتے ہیں اور ان کے سروں سے عقل رخصت ہو جاتی ہے! وہ نالہ وفریاد کرتے ہیں، اس شخص کی طرح جو کسی تاریک کھائی میں گم گیا ہو! یہ افراد جو کچھ سمجھے ہیں اور جان چکے ہیں اس کی وجہ سے رنج اٹھاتے ہیں اور اپنی زندگی اس حال میں گزارتے ہیں کہ ان کے جسم لاغر اور خشک ہو چکے ہیں، ان کے دل غمگین ہیں، ان کے چہرے بگڑ گئے ہیں، ہونٹ خشک ہو گئے ہیں اور ان کے شکم خالی ہیں۔

تم انہیں دیکھو گے کہ رات کے وقت کے مشاہدات کی وحشت سے مدہوش ہیں! شدّت سے خوف وخشوع میں غرق، گویا ایک خشک مشک کی طرح ہو گئے ہوں۔ پنہاں اور آشکار دونوں حالتوں میں اپنے اعمال خدا کے لیے خالص کر چکے ہیں، ان کے دل اس دن کے خوف سے سکون نہیں پاتے، بلکہ سلاطین کی بارگاہ میں کھڑے محافظین کی طرح ہمیشہ متوّجہ، خبردار اور پریشان رہتے ہیں۔

اگر تم انہیں آدھی رات کے وقت دیکھو، وہی وقت جب لوگوں کی آنکھوں میں نیند گردش کر رہی ہوتی ہے اور آوازیں محوِ استراحت ہوتی ہیں، پرندے اپنے گھونسلوں میں جوش وخروش چھوڑ کر بیٹھے رہتے ہیں، تو مشاہدہ کرو گے کہ روزِ قیامت کے خوف اور عذابِ الٰہی کے وعدے سے ان کی آنکھوں سے نیند اُڑ چکی ہے، ویسے ہی جیسے خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے:

﴿اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ﴾[1]

کیا ان بستیوں کے لوگ بے فکر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کے وقت آ جائے جب وہ سو رہے ہوں؟

وہ مارے خوف کے اٹھ بیٹھتے ہیں اور بلند آواز سے گریہ کرتے ہوئے نماز قائم کرتے ہیں۔ کبھی روتے ہیں تو کبھی تسبیح خدا بجالاتے ہیں۔ اپنی محرابِ عبادت میں آنسو بہاتے ہیں، نالہ وفریاد کرتے ہیں اور تاریک وخاموش راتوں میں بارگاہِ خدا میں صفیں بنائے گریہ وزاری کرتے ہیں۔

اے احنف! اگر تُو انہیں رات کے وقت عبادت کے لیے کھڑا دیکھے، مشاہدہ کرے گا کہ ان کی کمریں خمیدہ ہیں اور وہ قرآن کے مختلف حصوّں کی اپنی نمازوں میں تلاوت کرتے ہیں۔ ان کے گریہ و نالے کی آوازیں بلند ہیں۔ جب سانس لیتے ہیں، تجھے لگے گا کہ آگ نے ان کے گلے پکڑ لیے ہیں، جب ان کے رونے کی آوازیں بلند ہوتی ہیں، تجھے لگے گا کہ ان کی گردنوں پر کَس کر زنجیریں باندھ دی گئی ہیں۔ اگر تُو انہیں دن کے وقت دیکھے تو مشاہدہ کرے گا کہ زمین پر بہت آرام سے چلتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ اچھے انداز میں بات کرتے ہیں:

﴿وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا﴾[2] ﴿وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا﴾[1]

---

[1] اعراف: ۹۷.

[2] فرقان: ۶۳.

اور جب جاہل ان سے گفتگو کریں تو کہتے ہیں: سلام۔ اور جب بیہودہ باتوں سے ان کا گزر ہوتا ہے تو شریفانہ انداز سے گزر جاتے ہیں۔[1]

ان بندگانِ خدا نے اپنے قدم مقاماتِ تُہمت سے بچا رکھے ہیں، لوگوں کی آبرو اور عزّت کے بارے میں بات کرنے سے اپنی زبانیں گونگی کرلی ہیں، دوسروں کی بے فائدہ باتیں سننے کے لیے اپنے کان بند کر لیے ہیں، اپنی آنکھوں کو گناہوں سے چشم پوشی کے ذریعے زینت بخشی ہے اور سلامت سرا کو مدِ نظر رکھا ہوا ہے۔ وہی سرا جس میں جو بھی داخل ہو جائے ہر شک اور غم سے امان پا جاتا ہے۔

اے احنف! اگر تو اچھے سے ان کے چہرے دیکھے، ان میں تازگی اور نورانیت کے ساتھ ساتھ ایک پنہاں درد بھی محسوس کرے گا۔

یہ گھر جس نے تجھے خود میں مشغول کر رکھا ہے، اُن نقش و نگار کے ساتھ جو اس کی چھت پر بنے ہوئے ہیں، ان پردوں کے ساتھ جو اس کے دروازوں پر پڑے ہیں، یہ سب طوفان اور بلاؤں کی زد پر ہیں اور خراب ہو جانے والے ہیں۔ یہ گھر تیرا ابدی اور باقی رہنے والا گھر نہیں۔ مجھے تیرے لیے جس گھر کی اُمید ہے وہ خدا نے سفید موتیوں سے بنایا ہے۔ خدا نے اس میں بہت سے چشمے جاری کیے ہیں، کئی درخت اُگائے ہیں، ان کے پکے ہوئے پھلوں کے سائے زمین پر پڑتے ہیں، اس گھر میں جوان حوروں کو تیری خدمت کے لیے رکھا ہے اور اپنے دوستوں اور مطیع افراد کو اس میں مستقر کیا ہے۔

اے احنف! اگر تو جنّتیوں کو خدا کی فراوان نعمتوں تک پہنچا دیکھے تو مشاہدہ کرے گا کہ جب وہ چلیں گے، ان کے کاروان کا ترنّم ایسا ہوگا کہ کسی کان نے اس سے بہتر آواز نہ سنی ہوگی۔ ان پر ایک بادل نے سایہ کر رکھا ہوگا جو ان پر مشک و زعفران برسا رہا ہوگا۔ ان کے گھوڑے ان باغات کے درختوں میں ہنہناتے پھرتے ہوں گے۔ ان کے اونٹ زعفران کی فصلوں میں چلتے ہوئے ان کے لیے راستہ بنا رہے ہوں گے اور ان کے پیروں کے نیچے گوہر اور مرجان بچھے ہوئے ہوں گے۔ اس وقت معمورینِ بہشت خوشبودار پھولوں کے بڑے بڑے گلدستوں کے ساتھ ان کے استقبال کے لیے آئیں گے، جانبِ عرش سے ایک ملائم نسیم ان پر چل رہی ہوگی جو ان کے سروں پر یاسمین اور بابونہ کے پھول نچھاور کر رہی ہوگی۔ اس وقت وہ جنّت کے دروازے کی جانب جائیں گے، رضوانِ جنّت ان

---

[1] فرقان: ۷۲.

کے لیے دروازۂ جنّت کھول دے گا اور وہ دہلیزِ جنّت پر اپنے خدا کے سامنے سجدے میں گر جائیں گے۔ پروردگار ان سے خطاب فرما کر کہے گا: «اپنے سر سجدوں سے اٹھالو، میں نے تم سے عبادت کی تکلیف اٹھالی ہے اور بہشت میں تمہیں جگہ دی ہے»۔

لیکن اے احنف! جو کچھ میں نے ابتدائے کلام میں تیرے لیے بیان کیا، اگر تُو اسے بھول بیٹھے اور اس کی جانب توجّہ نہ رکھے، پھر تجھے قطران[1] سے بنا لباس پہنایا جائے گا، تجھے طبقاتِ جہنم میں کھولتے ہوئے پانی میں چلایا جائے گا اور ایسا پانی پلایا جائے گا کہ اس سے زیادہ گرم پانی ہو نہیں سکتا۔ اس دن کتنی ہی کمریں ایسی ہوں گی جو اس آگ میں ٹوٹیں گی، چہرے کچلے جائیں گے اور ان کی ناکیں اندر کو دھنسا دی جائیں گی۔ اس وقت ان کے ہاتھ ہتھ کڑیوں اور زنجیروں سے شدید زخمی ہوں گے جبکہ ان کی گردن میں آتشیں طوق پہنچایا جائے گا۔ اے احنف! تو جہنّمیوں کو دیکھے گا کہ جہنّم کے دَرّوں سے نیچے جائیں گے اور پھر پہاڑوں سے اوپر لائے جائیں گے، ان کے بدن پر قطران سے بنے لباس ہوں گے۔ وہ بُرے افراد اور شیاطین کے ہم نشین ہو چکے ہوں گے جب بھی چیخیں گے اور مدد مانگیں گے، آتش سوزاں ان کی فریاد رسی کرے گی نیز جہنمی سانپ اور بچھّو ان پر حملہ آور ہو جایا کریں گے۔

دوسری جانب اہلِ بہشت کو دیکھے گا، جنہیں ایک منادی ندا دے گا: اے بہشتیو اور اس کی نعمتوں کے اہل افراد! اور اے اچھے لباس اور زیوات والو! تم اب ہمیشہ رہو گے کیونکہ اب کبھی موت تم پر عارض نہ ہو گی۔

اُس وقت اہلِ جہنّم کی اُمید نااُمیدی میں بدل جائے گی، ان پر رحمت کے دروازے بند ہو جائیں گے اور ان کے ہاتھ کہیں سے کچھ نہ لگے گا۔ اُس دن، کتنے ہی سن رسیدہ چیخیں گے: وائے ہو ہمارے بڑھاپے پر! اور کتنے ہی جوان ایسے ہوں گے جو چلائیں گے: وائے ہو ہماری جوانی پر! اور کتنی ہی عورتیں ہوں گی جو دھاڑیں گی: وائے ہو ہماری رُسوائی پر! اُس دن کتنے ہی گناہگار طبقاتِ جہنّم میں قید کردیے جائیں گے اور منادی ندا دے گا: وائے ہو تم پر اُس لباس کی وجہ سے جو آج تمہیں پہنایا جائے گا۔ دنیا میں نرم و نازک لباس پہننے کے بعد، ٹھنڈے اور میٹھے پانی سے سایوں میں بیٹھ کر سیراب ہونے کے بعد اور لذیذ و رنگارنگ کھانے نوش کرنے کے بعد، آج تمہیں ایسا لباس پہنچایا جائے گا جو ان

---

1. ایک سیاہ رنگ کا بدبودار مادہ، جو جلد کی بیماری میں مبتلا اونٹوں کو ملا جاتا ہے۔

کے سیاہ بالوں کو سفید کر دے گا، تمہاری ان آنکھوں کو اندھا کر دے گا جن سے تم ہر اس چیز کو دیکھتے تھے جسے دیکھنا چاہتے تھے اور آنکھ کو کاسۂ چشم سے باہر نکال دے گا! یہ وہ عذاب ہے جو خدا نے گناہ گاروں کے لیے تیار کر رکھا ہے اور یہ بہشت کی وہ نعمت ہے جو خدا نے متقین کے لیے بنا رکھی ہے۔[1]

زیاد بن عبید کے گھر میں

[ہم زیاد بن عبید سے ملاقات کے لیے گئے۔ اُس کا گھر اصحاب رسول ﷺ سے بھرا ہوا تھا۔ عمار، ابو الہیثم، ابو ایوب اور ان کے علاوہ بہت سے بدری اصحاب بھی موجود تھے۔ شام سے ایک خط موصول ہوا تھا جس میں معاویہ لوگوں کو خونِ عثمان کا بدلہ لینے کی دعوت دے رہا تھا اور انہیں میرے خلاف شورش کرنے پر اکسا رہا تھا۔ میں نے زیاد کے گھر میں موجود افراد کے سامنے خطبہ دیا اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد گویا ہوا:]

جب سے رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا ہے، میں نے اِس اُمّت میں کیا کیا مناظر دیکھے ہیں: عمر اور اس کے یار میرے خلاف متّحد ہو گئے، پھر ابو بکر کو کھڑا کیا اور اس کی بیعت کر لی۔ اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے اور ان کے کفن دفن کے انتظام میں مصروف تھا۔ ابھی میں ان کاموں سے فارغ بھی نہ ہوا تھا کہ انہوں نے ابو بکر کی بیعت کر لی۔ خدا کی قسم! عمر اور اس کے ہمنوا بالیقین جانتے تھے کہ میں ابو بکر کے مقابل میں خلافت کا زیادہ حق دار اور سزاوار ہوں۔

جب میں نے خلافت ابو بکر پر اُن کا گٹھ جوڑ اور خود سے ان کی بے اعتنائی دیکھی، اُنہیں خدا کی قسم دی، فاطمہ کو مرکب پر سوار کیا، اپنے دونوں بیٹوں حسن و حسین کے ہاتھ پکڑے، اور ان سب کے پاس گیا اِس اُمید سے کہ شاید واپس لوٹ آئیں۔ میں نے اہلِ بدر اور مہاجرین و انصار کے سابقین میں سے ایک ایک شخص سے مدد مانگی اور انہیں اپنے حق کے بارے میں قسم دی؛ لیکن انہوں نے میری بات قبول نہ کی، نہ میری مدد کی۔ تم اہلِ بدر جو اس وقت یہاں موجود ہو، جانتے ہو کہ میں نے حق کے سوا کچھ نہیں کہا:

دوسری جانب، لوگ اس وقت تک جاہلیت کی یادوں کو پوری طرح نہیں بھولے تھے۔ مجھے اُمت

[1] صفات الشیعۃ؛ شیخ صدوق: ص ۳۹.

محمدیہ ﷺ میں اختلاف اور تفرقے کا خدشہ تھا نیز وہ عہد بھی یاد تھا جو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے لیا تھا۔ آپؐ نے مجھے رونما ہونے والے حوادث کی خبر دی تھی۔ نیز حکم فرمایا تھا کہ اگر کوئی میری مدد کو اٹھے تو ان کی مدد سے حق کا بول بالا کرنے کی خاطر جہاد کروں، لیکن اگر کوئی مدد کو نہ آئے، تو اپنے ہاتھ باندھے رکھوں اور اپنی جان کی حفاظت کروں۔

ابو بکر کا زمانہ گزرا تو وہ خلافت عمر کے سپرد کر گیا جبکہ خدا کی قسم وہ بالیقین جانتا تھا کہ میں عمر کے مقابل خلافت کا زیادہ حق دار اور سزاوار ہوں۔ اس کے باوجود میں تفرقہ اندازی کو پسند نہیں کرتا تھا؛ لہذا عمر کے معاملے پر خاموشی اختیار کر کے اسے قبول کیا اور سر جھکا لیا۔ اس کے بعد عمر نے مجھے چھ رکنی شوریٰ کا ایک رکن بنا دیا اور اصل کام عبد الرحمن بنِ عوف کے سپرد کر دیا۔ ابنِ عوف نے عثمان کے ساتھ ملی بھگت سے خلافت اسے سونپ دی، اس شرط پر کہ عثمان اپنے بعد خلافت عبد الرحمن بن عوف کے سپرد کرے گا! اس کے بعد ابنِ عوف نے عثمان کی بیعت کر لی۔ اس وقت بھی مجھے اختلاف اور تفرقہ بازی پسند نہیں تھی لیکن عثمان نے عبد الرحمن بن عوف سے وفانہ کی اور اسے خلافت سے دُور رکھا۔ ابنِ عوف نے بھی اس سے اظہارِ برائت کر دیا اور ایک خطبے میں، عثمان کو خلافت سے اتار دیا، ویسے ہی جیسے اس نے اپنا جوتا پیر سے اتارا تھا۔ اس کے بعد وہ دنیا سے رخصت ہوا اور وصیّت کر گیا کہ عثمان اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھائے۔ ابنِ عوف کی اولاد نے یہی سوچا کہ عثمان نے اسے مسموم کیا ہے۔

بالآخر عثمان بھی مارا گیا۔ لوگ تین دن تک جمع ہوتے رہے اور حکومت کے بارے میں مشاورت کرتے رہے۔ اس کے بعد میری پاس آئے اور رغبت کے ساتھ بغیر کسی جبر کے میری بیعت کی۔ بیعت کے بعد طلحہ و زبیر میرے پاس آئے اور عمرے پر جانے کی اجازت طلب کی۔ میں نے ان سے عہد لیا کہ میری بیعت نہیں توڑیں گے، میرے خلاف سازش نہیں رچیں گے نیز میرے خلاف کوئی فتنہ برپا نہیں کریں گے۔ وہ مکّے گئے اور بعد میں عائشہ کو اپنے ساتھ ملا کر ایک ایسے شہر والوں کے پاس آ گئے جن کی جہالت زیادہ اور جن کا فہمِ دین کم تھا۔ انہوں نے اس شہر کے باسیوں کو میری بیعت توڑنے اور مجھے قتل کرنے پر اکسایا۔

مجھے رسول اللہ ﷺ سے وہی نسبت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے

مجھ سے فرمایا: «اگر اُمّت گمراہ ہو جائے اور تیرے علاوہ کسی دوسرے کی تابع ہو جائے، اگر مددگار ملیں تو ان سے جہاد کرنا ورنہ ہاتھ باندھے رکھنا اور اپنی جان کی حفاظت کرنا»۔

آپؐ نے مجھے ان تمام باتوں کی خبر دی تھی جو اُمّت اُن کے بعد انجام دینے والی تھی۔

قتلِ عثمان کے بعد امر الٰہی کے قیام اور قرآن و سُنّت کے احیاء کے لیے مددگار میّسر آ گئے، اس وقت میرا ہاتھ باندھے رکھنا جائز نہیں تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ کھول دیے اور ان ناکثین کے ساتھ جنگ کی اور ان شاء اللہ کل شام کی زمین پر صفیّن نامی مقام پر قاسطین سے جنگ کروں گا۔ ان کے بعد عراق کی ایک زمین میں جسے نہروان کہتے ہیں، مارقین کے ساتھ جنگ کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تین مقامات پر مجھے ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا تھا۔

اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی اقدام سے پرہیز کیا تو یہ عاجز ہو جانے، ڈر یا خدا سے ملاقات سے کراہت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور ان کی وصیّت کے پاس کی وجہ سے تھا۔ جب مجھے مددگار میسّر آ گئے تو ان دو راہوں کے علاوہ تیسری راہ دکھائی نہیں دی: یا راہِ خدا میں جہاد اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور یا خدا کا اور جو کچھ اس نے نازل کیا ہے سب کا انکار، آتشِ جہنم کی زنجیریں اور اسلام سے مرتد ہو جانا۔

رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی تھی کہ شہادت میرے انتظار میں ہے، بہت جلد میری داڑھی میرے سر کے خون سے رنگین ہو جائے گی۔ میرا قاتل اولین و آخرین میں شقی ترین شخص ہو گا۔ ایسا شخص جو اپنی خباثت میں قاتلِ ناقۂ صالح اور قابیل کے قاتل ہابیل کے برابر ہو گا، نیز وہ سب سے بڑے فرعون جیسا ہو گا، وہ ابراہیم سے خدا کے بارے میں مخاصمہ کرنے والے کی طرح ہو گا نیز بنی اسرائیل کے ان دو افراد جیسا ہو گا جنھوں نے ان کی کتاب میں تحریف کی اور ان کی سُنّت کو بدل ڈالا۔[1]

❁ علاء بن زیاد کے گھر میں

[علاء کی عیادت کے لیے گیا۔ اس کا گھر کافی بڑا تھا۔ اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا:]

تم اس دنیا میں اس قدر وسیع مکان لے کر کیا کرو گے جب کہ تمھیں آخرت میں اس کی زیادہ

---

[1] کتاب سلیم بن قیس: ج ۲، ص ۹۱۷.

احتیاج ہے۔ تم اگر چاہو تو اس کے ذریعے آخرت کا سامان کر سکتے ہو کہ اس میں مہمانوں کی ضیافت کرو۔ قرابتداروں سے صلہ رحمی کرو اور موقع و محل کے مطابق حقوق ادا کرو کہ اس طرح آخرت کو حاصل کر سکتے ہو۔

[یہ سن کر علاء بن زیاد نے اپنے بھائی عاصم بن زیاد کی شکایت کی جو دنیاوی زندگی کو خیر باد کہہ کر عبادت میں مشغول ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے بھائی کو طلب کیا اور اس سے کہا:]

اے اپنی جان کے دشمن! تجھے شیطانِ خبیث نے (اپنا) گرویدہ بنالیا ہے۔ تجھے اپنے اہل و عیال پر کیوں رحم نہیں آتا ہے۔ کیا تُو یہ سوچتا ہے کہ خدا نے پاکیزہ چیزوں کو حلال تو کیا ہے لیکن وہ ان کے استعمال کو ناپسند کرتا ہے۔ تُو خُدا کی بارگاہ میں اس سے زیادہ پست ہے کہ وہ تیرے ساتھ اس طرح پیش آئے۔

[عاصم نے کہا: یا امیر المومنین! آپ بھی تو کُھردرے لباس اور معمولی کھانے پر گزارا کر رہے ہیں؟ میں نے اسے حقیقت بیان کرتے ہوئے کہا:]

تم پر حیف ہے کہ تم نے میرا قیاس اپنے اوپر کر لیا ہے جب کہ پروردگار نے ائمہ حق پر اپنی زندگی کا پیمانہ کمزور ترین انسانوں کو قرار دینا فرض کیا ہے تا کہ فقیر اپنے فقر کی بنا پر کسی پیچ و تاب کا شکار نہ ہو۔[1]

---

1. نہج البلاغۃ: خطبہ ۲۰۹.

۲۰۔ عبد اللہ بن عباس، گورنرِ بصرہ

ابنِ عباس سے رعایتِ تقویٰ کی اُمید

[عبد اللہ بن عباس کو بصرہ کا گورنر بنایا اور لوگوں کو اطلاع دیتے ہوئے کہا:]

اے لوگو! میں نے تمہارے شہر میں عبد اللہ بن عباس کو اپنا جانشین بنایا ہے۔ اس کی باتوں پر کان دھرو اور جب تک یہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا رہے، تم بھی اس کے حکم کی اطاعت کرو لیکن اگر یہ تمہارے درمیان کوئی بدعت ایجاد کرے یا حق سے دُور ہو جائے، مجھے اطلاع دو تا کہ اسے گورنری سے معزول کر دوں۔

مجھے اُمید ہے کہ میں اُسے عفیف، باتقویٰ اور پارسا پاؤں گا۔ اُسے اس عہدے کے لیے منتخب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے صاحبِ لیاقت ہونے کا گمان رکھتا ہوں۔ خدا ہماری اور تمہاری بخشش و مغفرت فرمائے![1]

ابنِ عباس کو تنبیہ کی

[میں نے عبد اللہ بن عباس کو نصیحت کرتے ہوئے کہا:]

اے ابنِ عباس! تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تقویٰ الٰہی کی رعایت کرنا نیز جن لوگوں پر حاکم ہوا ہے ان کے درمیان عدل قائم کرنا۔ لوگوں کے ساتھ کشادہ رُوئی سے مل اور ان کی خود سے ملاقات کو آسان بنا نیز ان کے ساتھ بردباری سے پیش آ۔ تجھے غصہ کرنے اور طیش میں آنے سے خبردار کرتا ہوں کیونکہ یہ شیطان کی گزرگاہ ہے۔ تجھے ہوائے نفس کی پیروی کرنے سے ڈراتا ہوں کیونکہ یہ تجھے راہِ حق پر چلنے سے باز رکھے گی۔

متوّجہ رہ کہ جو چیز بھی تیرے خدا سے نزدیک ہونے کا موجب بنے گی وہ تیرے آتش سے دُور ہونے کا موجب بھی بنے گی اور بے شک جو چیز تیرے خدا سے دُور ہونے کا سبب بنے گی وہی تیرے

---

[1] الجمل: ص ۴۲۰؛ الامامۃ والسیاسۃ: ص ۱۰۵؛ نہج البلاغۃ: وصیت ۷۶۔

...سے نزدیک ہونے کا سبب بنے گی۔ خدا کو کثرت سے یاد کر اور اور غافلوں میں سے نہ ہونا۔[1]

بصرہ سے روانگی

[جب میں نے بصرہ سے روانہ ہو کر کوفہ کی جانب عازمِ سفر ہونے کا ارادہ کیا، اپنے لباس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اہلِ بصرہ سے کہا:]

اے بصرہ والو! مجھ پر تنقید کرنے کی گیا گنجائش ہے؟ خدا کی قسم میرے تن پر موجود لباس میرے گھر والوں نے بنایا ہے۔

[پھر اپنے غذا کے تھیلے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:]

اے بصرہ والو! تم مجھ پر کیونکر تنقید کر سکتے ہو؟! خدا کی قسم! میرا یہ کھانا مدینے میں موجود میرے کھیتوں سے حاصل کردہ ہے۔[2]

جو تم دیکھ رہے ہو اگر اس سے زیادہ تمہارے یہاں سے کوئی چیز لے کر جاؤں تو بارگاہِ خدا میں خیانت کاروں میں شمار ہوں۔[3]

لوگوں کے ساتھ انصاف اور احسان کے ساتھ پیش آنا

[بصرہ سے باہر نکلا تو عبد اللہ بن عباس کا خط موصول ہوا جس میں بصرہ والوں کے درمیان موجود اختلاف کے بارے میں اطلاع دی گئی تھی۔ میں نے اس خط کے جواب میں لکھا:]

بندۂ خدا علیؑ امیر المومنین کی جانب سے عبد اللہ بن عباس کے نام!

اما بعد! حمد و ستائش خدا سے مخصوص ہے جو عالمین کا پالنے والا ہے، صلوات ہو ہمارے سیّد و سردار محمد ﷺ پر جو اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

تیرا قاصد میرے پاس آیا اور اہلِ بصرہ کے بارے میں جو تُو نے بتایا اور میرے بصرہ سے نکلنے کے

---

1. الجمل: ص ۴۲۰.

2. تمام کا مقصود یہ تھا کہ میں نے تمہارے بیت المال سے کچھ نہیں لیا یہاں تک کہ ایک لباس اور تھوڑی سی غذا سے بھی استفادہ نہیں کیا.

3. الجمل: ص ۴۲۲؛ مناقب آلِ ابی طالبؑ: ج ۲، ص ۹۸.

بعد جو تُو نے دیکھا اور سنا، اس نے مجھے ان سب کی اطلاع دی۔

میں بھی تجھے خبر دے رہا ہوں کہ بصرہ والے چند گروہوں میں منقسم ہیں: ان میں سے ایک گروہ تیری اطاعت پر قائم رہے گا؛ کیونکہ وہ تجھ سے اُمید رکھتے ہیں۔ ایک گروہ سزا کے ڈر سے شورش نہیں کرے گا۔ پس جو لوگ تجھ سے اُمید رکھتے ہیں ان کے ساتھ عدل وانصاف اور نیکی سے پیش آ اور جو تجھ سے خوفزدہ یا پریشان ہیں ان کے ساتھ ایسے پیش آ کہ ان کے دلوں میں لگی ڈر کی گرہیں کھل جائیں اور ان کے لیے آرام و سکونِ خاطر کا زمینہ فراہم کر۔

اِس جانب بھی توجّہ رکھنا کہ اہلِ بصرہ اپنے حاکموں کے لیے کسی شان وعظمت کے قائل نہیں تھے اور اُن میں سے بعض کے علاوہ باقی کسی کا احترام نہیں کرتے تھے۔ میری نصیحتوں کی جانب توجّہ کر اور اس پر سنجیدگی سے عمل کر۔ نیز قبیلہ رُبیعہ سے نیکی سے پیش آ اور جو بھی تیرے نزدیک ہیں اُن سے اپنی توانائی کی حد تک اچھائی کر۔ ان شاء اللہ، والسلام۔[1]

[کچھ عرصے بعد بصرہ والوں سے ابنِ عباس کے نامناسب رویّے کی خبر موصول ہوئی۔ میں نے اسے لکھا:]

یاد رکھو کہ یہ بصرہ ابلیس کے اترنے اور فتنوں کے ابھرنے کی جگہ کا نام ہے لہٰذا یہاں کے لوگوں کے ساتھ اچھّا برتاؤ کرنا اور ان کے دلوں سے خوف کی گرہ کھول دینا۔

مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم بنی تمیم کے ساتھ سختی سے پیش آتے ہو اور ان سے سخت قسم کا برتاؤ رکھتے ہو۔ پس یاد رکھو کہ بنی تمیم وہ لوگ ہیں کہ جب اُن کا کوئی ستارہ ڈوبتا ہے تو دوسرا ابھر آتا ہے۔ یہ جنگ کے معاملہ میں (زمانۂ) جاہلیت ہو یا اسلام کبھی کسی سے پیچھے نہیں رہے ہیں اور پھر ہمارا ان سے رشتہ داری اور قرابت کا تعلق بھی ہے کہ اگر ہم اس کا خیال رکھیں گے تو اجر پائیں گے اور قطع تعلق کر لیں، تو گناہ گار ہوں گے۔

لہٰذا ابنِ عباس خدا تم پر رحمت نازل کرے۔ ان کے ساتھ اپنی زبان یا ہاتھ پر جاری ہونے والی اچھائی یا برائی میں سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا کہ ہم دونوں ان ذمہ داریوں میں شریک ہیں۔ اور دیکھو

[1] وقعۃ صفین: ص ۱۰۵؛ انساب الاشراف: ج ۲، ص ۱۵۸؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۳، ص ۱۸۳۔

تمہارے بارے میں میرا حسنِ ظن برقرار رہے اور میری رائے غلط ثابت نہ ہونے پائے۔ والسلام۔[1]

[1] نہج البلاغۃ: نامہ ۱۸۔

۲۱۔ جنگ کی رُوداد لکھ بھیجی

❁ اپنے تمام عاملوں کو خطوط بھیجے

[جنگِ جمل کے فاتحانہ اختتام کے بعد، میں نے اپنے تمام عاملین اور گورنروں کو خطوط ارسال کیے۔ ان میں سے چند ایک یوں تھے:]

خداوندِ متعال نے طلحہ و زبیر کو قتل کیا کیونکہ انہوں نے ستم روا رکھا، اختلاف پیدا کیا اور بیعت شکنی کی۔ خدا نے ان کے لشکر کو شکست سے دوچار کیا اور عائشہ کو بھی اس حال میں واپس بھیجا کہ وہ خسارے میں گرفتار تھی۔[1]

❁ اہلِ مدینہ کے نام خط

[اہلِ مدینہ کو لکھا:]

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

بندۂ خدا علیؑ بن ابی طالبؑ کی جانب سے!

تم پر سلام، خدا کی حمد بجالاتا ہو کہ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔

اما بعد! خداوند متعال جو ہم پر اور تم پر خصوصی لطف و فضل اور توجّہ فرماتا ہے، ایک عادل حاکم ہے۔ ایسا خدا جس کی گفتار حق ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ ۗ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِ مِن وَالٍ﴾[2]

اللہ کسی قوم کا حال یقیناً اُس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے اور جب اللہ کسی قوم کو بُرے حال سے دوچار کرنے کا ارادہ کرلے تو اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور نہ

---

[1] الفصول المختارۃ: ص ۱۴۲.

[2] رعد: ۱۱.

بجز اللہ کے سوا ان کا کوئی مدد گار ہوتا ہے۔

اب میں تمہیں اپنے کام اور اہلِ بصرہ، قریش اور دوسرے ان افراد کے بارے میں خبر دیتا ہوں جو طلحہ و زبیر کے ساتھ ہو گئے تھے۔ جیسا کہ تم جانتے ہو ان دونوں نے میری بیعت توڑی جبکہ اپنی مرضی سے میری بیعت کی تھی۔ میں تمہارے شہر سے نکلا اور لوگوں کا ایک گروہ میری بیعت سے وفادار اور راہِ حق پر پائیدار رہا۔ انہوں نے میرا ساتھ دیا یہاں تک کہ ہم منزل ذی قار پر پہنچے اور پڑاوٗ ڈالا۔ وہاں اہلِ کوفہ کا ایک لشکر بھی ہم سے آملا۔

طلحہ و زبیر ہم سے پہلے بصرہ پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے میرے عامل عثمان بن حُنیف پر مظالم ڈھائے۔ میں نے ان کے پاس اپنے نمائندے بھیجے، ان کے سامنے ہر قسم کی دلیل اور برہان پیش کیے اور اُن پر حُجّت تمام کر دی۔ بصرہ کے نزدیک پہنچ کر انہیں پھر حق قبول کرنے کی دعوت دی اور ان پر دوبارہ اِتمامِ حُجّت کیا۔ انہیں زبان دی کہ ان کی ہر خطا اور لغزش سے درگزر کروں گا نیز ان کی عہد شکنی کو بھی اَن دیکھا کر دوں گا لیکن وہ مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے جنگ اور گمراہی پر اڑے رہنے کے سوا کسی چیز پر راضی نہ ہوئے۔ میرے پاس بھی اُن سے بھڑنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا اس وجہ سے جہاد کا انتخاب کیا۔ ان پیمان شکنوں میں سے کچھ کو تو خدا نے قتل کیا جبکہ ان کا ایک گروہ میدانِ جنگ سے پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

میں نے ان کی گردنوں سے تلوار اٹھا کر نیام میں رکھ لی اور ان سب کو معاف کر دیا نیز ان کے بارے میں حق و سُنّت کو جاری کیا۔ اس کے بعد عبد اللہ بن عباس کو اُن پر عامل مقرر کیا اور اس وقت خدا کی منشاء سے کوفہ کی جانب روانہ ہوں۔ ان شاء اللہ۔[1]

اہلِ کوفہ کے نام خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امیر المومنین علیؑ کی جانب سے اہلِ کوفہ کے نام!

تم پر سلام ہو۔ خدا کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔

---

1. الجمل: ص ۳۹۵.

بے شک خداوندِ متعال حاکمِ عادل ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِہِمۡ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰہُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَہٗ ۚ وَ مَا لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّالٍ﴾[1]

اللہ کسی قوم کا حال یقیناً اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت نہ بدلے اور جب اللہ کسی قوم کو بُرے حال سے دوچار کرنے کا ارادہ کرلے تو اس کے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں ہوتی اور نہ ہی اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے۔

اب میں تمہیں اپنے کام کے انجام اور اہلِ بصرہ، قریش اور دوسرے ان افراد کے بارے میں خبر دیتا ہوں جو طلحہ وزبیر کے ساتھ ہو گئے تھے۔ یہ دونوں افراد میری بیعت اور اپنی قسمیں توڑنے کے بعد بصرہ پہنچ گئے تھے۔

مجھے اُن کی حرکتوں کی خبر ہو چکی تھی، مدینہ سے نکلا اور جب منزل ذی قار پر پہنچا، مجھے میرے عامل عثمان بن حُنیف کے ساتھ ان کے روا رکھے گئے روّیے کی خبر موصول ہوئی۔ وہیں سے اپنے بیٹے حَسن، عمار اور قیس کو تمہارے پاس بھیجا۔ انہوں نے تم سے حق کی مدد، اور خدا اور اس کے رسول ﷺ اور ہم اہلِ بیتؑ کا حق واپس لینے کے لیے قیام کرنے کا مطالبہ کیا۔ تمہارے بھائیوں نے اشتیاق کے ساتھ ہماری دعوت پر لبیک کہا اور ہماری مدد کو آن پہنچے۔ میں ان اہلِ کوفہ اور ان افراد کے ساتھ جنہوں نے اطاعت خدا کی راہ میں تیزی سے قدم بڑھائے، ان بیعت شکنوں کی طرف روانہ ہوا اور بصرہ کے نزدیک پڑاؤ ڈالا۔ کچھ بھی کرنے سے پہلے لشکرِ بصرہ کو حق قبول کرنے کی دعوت دی، ان پر حُجّت تمام کی اور ان کے سامنے دلیل وبرہان قائم کیے۔ انہیں پیغام بھیجا کہ ان کی اور قریش کی غلطیوں سے درگزر کروں گا اور ان کی خطاؤں کو بخشش دوں گا۔ انہیں توبہ اور واپس لوٹ جانے کی دعوت دی نیز انہیں بیعت توڑنے اور اپنے بارے میں عہدِ الٰہی کو ان دیکھا کرنے پر تنبیہ کی لیکن وہ اپنی گمراہی پر جمے رہے اور میرے اور میرے ساتھیوں کے ساتھ جنگ کے علاوہ کسی اور چیز کو قبول نہ کیا۔ میں نے بھی ناچار اُن سے جنگ کرنے کی راہ منتخب کی۔

اُن میں سے ایک گروہ مارا گیا اور دوسرا گروہ اپنے شہر کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اِس کے بعد

---

[1] رعد: ۱۱.

انہوں نے وہی چیز چاہی جس کا میں ان سے پہلے سے مطالبہ کرتا آرہا تھا۔ یعنی جنگ سے ہاتھ اٹھانا۔ میں نے ان کی درخواست قبول کی اور تلوار نیام میں رکھ لی۔ سب کو بخش دیا اور ان کے درمیان حق و سنت کی رعایت کی۔

اب عبد اللہ بن عباس کو بصرہ کا گورنر بنا دیا ہے اور خدا کی منشاء سے کوفہ آرہا ہوں لیکن خود سے پہلے زحر بن قیس جعفی کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں تاکہ اس سے مکمل اور پکی خبریں حاصل کرلو۔ وہ تمہیں ہماری اور لشکرِ بصرہ کی خبریں دے گا کہ کیسے انہوں نے حق قبول نہ کیا اور ہمارے مقابل کھڑے ہوگئے۔ تم پر اللہ کا سلام، رحمت اور برکات ہوں![1]

قرظہ بن کعب، اور اہلِ کوفہ کی ایک جماعت کے نام خط

[ایک خط قرظہ بن کعب اور ان کے تحتِ امر مسلمانوں کے نام لکھا:]

بندۂ خدا امیر المومنین علیؑ بن ابی طالبؑ کی جانب سے قرظہ بن کعب اور اس کے ہمراہ دیگر مسلمین کے نام۔

تم پر سلام ہو۔ خدا کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔

اما بعد! ہم اُس جماعت کے رُوبرُو ہوئے جس نے ہماری بیعت توڑی، اتحاد کے رشتے کو پارہ پارہ کیا اور ہم پر شورش کی۔ پہلے تو ہم نے خدا کے حضور اُن پر اتمامِ حجت کیا۔ خدا نے بھی ہمیں ان پر فتح بخشی اور طلحہ و زبیر مارے گئے۔ ہر چیز سے قبل میں نے انہیں ان کے کام کے نتیجے سے ڈرایا، تنبیہ کی اور امت کے صالحین کو ان کی بیعت شکنی پر شاہد بنایا لیکن انہوں نے شائستہ اور اہلِ لیاقت رہبروں کی اطاعت اور خیر خواہوں کی نصیحت قبول نہ کی۔

بصرہ والوں نے عائشہ کی پناہ حاصل کی، اس کے اردگرد اتنے افراد مارے گئے کہ ان کی تعداد بس خدا ہی جانتا ہے۔ اس کے بعد جو باقی بچ رہے انہیں خدا نے پراگندہ کر دیا، انہوں نے جنگ سے پُشت دکھائی اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ سچ میں ناقۂ صالح کو پے کرنے والے اپنے قوم کے لیے اس سے زیادہ منحوس ثابت نہیں ہوئے جتنے اس شہر کے لیے عائشہ۔ اِس فرق کے ساتھ کہ عائشہ ایک عظیم گناہ کی

---

1. الجمل: ص ۳۹۸؛ تاریخ طبری: ج ۳، ص ۵۴۵؛ الارشاد: ج ۱، ص ۲۵۸.

مرتکب ہوئی ہے، اس نے خدا اور اس کے رسول ﷺ کے حکم سے سرتابی کی، لوگوں کو فریب دیا، مومنین میں تفرقہ ڈالا، مسلمانوں کا خون بہایا جبکہ اس کے پاس نہ تو کوئی دلیل و برہان تھا نہ حجت و بہانا۔

جیسے ہی خدا نے انہیں شکستِ فاش سے دوچار کیا، میں نے حکم دیا کہ میدانِ جنگ سے بھاگنے والوں کا پیچھا نہ کیا جائے، ان کے زخمیوں کو قتل نہ کیا جائے، ان کی لاشوں کی اہانت نہ کی جائے، کوئی پردہ دَری نہ ہو، کسی گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں اور نہایتاً سب لوگوں کو امان دے دی۔

ہمارے بڑے قابل افراد شہید ہو گئے، خدا ان کی نیکیوں میں اضافہ فرمائے، ان کے درجات بلند فرمائے، انہیں صابرین کا اجر دے اور وہ بہترین پاداش عنایت فرمائے جو اہل بیتؑ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے اہلِ اطاعت اور شاکرینِ نعمتِ الٰہی کو ملتی ہے۔ ہاں! تم نے میری بات سنی، اسے قبول کیا اور اطاعت کی۔ جب تمہیں دعوت دی گئی تم نے لبیک کہا۔ تم کتنے اچھے بھائی اور اصحابِ حق تھے اور ہو! تم پر خدا کا سلام، رحمت اور برکات ہوں![1]

❁ جریر بن عبد اللہ کے نام خط

[گورنر ہمدان، جریر بن عبد اللہ کے نام لکھا:]

میری بیعت توڑنے کے بعد اور میرے عامل عثمان بن حُنیف سے لڑنے کے بعد طلحہ و زبیر کے ساتھ کیا گھٹا اس کی اور اپنے کام کے نتیجے کی تجھے خبر دیتا ہوں۔

ہم مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جب منزل عُذیب پر پہنچے، حسنؑ، عبد اللہ بن عباس، عمار بن یاسر اور قیس بن سعد کو کوفے والوں کے پاس بھیجا۔ انہوں نے اہلِ کوفہ کو جہاد کی دعوت دی، انہوں نے بھی اس دعوت کا مثبت جواب دیا۔ ان کے ساتھ شہر بصرہ کے نزدیک پڑاؤ ڈالا۔ میں نے اِتمامِ حُجت کی اور زبان دی کہ ان کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کروں گا، انہیں بیعت کی پاسداری کی دعوت دی لیکن انہوں نے جنگ کے علاوہ کوئی دوسری چیز قبول نہ کی۔ میں نے بھی خدا سے مدد طلب کی اور ان سے جنگ کے لیے میدان میں اتر آیا۔ ان میں سے کچھ مارے گئے

[1] الجمل: ص ۴۰۳؛ الکافیۃ: ص ۷۲؛ نہج البلاغۃ: خط ۲، ص ۳۶۴.

اور جو بچ رہے وہ اپنے شہر کو بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد انہوں نے اسی چیز کی درخواست کی جو میں نے جنگ سے قبل ان سے چاہی تھی؛ یعنی جنگ سے ہاتھ اُٹھانا! میں نے اُن کی بات قبول کی اور عافیت کو فوقیت دی، میں نے ان کے سروں سے تلوار اٹھا کر نیام میں دھر لی۔ اس کے بعد عبد اللہ بن عباس کو بصرہ کا والی مقرر کیا اور خود کوفے کی جانب روانہ ہو گیا۔

اس وقت زحر بن قیس کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں تا کہ وہ تمہارے سوالوں کا جواب دے۔[1]

اپنی بہن کے نام خط

[ایک خط اپنی بہن اُمّ ہانی کے نام بھی لکھا:]

تم پر سلام ہو! خدا کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں۔

امابعد! ہم بصرے میں سرکشوں اور ظالموں کے رُوبرُو ہوئے، اُن سے جنگ لڑی۔ خدا نے اپنی مدد اور قوت سے ہمیں فتح نصیب کی اور ہمارے دشمنوں کو وہ سزا دی جو ظالموں کے لیے ہے۔ طلحہ و زبیر، عبد الرحمن بن عتاب اور ان کے دیگر بے شمار افراد مارے گئے۔ ہمارے لشکر میں سے بھی مخدوع کے بیٹے، صوحان کے دو بیٹے، علباء، ہند، ثمامہ اور مسلمانوں کا ایک اور گروہ شہید ہوا۔ خدا ان پر رحمت فرمائے۔ والسلام۔[2]

1. وقعۃ صفین: ص ۱۵؛ الامامۃ والسیاسۃ: ص ۱۱۰؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۳، ص ۷۰.

2. الجمل: ص ۳۹۷.

۲۲۔ کوفے میں داخلہ

❁ کتنا خوبصورت شہر ہے!

[جب ہم کوفے کے نزدیک پہنچے تو اس شہر سے خطاب کر کے کہا:]

اے شہر کوفہ آفرین ہو تجھ پر! تیری ہوا کس قدر خوب اور باطراوت ہے اور تو کتنی پُر برکت اور حاصل خیز مٹی کا حامل ہے! جو تجھ سے منہ موڑتے ہیں گناہ کے درپے ہیں اور جو تیری طرف رخ کرتے ہیں رحمت کے خواہاں ہیں۔ شب و روز گزر جائیں گے اور دن کٹ جائیں گے یہاں تک کہ ایک ایسا دن آئے گا جس میں تمام مومنین تیری طرف آئیں گے جبکہ بدکار اور فاسق تجھ میں رہنا پسند نہیں کریں گے۔ تُو ایسا آباد ہو گا اور وسعت پا جائے گا کہ تیرے بعض رہنے والے نمازِ جمعہ میں صبح کے وقت چلیں گے اور دُوری کی وجہ سے نماز میں نہیں پہنچ سکیں گے![1]

❁ اعتدال و انصاف کی رعایت

[شہر کوفہ کے نزدیک قرظہ بن کعب کچھ افراد کے ہمراہ ہمارے استقبال کے لیے آیا۔ انہوں نے جنگ میں کامیابی پر مبارکباد پیش کی لیکن عبد اللہ بن وہب نے لشکرِ جمل کے بارے میں کچھ الگ ہی بولنا شروع کر دیا اور انہیں کافر و مشرک کہنے لگا۔ میں نے اسے سخت انداز میں تنبیہ کرتے ہوئے کہا:]

تیری ماں تیرے غم میں بیٹھے! تو کہاں سے یہ سب کہنے کی طاقت لاتا ہے اور جس چیز کے بارے میں نہیں جانتا اس کے بیان پر جرائت کہاں سے جتاتا ہے؟ تیری باتیں غلط اور باطل ہیں۔ وہ ایسے نہیں ہیں جیسا تُو سوچتا ہے! اگر ہم اُنہیں مشرک جانتے، ان کے بچوں اور ازواج کو اسیر بناتے، ان کا مال مالِ غنیمت کے طور پر لیتے اور اپنے اہلِ لشکر کے درمیان تقسیم کرتے نیز کسی کو ان سے شادی کرنے کی اجازت نہ ہوتی اور کوئی ان سے ارث حاصل نہ کرتا![2]

---

[1] الاخبار الطوال: ص ۱۵۲؛ خصائص الائمۃ: ص ۱۱۴.

[2] الکافئۃ: ص ۳۱.

کُوفے میں داخلے کے بعد پہلا خطبہ

[۱۲ رجب ۳۶ھ سوموار کے دن ہم کوفے میں داخل ہوئے۔ اہلِ کوفہ استقبال کے لیے آئے ہوئے تھے۔ کوفے کی جامع مسجد میں دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد اُٹھا اور لوگوں کے سامنے خطبہ دیا:]

امابعد! اے کوفے والو! تم اسلام اور مسلم ہونے میں صاحب فضیلت اور برتری کے حامل ہو، جب تک کج روی کا شکار اور درست راہ سے رُوگرداں نہ ہو۔

میں نے تمہیں حق کی نصرت کے لیے بلایا اور تم چلے آئے، منکر کے مقابل ڈٹ گئے اور اسے چکنا چور کر ڈالا۔ آگاہ ہو جاؤ! خدا اور اپنے درمیان تم جس فضیلت کے حامل ہو وہ تمہارے درمیان احکامِ الٰہی کے اجر اور بیت المال سے تمہیں تمہارا حصے دینے کی موجب بنی ہے۔ تم ان لوگوں کے لیے نمونہ ہو جو تمہاری راہ پسند کریں، تمہاری دعوت قبول کریں اور جس راہ پر تم چل رہے ہو وہ بھی اسی راہ پر گامزن ہو جائیں۔

جان لو کہ مجھے تمہاری طرف سے دو چیزوں کی سب سے زیادہ پریشانی لاحق ہے: ایک ہوا پرستی اور دوسری طولانی آرزوئیں! خواہشِ نفس کی پیروی انسان کو حق قبول کرنے نہیں دیتی اور طولانی آرزوئیں آخرت کی یاد بھولا دیتی ہے۔ آگاہ ہو جاؤ! دنیا بڑی تیزی سے پشت دکھاتی ہے اور ہاتھ سے نکل جاتی ہے نیز آخرت بھی تیزی سے حرکت کرتے ہوئی ہماری سمت آرہی ہے۔ دنیا و آخرت، دونوں کی اولادیں ہیں۔ لہذا کوشش کرو کہ آخرت کی اولاد میں سے ہو۔ آج عمل کا دن ہے حساب رسی کا نہیں اور کل حساب رسی کا دن ہو گا عمل کا نہیں۔

اُس خدا کی حمد جس نے اپنے ولی کو فتح سے ہم کنار کیا اور اُس کے دشمن کو ذلیل وخوار کیا۔ وہ وہی خدا ہے جس نے سچے صاحبِ حق کو عزّت بخشی اور بیعت شکن گمراہوں کو ذلیل کیا۔ تمہیں تقویٰ الٰہی اپنانے کی نصیحت کرتا ہوں اور تمہارے نبی ﷺ کے اہلِ بیتؑ میں سے ان افراد کا حکم بجالانے کی بھی جو خدا کی اطاعت کرتے ہیں۔ تمہارے نبی کے اہل بیتؑ ان جھوٹے دعویداروں کے مقابل اطاعت کیے جانے کے زیادہ حق دار ہیں جو اُن کے مقابل آکھڑے ہوتے ہیں۔ یہ بے جا ہمارے فضائل کی اپنی جانب نسبت دیتے ہیں، ہماری مخالفت کرتے ہیں، ہمارا حق پائمال کرتے ہیں اور ہمیں اس حق سے دور کر دیتے ہیں۔ یہ اپنے بُرے اعمال کا مزہ چکھ کر رہیں گے اور جلد ہی جہنّم میں ہوں گے۔

جان لو کہ تم میں سے کچھ افراد نے میری نصرت کرنے میں کوتاہی کی۔ ایسے لوگ ملامت و مذمّت کے قابل ہیں اور میں ان کی سرزنش کرتا ہوں۔ تم بھی اُن سے رابطہ منقطع کر دو، اُنہیں خود سے دور کرو، جن باتوں سے خوش نہیں ہوتے ان کے کانوں میں وہی باتیں کرو تاکہ اُنہیں تنبیہ ہو! ایسے اقدامات کرنا لازم ہے تاکہ صفوں کی جدائی کے وقت حزبِ الٰہی پہچانی جائے۔

[یہاں شہر کُوفہ کی انتظامی فوج کا رئیس مالک بن حبیب اٹھا اور کہنے لگا: خدا کی قسم! جنگ سے اعراض برتنے والوں کو فقط ملامت کرنا بہت چھوٹی سزا ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو سب کو تہہِ تیغ کر دیں؟ میں نے اُسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا:]

سبحان اللہ! اے مالک! تُو حد سے آگے بڑھ گیا اور سرحد پھاند لی اور سختی میں غرق ہو گیا۔ اے مالک! خدا نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا۔ خدا کا قانون جان کے بدلے جان کا قصاص ہے، پھر یہاں انتقام لینے کا کون سا مقام؟ خداوندِ عالم ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا﴾[1]

اور جو شخص مظلوم مارا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو (قصاص کا) اختیار دیا ہے، پس اسے بھی قتل میں حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، یقیناً نصرت اُسی کی ہو گی۔

قتل میں اسراف سے کام لینا یعنی انسان کسی ایسے شخص کو قتل کر دے جس نے کسی کی جان نہیں لی۔ خدا نے انسان کو ایسے کاموں سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے؛ کیونکہ یہ ظلم ہے۔

[جنگ سے منہ موڑنے والوں میں سے ایک ابو بردہ بھی تھا۔ وہ اٹھا اور سوال کیا: یا امیر المومنینؑ! جو لوگ طلحہ و زبیر اور عائشہ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے مارے گئے ان کا کیا قصور تھا اور وہ کس گناہ کے مرتکب ہوئے تھے جو قتل کے مستحق قرار پائے؟ میں نے اس کا جواب دیا:]

انہوں نے میرے شیعوں اور عاملوں کو قتل کیا، ربیعہ عبدی کے بھائی اور اُن کے ساتھ کچھ دوسرے مسلمانوں کو تہہِ تیغ کیا۔ خدا کی ان کشتگان پر رحمت ہو۔ ہاں! میرے ساتھیوں کا جرم یہ کہنا تھا کہ: ہم تمہاری طرح پیمان شکنی نہیں کریں گے اور خیانت نہیں کریں گے۔

---

[1] اسراء: ۳۳.

انہوں نے ان پر حملہ کیا اور سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ میں نے اس جرم کی پاداش میں انہیں قتل کیا ہے۔ اُن سے اپنے بھائیوں کے قاتلوں کو میرے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تا کہ ان کا قصاص کیا جا سکے۔ اور اس کے بعد کتاب اللہ میرے اور ان کے درمیان حاکم ہو لیکن انہوں نے قبول نہیں کیا اور مجھ سے جنگ پر مصر ہے جبکہ میری بیعت اُن کی گردن پر تھی اور اِس کے علاوہ میرے شیعوں میں سے ہزاروں افراد کا خون بھی اُن کے دامن پر تھا۔ کیا اب بھی تجھے (ان کے قتل میں) تردید کا سامنا ہے؟

[اُس نے جواب دیا: میں تردُّد میں تھا! لیکن اب حقیقت جان گیا ہوں اور اس گروہ کی غلطی مجھ پر واضح ہو گئی ہے۔ بے شک آپ ہدایت شدہ اور صحیح کردار والے ہیں۔] [1]

❋ کوفے میں نمازِ جمعہ کا اوّلین خطبہ

حمد وستائش خدا سے مخصوص ہے۔ میں اُس کی حمد بجالاتا ہوں، اُس سے مدد طلب کرتا ہوں، اُس سے ہدایت چاہتا ہوں، گمراہی سے اس کی پناہ مانگتا ہوں کیونکہ جسے وہ ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کر دے اُسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ شہادت دیتا ہوں کہ خدائے یکتا اور بے شریک کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اس نے انہیں منتخب فرما کر نبوّت سے مخصوص فرمایا۔ وہ افضل المخلوق اور خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہستی ہیں۔ انہوں نے اپنے رب کا پیغام پہنچایا اور وہ اپنی اُمّت کے لیے حد درجے کی خیر خواہی رکھتے تھے۔ انہوں نے وہ ذمہ داری انجام دی جو ان کے سپرد کی گئی تھی۔

میں تمہیں تقویٰ الٰہی اپنانے کی نصیحت کرتا ہوں۔ کیونکہ تقویٰ الٰہی اپنانے کی نصیحت وہ بہترین نصیحت ہے جس کی بندگانِ خدا کو دعوت دی جاتی ہے۔ یہ رضائے خدا حاصل کرنے کا نزدیک ترین وسیلہ ہے نیز خدا کے یہاں امور میں سب سے خوش عاقبت امر ہے۔ تمہیں تقویٰ الٰہی اپنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ تمہیں نیک اعمال کی انجام دہی اور اطاعت کرنے کے لیے خلق کیا گیا ہے۔ لہٰذا دھیان رکھو

---

[1] وقعۃ صفین: ص ۳؛ الفتوح: ج ۱، ص ۱۳۸؛ الارشاد: ج ۱، ص ۲۵۹؛ امالی مفید: مجلس ۱۵، ح ۵، ص ۱۲۷، شرحِ نہج البلاغۃ: ج ۳، ص ۱۰۲۔

اور خبردار رہو اس چیز سے جس سے خدا نے تمہیں خبردار اور متنبہ کیا ہے۔ کیونکہ خدا نے تمہیں شدید عذاب سے پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے۔ خدا سے ڈرو، ایسا ڈرو کہ اس کے سامنے کوئی بہانا بنانے پر مجبور نہ ہو۔

عمل کرو، لیکن ریاکاری سے پاک کیونکہ جو بھی کوئی عمل غیر خدا کے لیے انجام دے گا خدا بھی وہ عمل اسی کے سپرد کر دے گا اور جو بھی اپنا عمل خدا کے لیے مخلصانہ طور پر انجام دے گا، خدا اس کی پاداش اپنے ذمہ لے گا۔ خدا کے عذاب سے ڈرو کیونکہ اس نے تمہیں عبث خلق نہیں کیا نہ اس نے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑ رکھا ہے۔ اس نے تمہارے معاملات دقیق انداز میں ثبت کیے ہیں، اسے تمہارے تمام اعمال کی اطلاع ہے نیز اس نے تمہاری اجل (کا دن) مقرر کر رکھا ہے۔ لہذا دنیا سے دھوکا نہ کھانا کہ دنیا اپنے اہل کو بہت فریب دیتی ہے۔ جنہوں نے دنیا سے دل لگایا وہ حقیقی معنوں میں فریب خوردہ ہیں۔ کیونکہ دنیا کا اختتام نیستی اور فنا ہے:

﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾[1]

اور آخرت کا گھر ہی زندگی ہے، اگر انہیں کچھ علم ہوتا۔

خدا سے شہداء کے مقام تک رسائی، انبیا کی ہمراہی اور اہل سعادت کی زندگی کا سوال کرتا ہوں، بے شک ہم اس کے لیے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔[2]

---

[1] عنکبوت: ۶۴.

[2] وقعۃ صفین: ص ۱۰؛ الاخبار الطوال: ص ۱۵۲؛ شرح نہج البلاغۃ: ج ۳، ص ۱۰۸.

۲۳۔ کوفہ میں تربیتی لائحہ ترتیب دیا

جب تک زمانہ باقی ہے، علماء باقی ہیں

[کوفہ والوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دلائی۔ خطبہ دیتے ہوئے ان سے کہا:]

اے لوگو! کمالِ دین، طلبِ علم اور اس علم پر عمل کرنا ہے۔ تمہارے لیے علم حاصل کرنا کسبِ مال سے زیادہ واجب ہے۔ کیونکہ مال خُدا نے تقسیم کیا ہے اور اُسے تم تک پہنچانے کی ضمانت لی ہے اور اس ضمانت کو وفا کرے گا لیکن اس نے علم تم سے دُور رکھا ہے اور ایک گروہ کو دیا ہے اور تمہیں حکم دیا ہے کہ اسے اس کے اہل سے سیکھو۔ لہٰذا علم حاصل کرو۔

جان لو کہ مال کی زیادتی تمہیں فاسد اور تمہارے دین کو تباہ نیز دلوں کو سخت کر دے گی؛ لیکن جس قدر علم حاصل کرکے اور اس پر عمل کروگے یہ تمہارے دین کے لیے بہتر ہے اور تمہیں بہشت تک لے جائے گا۔ مال، لوگوں کو بخیل بنا دیتا ہے یہاں تک کہ مالدار انسان خود اپنے آپ سے بھی بخل برتتا ہے، پھر لوگوں کی مدد کرنے کی تو کیا بات! مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے جبکہ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے، بااستعداد افراد کے لیے علم کو نشر کرنا اور اسے وسعت بخشنا علم کا انفاق ہے۔

جان لو کہ عالِم کی پیروی اور اس کی ہمراہی دین کی علامات اور نشانیوں میں سے ہے۔ عالم کی اطاعت نیکیاں ساتھ لاتی ہے، گناہوں کو مٹاتی ہے اور مومنین کے لیے ذخیرہ مہیا کرتی ہے۔ علماء کے دنیا و آخرت میں مقامات بلند ہیں اور یہ دنیا سے خوش نامی کے ساتھ رخصت ہوتے ہیں۔ جان لو کہ مال ختم ہو جاتا ہے ویسے ہی جیسے اس کا مالک بھی باقی نہیں رہتا لیکن علم اور علماء ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔ علم حکومت کرتا ہے جبکہ مال ہمیشہ محکوم رہتا ہے۔[1]

موت کے لیے تیار رہو

[راتوں میں عشاء کی نماز کے بعد لوگوں کو آخرت کے بارے میں وعظ و نصیحت کیا کرتا اور ان سے

1 مشکاۃ الانوار: ص ۱۳۸؛ کافی: ج ۱، س ۳۰؛ تحف العقول: ص ۱۹۹.

کہا کرتا تھا:]

اے لوگو! خدا تم پر رحمت کرے! موت کے لیے تیار رہو، اپنا سامان باندھ لو کیونکہ نقارۂ کوچ بجایا جا چکا ہے۔ پس دنیا میں رہنا اور اس سے دل لگانا کیا معنی رکھتا ہے جبکہ نقارۂ کوچ پر چوٹ پڑ چکی ہے؟! خدا تم پر رحمت کرے! تیار ہو جاؤ اور اپنی دسترس میں موجود بہترین زادِ راہ فراہم کرو یعنی اپنے ہمراہ تقویٰ لے کر جاؤ۔

جان لو کہ تمہاری راہ قیامت کی طرف ہے، تمہارا گزر صراط سے ہے اور تمہارے سامنے بڑی وحشت ہے۔ دشوار گزار کھائیاں ہیں، وحشت زدہ منازل ہیں اور تمہارے سامنے ہراسناک مناظر ہیں۔ جن سے گزارنا اور ان میں توقف کرنا ناگزیر ہے۔ اس راہ میں یا تو رحمتِ الٰہی ہے جو تمہیں ان عظیم خطروں، ہراسناک منزلوں، دل خراش منظروں اور سخت آزمائشوں سے نجات دے سکتی ہے یا پھر ہلاکت کی گھاٹیاں ہیں جن کی تلافی ممکن نہ ہو گی۔[1]

۞ آیات قرآن کے بارے میں پوچھو

[ایک دن اہلِ کوفہ سے خطاب کر رہا تھا، اثنائے خطاب انہیں مخاطب کر کے کہا:]

اے لوگو! مجھ سے پوچھو، میرے سامنے اپنے سوال پیش کرو۔ خدا کی قسم! کتاب خدا کی کسی بھی آیت کے بارے میں پوچھو، میں تمہیں بتاؤں گا کہ وہ رات میں اتری یا دن میں، بیابان میں اتری یا پہاڑ پر یا گھر میں، مومن کے بارے میں اتری یا منافق کے بارے میں۔ تمہیں بتاؤں گا کہ اس آیت سے کیا مقصود ہے۔ اس آیت میں کوئی خاص موضوع مدِ نظر تھا یا وہ عمومی معنی پر مشتمل ہے؟ جان لو کہ اگر تم نے مجھے کھو دیا تو کسی ایسے کو نہ پاؤ گے جو میری طرح تم سے بات کرے۔

[ابنِ کوّا سوال کرنے کے لیے کھڑا ہوا۔ اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا:]

اعتراض کرنے اور آزمانے کی غرض سے سوال نہ کر۔ بلکہ سمجھنے اور سیکھنے کے لیے سوال کر اور جب سوال کر چکے تو اس کے دیئے گئے جواب پر تفکر و تدبّر کر۔

---

[1] امالی مفید: مجلس ۲۳، ح ۳۲، ص ۱۹۸؛ مشکاۃ الانوار: ص ۳۰۴؛ روضۃ الواعظین: ج ۲، ص ۴۴۵.

[اس نے اس آیت: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ[1]﴾ «جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بجالائے یقیناً یہی لوگ مخلوقات میں بہترین ہیں»۔ کے معنی کے بارے میں پوچھا۔ میں نے اسے جواب دینے سے پرہیز کیا لیکن اس نے تین بار سوال دُہرایا، تو اس کا جواب دیتے ہوئے کہا:]

توجہ کر ابنِ کوّا۔ اس سے مقصود ہم اور ہمارے پیروکار ہیں جو روزِ قیامت سفید اور نورانی چہرے والے، سیراب و شاداب ہوں گے اور اپنے درخشاں و تابناک چہروں کے ساتھ پہچانے جائیں گے۔[2]

فضیلتِ ماہِ رمضان

[رمضان کی پہلی تاریخ تھی۔ مسجدِ کوفہ میں اسی مناسبت سے ایک خطبہ دیا:]

اے لوگو! یہ مہینہ وہ مہینہ ہے جسے خدا نے بقیہ مہینوں پر فضیلت بخشی ہے۔ ویسے ہی جیسے خدا نے ہم اہل بیتؑ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوسروں پر برتری بخشی ہے۔ اس مہینے میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، لطف و رحمتِ الٰہی کے در وا ہو جاتے ہیں، جبکہ آتش (جہنم) کے در بند کر دیے جاتے ہیں۔ اس ماہ میں بندگانِ خدا کے راز و نیاز پر عنایاتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، اُن کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور اُن کی آنکھوں کے اشک رحمتِ الٰہی کو جذب کر لیتے ہیں۔ اس ماہ میں ایک شب ہے جس میں آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور فجر کے طلوع ہونے تک روزے دار مرد اور خواتین پر سلام بھیجتے ہیں۔ یہ شب وہی شبِ قدر ہے جس میں میری ولایت لکھی گئی ہے۔ یہ رات، ایک باعظمت رات ہے جس میں انجام دیا عملِ خیر ہزار مہینوں میں انجام دیے گئے اعمالِ خیر سے بہتر ہے اور اس دن کا روزہ رکھنا ہزار مہینوں کے روزوں سے بہتر ہے۔

لوگو! ماہِ رمضان میں خورشید اس حال میں طلوع ہوتا ہے کہ روزہ دار مرد و زن کو رحمتِ الٰہی اپنے گھیرے میں لے لیتی ہے اور اس کی راتوں میں چاند کے نکلتے ہی روزہ داروں پر خدا کے لطف و عنایات کی نسیم چلتی ہے۔ جو لوگ ان تحائف کے حصول میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہ اپنے رب سے ملاقات

---

1. بینہ: ۷.

2. سید ابن طاؤوس، سعد السعود: ص ۱۰۹.

کے دن خصوصی امتیاز اور تکریم الٰہی سے بہرہ مند ہوں گے اور بہشت میں اچھا مقام پائیں گے۔

اے بندگانِ خدا! یہ مہینہ دوسرے مہینوں جیسا نہیں! اس کے دن افضل ترین دن اور اس کی راتیں اعلیٰ ترین راتیں جبکہ اس کا ایک ایک لمحہ زیباترین لمحہ ہے۔ اس مہینے میں شیطان قید کر دیا جاتا ہے اور اس کے دست و پا میں زنجیریں ڈال دی جاتی ہیں۔ اس مہینے میں خدا انسانوں کی عمر اور زندگیاں بڑھاتا ہے، خانۂ خدا کے مہمانوں کا تعیّن ہوتا ہے، اہلِ ایمان مغفرتِ الٰہی اور خوشنودیِ پروردگار کا شریں ذائقہ چکھتے ہیں اور روح و ریحان نیز رضائے رب سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

اے روزہ دار! اپنے روز مرّہ کے معمول میں اچھے سے فکر اور تامل کر کیونکہ اس مہینے میں تُو اپنے خدا کا مہمان ہے۔ دیکھ تیرے شب و روز کس طرح کٹ رہے ہیں اور تُو کس طرح اپنے اعضاء و جوارح اپنے رب کی نافرمانی سے محفوظ رکھتا ہے۔ اچھے سے دیکھ! کہیں ایسا نہ ہو کہ تُو اِس مہینے کی راتیں سوتے ہوئے اور اس کے دن غفلت میں گزار دے! پھر جب روزے دار اپنے انعامات پا رہے ہوں گے، تو انگشتِ حسرت دانتوں میں دبائے کھڑا ہو اور جب وہ بے پایاں کراماتِ الٰہی سے محظوظ ہو رہے ہوں گے تیرے ہاتھ میں افسوس کے سوا اور کچھ نہ ہو اور روزہ داروں کو نصیب ہونے والی سعادت اور انہیں حاصل ہونے والی خدا کی ہمسائیگی کے مقابل تُو بارگاہِ الٰہی سے راندۂ درگار ہونے والوں میں سے ہو۔

اے روزہ دار! اگر تُو اپنے اس خدا کی بارگاہ سے دھتکار دیا گیا جو تیرا مالک ہے، پھر کس در پر پناہ حاصل کرے گا؟ اگر تیرا خدا تجھے اپنی عنایات سے محروم کر دے، پھر کون ہے جو تجھے روزی دے گا اور بے نیاز فرمائے گا؟ اگر تیرا خدا تیرے لیے کسی حُرمت کا قائل نہ ہو، پھر کون تجھے عزّت بخشے گا؟ اگر تیرا خدا تجھے رسوا کر دے، پھر کون تجھے عزّت و سرفرازی سے نوازے گا؟ اگر تیری پشت سے خدا کا دستِ مدد اٹھ جائے، پھر کس کی پُشت پناہی تیرے لیے کارساز ثابت ہو گی؟ سچ میں اگر تیرا خدا تجھے اپنے بندوں کے زُمرے میں شمار نہ کرے، تو کس کی بندگی کا طوق اپنی گردن میں ڈالے گا؟ اگر وہ تیری لغزشوں اور خطاؤں کو ان دیکھا نہ کرے، پھر تو کس سے دل لگائے گا کہ وہ تیرے گناہ بخش دے؟ اگر خدا تجھ سے اپنے حق کا مطالبہ کرے، تو کیا جواب دے گا؟

اے روزہ دار! شب و روز تلاوتِ کتابِ خدا کے ذریعے خدا سے نزدیک ہو۔ کتابِ خدا روزِ قیامت

اپنے تلاوت کرنے والے کی شفاعت کرے گی اور اس کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اس کے بعد اہلِ قرآن اپنی تلاوت کے تناسب سے بہشت کے درجات تک پہنچیں گے اور ان مراحل کو طے کریں گے۔

اے روزہ دار! تجھے بشارت دیتا ہوں! جس ماہ میں تو زندگی گزار رہا ہے اور اس میں تجھ پر روزے واجب کیے گئے ہیں، اس میں تیرا سانس لینا خدا کی تسبیح جیسا ہے، تیری نیند عبادت شمار ہوتی ہے، اس ماہ میں تیری عبادت اور اطاعتِ الٰہی مقبول ہے، تیرے گناہ خدا کی جانب سے بخش دیے جاتے ہیں، تیری دعا اور مناجات کی جانب توجّہ کی جاتی ہے اور ان کی جانب نگاہِ رحمت سے دیکھا جاتا ہے۔

میں نے اپنے محبوبِ دل حضرت رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: «ماہِ رمضان کی ہر شب وقتِ افطار خُدا ایک گروہ کو آتشِ جہنم سے آزاد کرتا ہے، ان کی تعداد اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور یہ وہ علمِ غیب ہے جس پر فقط خُدا احاطہ رکھتا ہے لیکن رمضان کے اختتام پر شبِ عیدِ فطر اتنی تعداد میں افراد کو جہنم کی آگ سے آزاد کرتا ہے جتنے ماہِ رمضان کی تمام راتوں میں آزاد کیے گئے ہوتے ہیں»۔

[قبیلۂ ہمدان سے تعلق رکھنے والا ایک شخص کھڑا ہُوا اور ماہِ رمضان کی فضیلت میں رسول اللہ ﷺ کی ایک اور حدیث سننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ میں نے جواب میں کہا:]

ہاں! میں نے اپنے بھائی اور چچازاد رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: «جو بھی ماہِ رمضان کے روزے رکھے اور اپنے نفس کو خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں سے محفوظ رکھے، بہشت میں داخل ہو گا۔»

[اس شخص نے ایک اور حدیث کا تقاضا کیا: میں نے کہا:]

ہاں ضرور! میں نے اپنے عزیز دوست رسول اللہ ﷺ سے سنا: «جو شخص ماہِ رمضان کے ایمان اور محافظت و مراقبت کے ساتھ روزے رکھے گا، بہشت میں داخل ہو گا۔»

[اس ہمدانی شخص نے تیسری بار حدیثِ رسول ﷺ سننے کا تقاضا کیا؛ میں نے جواب میں کہا:]

ہاں! میں نے اوّلین و آخرین کے سیّد و سردار رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا: «جو بھی ماہِ رمضان میں روزہ رکھے اور اس کی راتوں میں کسی حرام کام کا مرتکب نہ ہو، جنّت میں جائے گا۔»

[اس شخص نے چوتھی بار حدیثِ رسول ﷺ سنانے کی درخواست کی۔ میں نے کہا:]

ہاں، رسول اللہ ﷺ جو تمام انبیائے الٰہی اور ملائکہ مقربین سے افضل ہیں، میں نے اُن سے سنا:
«سیّد الاوصیائے انبیا اُس ماہ میں شہید کیا جائے گا جو سید الشہور ہو گا!»
میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: سید الاوصیائے انبیا سے کون مقصود ہے اور سید الشہور کون ہے؟
فرمایا: «سید الشہور، ماہِ رمضان ہے اور سید الاوصیائے انبیا تو ہے!»
عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا یہ حادثہ ضرور اتفاق پذیر ہو گا؟
فرمایا: «ہاں! خدا کی قسم! میری اُمت کا پست اور بدبخت ترین شخص جو قاتل ناقہ قومِ ثمود جیسا ہو گا، اٹھے گا اور تیرے سر پر ضربت لگائے گا اور تیرے محاسن تیرے سر کے خون سے رنگین ہو جائیں گے۔
[اُس وقت لوگوں کے رونے اور نالوں کی آواز بلند ہوئی۔ خطبہ جاری رکھنے کا موقع نہ رہا۔ خطبہ وہیں چھوڑ کر منبر سے نیچے اتر آیا۔][1]

۞ میرے سینے میں کثیر علم ہے

[ایک رات کمیل کا ہاتھ پکڑا اور کوفے سے باہر لے آیا۔ وہاں پہنچ کر اسے یہ بات کہی:
اے کمیل بن زیاد! یہ دل ایک طرح کے ظرف ہیں لہٰذا سب سے بہتر وہ دل ہے جو سب سے زیادہ حکمتوں کو محفوظ کر سکے۔ اب تم مجھ سے ان باتوں کو محفوظ کر لو۔
لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں: خدا رسیدہ عالم۔ راہ نجات پر چلنے والا طالب علم اور عوام الناس کا وہ گروہ جو ہر آواز کے پیچھے چل پڑتا ہے اور ہر ہوا کے ساتھ لہرانے لگتا ہے۔ اس نے نہ نور کی روشنی حاصل کی ہے اور نہ کسی مستحکم ستون کا سہارا لیا ہے۔
اے کمیل! دیکھو علم مال سے بہر حال بہتر ہوتا ہے کیونکہ علم خود تمہاری حفاظت کرتا ہے اور مال کی تمہیں حفاظت کرنا پڑتی ہے؛ مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے اور علم خرچ کرنے سے بڑھ جاتا ہے۔

---

[1] شیخ صدوق: فضائل الاشہر الثلاثۃ: ص ۱۰۷.

اے کمیل بن زیاد! علم سے محبت وہی دین ہے جس کی انسانوں کو پیروی کرنی چاہیے اور اسی کے ذریعہ انسان زندگی میں اطاعتِ الٰہی کو کمال تک پہنچاتا ہے اور مرنے کے بعد ذکرِ جمیل کا زینہ فراہم کرتا ہے۔ لیکن مال سے آئی قدر و قیمت اُس کے جانے سے ہاتھ سے چلی جاتی ہے۔

اے کمیل! اموال کا جمع کرنے والا زندہ ہوتا ہے لیکن در حقیقت مر چکا ہوتا ہے! لیکن عالم جب تک شب و روز باقی ہے، زندہ ہے۔ ان کے جسم ناپید ہو جاتے ہیں لیکن ان کی حقیقتیں دلوں میں زندہ رہتی ہیں۔

دیکھو اس سینہ میں علم کا ایک خزانہ ہے۔ کاش مجھے اس کے برداشت کرنے والے مل جاتے۔ ہاں ملے بھی تو بعض ایسے ذہین جو قابلِ اعتبار نہیں ہیں اور دین کو دنیا کا آلہ کار بنا کر استعمال کرنے والے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کے ذریعہ اس کے بندوں اور اس کی محبّتوں کے ذریعہ اس کے اولیاء پر برتری جتانے والے ہیں تاکہ کوتاہ فکر لوگ اولیائے حق کی جگہ ان افراد کو اپنا امام اور رہبر بنالیں۔

دوسری جانب ایسے افراد ملے جو حاملانِ حق کے اطاعت گزار تو ہیں لیکن ان میں زیرگی اور عُمقِ فکر نہیں پائی جاتی لہذا اپنے دل میں پیدا ہونے والے پہلے شبہ میں ہی شک کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یاد رکھو کہ ان دونوں گروہوں میں سے کسی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

کیونکہ جو لوگوں لذّتوں کے دلدادہ اور خواہشات کے لیے اپنی لگام ڈھیلی چھوڑ دینے والے ہیں یا صرف مال جمع کرنے اور ذخیرہ اندوزی کرنے میں سرگرم رہتے ہیں، کسی صورت لوگوں کے دین کے محافظ نہیں بن سکتے۔ یہ انسانوں کے مقابل چرنے والے جانور سے زیادہ شباہت رکھتے ہیں۔ ہاں ایسا ہی ہے کہ جب علم منتقل کرنے کے لیے کوئی قابل شخص نہ ملے، اس وقت علم بھی اپنے حاملین کے ساتھ مر جاتا ہے۔

خدایا! تُو کبھی بھی زمین کو حُجتِ قائم سے جو یا تو ظاہر و مشہور ہوتی ہے یا پنہاں و خائف، خالی نہیں رکھتا تاکہ تیرے آشکار دلائل باطل نہ ہوں۔ یہ حُجت ہائے الٰہی کتنی ہیں اور کہاں ہیں؟ واللہ ان کے عدد بہت کم ہیں لیکن ان کی قدر و منزلت بہت عظیم ہے۔ اللہ انہیں کے ذریعہ اپنے دلائل و بیّنات کی حفاظت کرتا ہے تاکہ وہ انہیں اپنے ہی جیسے افراد کے حوالے کر دیں اور اپنی مثل لوگوں کے دلوں میں بو دیں۔

انہیں علم نے بصیرت کی حقیقت تک پہنچا دیا ہے اور یہ یقین کی روح کے ساتھ گھل مل گئے ہیں۔ انہوں نے ان چیزوں کو آسان بنالیا ہے جنہیں راحت پسندوں نے مشکل بنا رکھا تھا اور ان چیزوں سے اُنس حاصل کیا ہے جن سے جاہل وحشت زدہ تھے اور اس دنیا میں ان اجسام کے ساتھ رہے ہیں جن کے روحیں ملائے اعلیٰ سے وابستہ ہیں۔

اے کمیل! یہی رُوئے زمین پر اللہ کے خلیفہ اور اس کے دین کے داعی ہیں۔

ہائے مجھے ان کے دیدار کا کس قدر اشتیاق ہے۔ اپنے اور تمہارے لیے خدا سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔[1]

❁ راہیانِ حق کی کم تعداد پر پریشان نہ ہو

[لوگوں کو جن چیزوں کی یاددہانی کروائی ان میں سے ایک یہ تھی:]

اے لوگو! سیدھا راستے چلنے میں اس راہ پر چلنے والوں کی قلت سے پریشان نہ ہو کیونکہ اکثریت ایسے دسترخوان کے گرد جمع ہو چکی ہے جس کی سیری کم مُدّت اور بھوک طولانی ہے۔ اے لوگو! رضا و غضب تمام افراد کو ان کے نتائج میں شریک کرلیتا ہے اور معاشرے کے تمام افراد خوشنودی اور غضب میں مشترک ہیں۔ جیسا کہ ناقہ ثمود کی ٹانگیں ایک شخص نے کاٹی تھیں پر عذاب ساری قوم پر نازل ہوا تھا۔ کیونکہ وہ سب اس پر راضی تھے۔ خداوندِ متعال ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَىٰ فَعَقَرَ ۞ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ﴾[2]

پھر انہوں نے اپنے ساتھی کو بلایا اور اسے (ہتھیار) تھمایا پس اس نے (اونٹنی کی) کونچیں کاٹ دیں۔۔ پس بتاؤ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟

نیز فرماتا ہے:

---

[1] کمال الدین و تمام النعمۃ: ج۱، ص ۲۹۰؛ الخصال: ج۱، ص ۱۸۶؛ امالی مفید: مجلس ۲۹، ح۳، ص ۲۴۷؛ الارشاد: ج۱، ص ۲۲۷؛ الغارات: ج۱، ص ۸۹؛ امالی طوسی: ص ۲۰؛ کشف الیقین: ص ۱۸۴؛ روضۃ الواعظین: ج۱، ص ۱۰؛ نہج البلاغۃ: کلمات قصار ۱۴۷؛ خصائص الائمۃ: ص ۱۰۵.

[2] قمر: ۲۹ تا ۳۰.

﴿فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ۝ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا﴾[1]

پھر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو ان کے رب نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب ڈھایا پھر سب کو (زمین کے) برابر کر دیا اور اسے اس (عذاب) کے انجام کا کوئی خوف نہیں۔

آگاہ ہو جاؤ کہ اگر کسی سے میرے قاتل کے بارے میں سوال کیا جائے اور جواب دینے والا میرے قاتل کو اہل ایمان سمجھتا ہو، وہ بھی میرے قاتلوں کے زُمرے میں شمار ہو گا!

اے لوگو! جو راہِ روشن پر چلے گا، پانی تک پہنچ جائے گا اور جو بے راہروی کا شکار ہو گا، منحرف اور سرگرداں ہو جائے گا۔[2]

❁ حقوق العباد کی اہمیت

[منبر کوفہ پر جا کر لوگوں سے کہا:]

اے لوگو! گناہ تین قسم کے ہیں:

[اس کے بعد میرا سانس پھولنے لگا اور کچھ دیر تک بات نہ کر سکا۔ سامعینؔ میں سے ایک شخص اٹھا اور کہنے لگا: یا امیر المومنینؑ! آپ نے فرمایا گناہ تین قسم کے ہیں، لیکن اس کی تفصیل بیان نہیں کی۔ میں نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا:]

ہاں! تفصیل بیان کرنا چاہتا تھا لیکن سانس پھولنے کی وجہ سے نہ کر سکا۔ اب بیان کرتا ہوں۔ گناہ تین قسم کے ہیں: وہ گناہ جو معاف کر دیا جائے، وہ گناہ جو معاف نہ کیا جائے اور وہ گناہ جس کی بخشش کی امید ہے لیکن وہ وحشتناک بھی ہے۔

بخش دیا جانے والا گناہ اس بندے کا ہے جس کے گناہ کی بدولت خدا دنیا میں ہی اسے سزا دے دیتا ہے۔ کیونکہ خدا اس بات سے اعلیٰ وارفع نیز کریم ہے کہ اپنے بندے کو دوبار سزا دے۔

جو گناہ بخشا نہیں جاتا وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے۔ خدا نے جب اپنی خلق پر تجلّی کی،

---

1. شمس: ۱۴ و ۱۵.

2. غیبت نعمانی: ص ۲۷؛ الارشاد: ج ۱، ص ۲۷۶؛ الغارات: ج ۲، ص ۳۹۸.

قسم کہا کر فرمایا: مجھے میری عزّت و جلال کی قسم! میں کسی ظالم کے ظلم سے درگزر نہیں کروں گا چاہے وہ ایک مُکّا مارنا یا ہاتھ دبانے یا ایک سینگوں والے جانور کا ایک بغیر سینگوں والے جانور کو مارنا ہی کیوں نہ ہو! لہذا خدا بندوں کا ایک دوسرے سے قصاص لیتا ہے تاکہ کسی کا کسی پر ظلم باقی نہ رہے۔ پھر اس کے بعد خدا انہیں حساب کتاب کے لیے مبعوث کرے گا۔

تیسری قسم وہ گناہ ہیں جنہیں خدا نے اپنی خلق سے پنہاں رکھا ہے اور گناہ گاروں کو اس کی توبہ کرنے کی توفیق سے نوازا ہے۔ گناہ گار اپنے گناہ پر خوفزدہ اور وحشت زدہ رہتا ہے اور ساتھ ہی اپنے رب سے اُمید بھی رکھتا ہے۔ لہذا اس شخص کے گناہ کے بارے میں ہمارا بھی وہی حال ہے جو خود اس کا اس گناہ کے بارے میں، یعنی اس کے لیے رحمت کے اُمیدوار بھی ہیں اور عذاب الٰہی سے خوفزدہ بھی ہیں۔[1]

---

[1] کافی: ج ۲، ص ۴۴۳؛ المحاسن: ج ۱، ص ۷؛ ارشاد القلوب: ج ۱، ص ۱۸۱۔

۲۴۔ شہرِ کوفہ کے واقعات

❁ نہایت سادہ زندگی

[کوفے میں میری گزر بسر کا دار و مدار مدینہ میں میری زرعی زمین سے حاصل ہونے محصولات پر تھا۔ اگرچہ میں کوفے والوں کو نان اور گوشت دیتا تھا لیکن خود کھجور پر زندگی گزارتا تھا۔ اہلِ کوفہ کو کہا کرتا تھا:]

اے کوفے والو! اگر کسی دن تمہارے شہر سے جانے لگوں تو گھر کا جو سامان اپنے ساتھ لایا تھا، جس مرکب پر سوار تھا اور جو غلام اپنے ساتھ لایا تھا اُن کے علاوہ اگر کوئی اَور چیز میرے پاس دکھائی دی تو مجھے خیانت کار جاننا۔[1]

❁ میں تمہارے لیے ویسے ہی ہوں جیسے اصحابِ کہف کے لیے اُن کا غار تھا

[ایک مقدمہ لایا گیا۔ میں نے ایک شخص کے خلاف فیصلہ سنایا۔ وہ ناراض ہو گیا اور کہا: ایسا فیصلہ صادر کیا ہے جس کی وجہ سے میرا مال لُٹ گیا اور میرے خاندان کو بڑا نقصان ہوا۔ میں نے قنبر سے کہا:]

اے قنبر! اعلان کرو کہ سب نماز کے وقت (مسجد) میں جمع ہوں۔

[لوگ اکھٹے ہو گئے۔ میں نے ان کے لیے خطبہ دیتے ہوئے کہا:]

میں اور میرے ساتھ ہر وہ شخص جس نے حقائقِ زمانہ سے عبرت حاصل کی ہے، اس حقیقت پر اتفاق رکھتے ہیں کہ جب بھی ملنے والی چیز تقویٰ کی اساس پر حاصل ہوتی ہے، ضائع نہیں ہوتی اور جس درخت کی جڑ نے تقویٰ سے نمو پائی ہو، پیاسا نہیں رہتا۔ تمام خوبیاں اس میں ڈھونڈنی چاہیں جو اپنی منزلت سے واقف ہو اور انسان کی جہالت کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اپنی منزلت سے ناواقف ہو۔ خدا کے یہاں سب سے زیادہ دھتکارا ہُوا شخص وہ ہے جسے وہ اس کے اپنے حال پر چھوڑ دے، جو راہِ

---

[1] الغارات: ج ۱، ص ۴۴؛ شرحِ نہج البلاغۃ: ج ۲، ص ۲۰۰.

راست سے منحرف ہو جائے، بدعت آمیز باتوں پر کان دھرے، اپنے جیسے افراد کے ساتھ لوگوں کو فتنے کی تاریکیوں میں جھونک دے، ظاہر میں نماز روزے پر کاربند رہے اور اس دکھاوے کے ساتھ اپنے پیروکاروں کے لیے فتنوں کا زینہ فراہم کرے!

عوام اُسے عالم کہتے ہیں جبکہ وہ کسی ایک دن بھی عالم نہیں رہا! ہر دن صبح کسی ایسی چیز کے پیچھے نکلتا ہے جس کی کم مقدار اُس کی زیادہ مقدار سے بہتر ہے، نتیجتاً گندے اور گدلے پانی سے سیراب ہوتا ہے اور وہ چیز حاصل کرتا ہے جس میں اس کے لیے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس حالت میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے بیٹھ جاتا ہے اور شبہات دور کرنے کے لیے نسخے تجویز کرتا ہے اور خود کو لوگوں کی مشکلات حل کرنے کے سلسلے میں ضامن کے طور پر متعارف کرواتا ہے۔ اگر کسی چیز کو کسی چیز سے قیاس کر کے کوئی فیصلہ سناتا ہے، خود کو دروغ گو شمار نہیں کرتا، اگر کسی چیز کا حکم نہیں جانتا تو یہ کہنے کی بجائے کہ نہیں جانا، اُسے چھپاتا ہے۔ خدا کی قسم! نہ اِس قدر علم رکھتا ہے کہ آنے والے سوالوں کے جواب دے اور نہ ان اوصاف سے متصف ہوتا ہے جن سے اس کی تعریف کی جارہی ہوتی ہے۔

وہ در حقیقت گمراہیوں کی کنجی اور جہالت کا بیوپاری ہے۔ جو نہیں جانتا اس پر معذرت طلب نہیں کرتا تاکہ اس طرح اپنی سلامتی کا سامان کرے۔ نہ علم حاصل کرنے کی راہ میں قدم بڑھاتا ہے تاکہ بصیرت پاسکے۔ روایات کو اس طرح اوپر نیچے کرتا ہے جیسے ہَوا خشک پتوں کو ایک دوسرے کے ساتھ مل دیتی ہے۔ مظلومین کے خون اس کے ہاتھوں فریاد بلند کرتے ہیں! لوگوں کی میراث اس کے فیصلوں سے گریہ و نالہ کرتی ہیں! اس کے کسی حرام چیز کے بارے میں حکم دینے کی وجہ سے لوگوں کی ناموس پر دست درازی ہوتی ہے اور اُن کے رشتے داروں پر حلالِ خدا حرام ہو جاتا ہے۔ پس اس حیرت زدہ انداز میں کہاں جارہے ہو اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیتؑ سے رخ موڑ رہے ہو؟!

میں کشتی نوح کے ساکنان جیسا ہوں کہ جس نے بھی اس میں پناہ لی نجات پا گیا۔ اس شخص پہ افسوس جو اس کشتی سے پیچھے رہ گیا اور اس پر سوار نہ ہوا! میں تمہارے درمیان اصحاب کہف کے غار کی مانند ہوں جس میں پناہ لینے کے بعد وہ امان میں رہے۔ میں تمہارے درمیان «باب حطہ» ہوں جس میں داخل ہو کر بنی اسرائیل نے نجات پائی اور جس نے اس سے تخلف کیا، ہلاک ہوا۔

حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے ایک بات ارشاد فرمائی تھی، میں وہ تمہارے گوش گزار کر دیتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: «میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اگر اس سے متمسک رہو گے، کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور وہ کتاب خدا اور میری عترت و اہل بیتؑ ہیں»۔ [1]

جب بھی خاموش ہو جاؤں، اصرار نہ کرو!

[عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ اٹھا اور کہا: یا امیر المومنین! ہم نے بڑا انتظار کیا کہ آپ اپنے بارے میں اور رسول اللہ ﷺ کے دنیا سے گزرنے کے بعد پیش آنے والے حوادث کے بارے میں کچھ کہیں، لیکن اب تک اس انتظار کا کوئی ثمر نہ ملا۔ کیا اب بھی یہ بات بیان کرنے کا وقت نہیں آیا کہ خلفائے گزشتہ کے زمانے میں آپکی خانہ نشینی اور آپ کا سکوت رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تھا یا یہ خود آپ کی رائے تھی؟ میں نے اِس کے جواب میں کہا:]

اے عبد الرحمٰن! جب خدا نے اپنے رسول ﷺ کو اپنے جوار میں جگہ دی، لوگوں میں مجھ سے زیادہ کوئی آپؐ کی جانشینی کی لیاقت نہیں رکھتا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے عہد لیا تھا اور میں انہیں زبان دے چکا تھا کہ نرمی کے علاوہ کوئی دوسری راہ اختیار نہیں کروں گا نیز اختلاف برپا کروں اور جنگ سے پرہیز کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے ہمارے جس حق کو غصب کیا گیا وہ خمس تھا، انہوں نے ہمیں خمس دینے سے دریغ کیا، ہمارے لیے گزر بسر کرنا مشکل ہو گئی اور قریشیوں نے ہمارا حق چھیننے میں لالچ سے کام لیا۔

میرا لوگوں کی گردن پر ایک حق تھا، اگر وہ سہولت کے ساتھ مجھے میرا حق دے دیتے، اُسے قبول کر لیتا اور اپنی ذمہ داری نبھانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوتا لیکن ایسا نہیں ہُوا اور اس حق سے مخصوص زمانہ بھی گزر گیا۔ میں اُس شخص کی مانند تھا جس کا قرض چُکانا لوگوں پر واجب الادا تھا اور اس نے انہیں مہلت دی رکھی تھی۔ اگر لوگ اس کا حق مہلت گزرنے سے پہلے دے دیں، وہ ان کا شکر گزار رہے گا اور اگر مہلت گزر جائے تو وہ اپنا حق لے گا لیکن پھر لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرے گا۔

---

1 تاریخ یعقوبی: ج ۲، ص ۲۱۱؛ الارشاد: ج ۱، ص ۲۳۱؛ امالی طوسی: مجلس ۹، ح ۸، ص ۲۳۵؛ دعائم الاسلام: ج ۱، ص [illegible]

میں اُس شخص کی مانند تھا جس نے لوگوں کے ساتھ مہربانی اور ملائمت کا روّیہ اپنایا ہو لیکن لوگ اس کی قدر نہ پہچانے ہوں! البتہ ہدایت کی نشانیوں میں سے ایک لوگوں کے درمیان اس کے طرفداروں کا کم ہونا ہے!

اگر میں نے سکوت اختیار کیا، تم لوگ مجھ کچھ کہنے سے معاف رکھو اور اگر کچھ کہنے کی ضرورت ہوئی تو تم لوگوں سے بات چیت کے لیے ضرور بیٹھوں گا، لہٰذا جس چیز کے بارے میں مَیں بات نہیں کرتا تم بھی اس بارے اصرار نہ کرو۔[1]

✿ خاموشی اختیار کرنے پر دلیل رکھتا ہوں

[مجھے لوگوں کے درمیان کچھ ابحاث چھڑنے کی خبر ملی۔ معلوم ہوا ہے کہ رحلتِ رسول ﷺ کے بعد میرے عمل اور روّیے کو لے کر مختلف نظریات پیدا ہو رہے ہیں۔ لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا۔ اور ان کے اکٹھا ہونے کے بعد خطبہ دیا:]

اے لوگو! مجھے خبر ملی ہے کہ تم نے اِدھر اُدھر کی باتیں کی ہیں! جان لو! میں نے جو کچھ بھی کیا، اس میں انبیا کی سیرت وسنّت کی پیروی کی۔ خداوندِ متعال قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[2]

بالتحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔

جن انبیا کی میں نے پیروی کی ان میں پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کے لوگوں سے فرمایا:

﴿وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ﴾[3]

اور میں تم لوگوں سے نیز اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے ہو ان سے علیحدہ ہو جاتا ہوں۔

اب اگر تم کہو کہ ابراہیمؑ نے یہ بات بغیر دلیل کے کہی تھی اور اپنی قوم کو ان سے ناراض ہوئے بنا

[1] امالی مفید: مجلس ۲۶، ح ۲، ص ۲۲۳؛ امالی طوسی: مجلس ۱، ح ۹، ص ۸؛ مناقبِ آلِ ابی طالبؑ: ج ۱، ص ۲۷۳؛ کشف الغمۃ: ج ۱، ص ۳۷۷.

[2] احزاب: ۲۱

[3] مریم: ۴۸.

...چھوڑ دیا تھا، تو قطعاً کفر کہو گے اور اگر ابراہیمؑ کا اپنی قوم سے ناراض ہونے کی وجہ سے ان سے گوشہ ...اختیار کرنا قبول کرو گے، پھر وصیِ پیغمبر لوگوں سے بطریقِ اولیٰ گناہ گیری کر سکتا ہے۔

میں نے حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کے علاوہ ان کے خالہ زاد بھائی جناب لوط علیہ السلام کی بھی پیروی کی ہے جنہوں نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

﴿قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ﴾[1]

لوط نے کہا: اے کاش! مجھ میں (تمہیں روکنے کی) طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لے سکتا۔

اس آیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر تم کہو کہ لوطؑ کے پاس قوم سے بھڑنے کی قوت تھی، اس وقت تمہارا کہا کفر ہے اور اگر قبول کرو کہ ان کے پاس اس فعل کی قدرت نہیں تھی اور وہ اپنے لوگوں کو برائیوں سے دور نہیں کر سکتے تھے، پھر وصیِ پیغمبر ﷺ بطریقِ اُولیٰ لوگوں کو برائیوں سے دُور رکھنے میں عذر اور حُجّت رکھتا ہے!

میں نے حضرت یُوسف علیہ السلام کی سیرت و سُنّت کی بھی پیروی کی ہے۔ انہوں نے خدا سے عرض ...

﴿رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْہِ﴾[2]

اے میرے رب! قید مجھے اس چیز سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دے رہی ہیں۔

اگر تم کہو کہ حضرت یُوسفؑ نے اپنے خدا کے غضب کا شکار ہونے کی وجہ سے خدا سے زندان کی قید مانگی تھی، تو تم یہ بات کہہ کے کافر ہو جاؤ گے اور اگر قبول کرو کہ یوسف نے غضبِ الٰہی سے امان میں رہنے کے لیے زندان کا انتخاب کیا تھا اور اُس سے زندان کی قید مانگی تھی، پھر وصیِ پیغمبر بطریقِ اولیٰ گوشہ نشینی اختیار کر سکتا ہے اور اس کے پاس عُذر موجود ہے!

ان حضرات کے علاوہ میں نے حضرت موسیٰؑ کی سُنّت و سیرت کی بھی پیروی کی ہے۔ موسیٰؑ نے

---

1. ہود: ۸۰.
2. یوسف: ۳۳.

فرمایا:

﴿فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ﴾[1]

اسی لیے جب میں نے تم لوگوں سے خوف محسوس کیا تو میں نے تم سے گریز کیا۔

اگر تم کہو کہ موسیٰؑ اپنی قوم سے بغیر کسی خوف اور ڈر کے چلے گئے تھے، ایسی صورت میں صر[یح] کلامِ الٰہی کے منکر ہو جاؤ گے اور اگر موسیٰؑ کے ڈر اور خوف کو قبول کرو اور یہ بھی کہ ان کے پاس [وہاں] سے جانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا، پھر وصیِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطریقِ اولیٰ خوفزدہ ہو سکتا ہے!

ایسے ہی میں نے سُنّت و سیرتِ حضرت ہارون علیہ السلام کی بھی پیروی کی۔ انہوں نے اپنے بھائی [س]ے کہا تھا:

﴿ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي﴾[2]

اے ماں جائے! یقیناً قوم نے مجھے کمزور بنا دیا تھا اور وہ مجھے قتل کرنے والے تھے۔

اگر تم کہو کہ بنی اسرائیل نے ہارون کے ساتھ کوئی ناشائستہ روّیہ نہیں اپنایا تھا، ان پر دباؤ نہیں [ڈالا] تھا اور بات انہیں قتل کرنے تک نہیں پہنچی تھی، ایسی صورت میں تمہارا کہا قرآن کے انکار [کے] مترادف ہے۔ اور اگر قبول کرو کہ وہ ان کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے اور انہوں نے انہیں کمزور بنا [کر] خوار کر دیا تھا، پھر وصیِ پیغمبر بطریقِ اُولیٰ دباؤ میں آسکتا ہے اور اسے کمزور بنایا جا سکتا ہے یہاں تک [کہ] اسے قتل کی دھمکی بھی دی جا سکتی ہے! بنابریں اس کا خاموش رہنے پر عذر قابلِ قبول ہے۔

اور آخر میں مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت و سُنّت کی پیروی کی۔ آپؐ اپنے زمانے [کے] لوگوں کے درمیان سے نکلے اور دشمن کے خوف سے مکّہ سے نکل کر غار میں پناہ حاصل کی اور [ا]س شب مجھے اپنے بستر پر سُلا گئے۔ اگر تم کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ سے بغیر کسی خوفِ دشمن کے [باہر] نکلے، ایسی صورت میں تم نے حقیقت کا انکار کیا اور اگر قبول کرو کہ آپ پریشان تھے اور خوف [کے] عالم میں مکّہ سے خارج ہوئے اور مجھے اپنے بستر پر سونے کا حکم دیا تاکہ وہ شہر سے باہر نکل کر غار [میں] پناہ لے سکیں، پس ان کا وصی بطریقِ اُولیٰ پریشان اور خوفزدہ ہو سکتا ہے اور لوگوں سے گریز کر سکتا

---

[1] شعراء: ۲۱.

[2] اعراف: ۱۵۰.

میں سب سے زیادہ ذہین و فطین انسان ہوں

[منبر کوفہ پر لوگوں سے خطاب کر کے کہا:]

اگر مکر و فریب بری چیز نہ ہوتی تو مجھ سے زیادہ ہوشیار کوئی نہ ہوتا۔ آگاہ ہو جاؤ! ہر مکر و فریب گناہ ہے اور ہر گناہ ایک قسم کے کفر اور انکار کا حامل ہوتا ہے! آگاہ ہو جاؤ! مکّاری، تباہ کاری اور خیانت (کرنے والے) آتشِ (جہنم) میں ہیں۔[2]

ہمارے محبّین خدا کی رحمتِ واسعہ کے منتظر ہیں

[ایک شخص مسجد کے صحن میں داخل ہوا اور مجھ سے پوچھا: یا امیر المومنینؑ! کیسے مزاج ہیں؟ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا:]

1. مختصر الشرائع: ج۱، ص۱۴۸؛ الاحتجاج: ج۱، ص۱۸۹؛ الفضائل: ص۱۲۹؛ الطرائف: ج۲، ص۴۲۵.

مترجم عرض کرتا ہے: جناب امیر علیہ السلام کا یہ کلام از بابِ مماشات ہے. یعنی تسامح سے کام لیتے ہوئے سامنے والے افراد کے اعتقاد کی بنا پر حجّت تمام کرنا. چونکہ اس زمانے میں عوام کے درمیان یہ چہ میگویاں شروع ہو گئی تھیں کہ علی علیہ السلام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ کے جانشین برحق نہیں تھے نہ وصایت ان کا حق تھی، کیونکہ اگر یہ ان کا حق ہوتا تو دو صورتیں تھیں: یا تو علی علیہ السلام اس کے لیے اقدام کرتے اور یا نہ کرتے. اگر اقدام کیا ہوتا تو ہمارے سامنے ہوتا اور اگر اقدام نہیں کیا تو یہ کیسا وصیِ برحق تھا جو اپنا حق لینے کے لیے اقدام نہیں کرتا. اس صورت میں بھی ان کی وصایت داغدار ہو جاتی ہے چونکہ انہوں نے جان یا فتنے یا کسی بھی دوسری چیز کے خوف سے اقدام نہیں کیا یہ کیسا عہدۂ الٰہی کا حامل ہے جو کسی خوف یا ڈر سے اپنا حق حاصل کرنے کے لیے کوئی اقدام نہیں کرتا.

جناب امیر علیہ السلام نے اپنے اس خطبے میں ایسے افراد کو جواب دیا ہے کہ جب خود انبیا ایسا کر سکتے ہیں اور حالتِ خوف میں اقدام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں پھر وصیِ نبی بطریقِ اُولیٰ ان موارد کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اقدام سے پرہیز کر سکتا ہے. اور جس طرح وہاں اقدام نہ کرنے سے انبیا کی نبوت پر کوئی حرف نہیں آتا ویسے ہی یہاں اقدام نہ کرنے سے میری وصایتِ برحق بھی داغدار نہیں ہوتی۔

2. الکافی: ج۲، ص۳۳۸؛ نہج البلاغۃ: خطبہ ۲۰۰.

اس حال میں ہوں کہ اپنے دوستوں کو دوست اور اپنے دشمنوں کو دشمن رکھتا ہوں۔ میرے دوست اس حال میں دن گزارتے ہیں کہ رحمتِ الٰہی کی وجہ سے شاداں ہیں اور ہمارے دشمنوں کا ڈھل کر اس حال میں رات سے جاملتا ہے کہ دوزخ کی کھائی سے ایک قدم کے فاصلے پر کھڑے اس کھائی کا کنارہ اس قدر کمزور ہے کہ وہ (ٹوٹ کر) انہیں دوزخ میں گرا دیتا ہے۔ دوسری جانب بہشت کے در اس کی اہلیت رکھنے والوں کے لیے کھلے ہیں۔ پس حق داروں کو رحمتِ خدا مبارک اور اہلِ جہنم کو آتش اور ہلاکت نصیب ہو!

اے حنش! جو کوئی جاننا چاہتا ہے کہ ہمارا دوست ہے یا دشمن اسے اپنے دل کو آزمانا چاہیے: اگر ہمارے دوست کو دوست رکھتا ہے، ہمارا دشمن نہیں ہے اور اگر ہمارے دوست کو دشمن رکھتا ہے دوست نہیں ہے۔ بے شک خدا نے ہمارے دوستوں سے ہم سے مودّت رکھنے کا عہد لیا ہے نیز محفوظ میں ہمارے دشمنوں کے نام ثبت کیے ہیں۔ ہم خدا کے چُنے ہوئے ہیں اور جو تیزی کے ساتھ ہمارے پیچھے چلتے ہیں، در حقیقت راہِ انبیا پر چلنے والے ہیں۔[1]

✲ اعمال کی قبولیت کی شرط: ولایت

[قنبر کے ہمراہ مسجدِ کوفہ میں تھا۔ قنبر ایک ایسے شخص کو نماز پڑھتا دیکھ رہا تھا جو بہت اچھے انداز میں نماز ادا کر رہا تھا۔ وہ اس سے متاثر ہو گیا۔ میں نے قنبر سے کہا:]

اے قنبر! آرام سے! خدا کی قسم! اگر کوئی ہم اہلِ بیتؑ کی ولایت پر یقین رکھتا ہو، یہ ہزار سال کی عبادت کرنے سے بہتر ہے۔ اگر ایک شخص ہزار سال تک خدا کی عبادت کرے، لیکن جب تک اہلِ بیتؑ کی ولایت نہیں رکھے گا خدا اس سے یہ عبادت قبول نہیں کرے گا! اگر ایک شخص خدا کی ہزار سال عبادت کرے اور بہتر انبیا کے اعمال کے برابر اعمال رکھتا ہو، خدا اس سے اس وقت تک اعمال قبول نہیں کرے گا جب تک وہ ہم اہلِ بیتؑ کی ولایت کی معرفت نہیں رکھے گا۔ ورنہ خدا اسے منہ کے بل آتشِ جہنم میں جھونک دے گا۔[2]

---

[1] امالی مفید: مجلس ۳۹، ح ۴، ص ۳۳۴؛ امالی طوسی: ص ۱۱۳۔

[2] جامع الاخبار: ص ۱۷۸۔

ہر مومن کی دُعا کے لیے آمین کہتا ہوں

[جمعے کا دن تھا۔ میں خطبہ دے رہا تھا۔ منبر سے دیکھا، میرا ایک رمیلہ نامی صحابی درد کی وجہ سے بے تاب تھا۔ نماز کے بعد مسجد سے باہر آیا تو اس سے کہا:]

تیرا یہ حال کیوں ہے؟ دیکھا کہ تو درد کی شدّت سے تڑپ رہا تھا۔ تجھ پر بخار کے ساتھ لرزا بھی طاری تھا۔ جانتا ہوں، آج تو نے خود سے کہا تھا: غسل کر کے میرے پیچھے نماز پڑھنے سے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔ نماز میں آکر آرام اور سکون کا احساس کیا لیکن میرے منبر پر جانے کے بعد تیری وہی پرانی حالت واپس لوٹ آئی اور تجھ پر پھر سے بخار اور لرزا طاری ہو گیا!

[رمیلہ نے کہا: خدا کی قسم یا امیر المومنین! آپ نے جو فرمایا عین حقیقت ہے۔ میں نے اس سے کہا:]

رمیلہ! جب بھی کوئی مومن مرد و زن بیمار ہوتے ہیں، ہم بھی اس کی خاطر بیمار ہو جاتے ہیں! جب انہیں کوئی غم و اندوہ لاحق ہوتا ہے، ہم بھی (اس کی خاطر) غمگین ہو جاتے ہیں۔ وہ جو بھی دعا کرتے ہیں ہم ان کے لیے آمین کہتے ہیں اور جب وہ خاموش ہو جاتا ہے، ہم اس کے لیے دعا کرتے ہیں!

[رمیلہ نے تعجب سے پوچھا: یا امیر المومنینؑ! یہ جو آپؑ نے فرمایا، ان افراد کے لیے ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں، لیکن جو دیگر شہروں میں رہتے ہیں، وہ کس طرح آپ کی دعا میں شامل ہوتے ہیں؟ میں نے اسے جواب دیا:]

اے رمیلہ! شرق و غرب میں رہنے والا کوئی بھی مومن مرد و زن ہماری آنکھوں سے پنہاں نہیں۔ وہ ہمارے ساتھ ہے اور ہم اس کے ساتھ ہیں![1]

شیعہ کی نشانی

[روشن رات تھی۔ میں مسجد سے باہر نکلا۔ ایک گروہ میرے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ میں نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟ کہنے لگے: آپ کے شیعہ ہیں۔

میں نے غور سے ان کے چہرے دیکھے اور کہا:]

---

1. ارشاد القلوب: ج ۲، ص ۲۸۲؛ رجال الکشی: ص ۱۰۲۔

اگر تو سچ میں میرے شیعہ ہو، پھر میں تمہارے چہروں پر شیعوں کی نشانیاں کیوں نہیں دیکھ رہا اور تم میں شیعوں کی نشانیاں کیوں نہیں؟

[انہوں نے کہا: شیعوں کی کیا نشانیاں ہیں؟ میں نے جواب دیتے ہوئے کہا:]

شب زندہ داری کی وجہ سے ان کے چہرے زرد ہوتے ہیں، زیادہ گریہ کرنے کی وجہ سے آنکھیں ناتوان ہوتی ہیں۔ نماز میں کثرت قیام کی وجہ سے ان کی کمریں خمیدہ ہوتی ہیں، روزوں کی وجہ سے ان کے پیٹ کمروں سے جالگتے ہیں۔ دعاؤں کی وجہ سے ان کے ہونٹ خشک ہو جاتے ہیں اور ان کے بدن پر تواضع کی خاک بیٹھی ہوتی ہے۔[1]

حدیثِ غدیر پر شہادت طلب کی

[مسجدِ کوفہ میں تھا۔ حاضرین میں ایسے افراد سے حدیثِ غدیر پر گواہی طلب کی جو غدیرِ خم میں موجود تھے:]

خدا کی قسم دیتا ہوں جن افراد نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتا سنا ہے: «جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا علیؑ مولا ہے، پروردگارا اس کے دوستوں سے دوستی رکھ اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھ» وہ اٹھیں اور شہادت دیں۔

[بارہ بدری صحابی اٹھے اور اس حدیث کی شہادت دی۔ لیکن زید بن ارقم اور انس بن مالک شہادت دینے نہ اٹھے جبکہ یہ دونوں بھی غدیر میں موجود تھے! میں نے انس سے پوچھا:]

اے انس! تو نے شہادت کیوں نہ دی جبکہ تو نے خود رسول اللہ ﷺ سے یہ کلام سنا تھا؟

[اس نے جواب دیا: یا امیر المومنین! بوڑھا ہو گیا ہوں، (حافظہ کمزور ہو گیا ہے) اس لیے بھول گیا ہوں۔ مجھے معلوم تھا اسے یہ حدیث یاد تھی اور وہ اسے بھولا نہیں تھا (بلکہ یہ فقط گواہی نہ دینے کا بہانہ تھا)۔ میں نے دعا کی:]

پروردگارا! اگر انس جھوٹ بول رہا ہے، اسے جلد کی ایسی بیماری میں مبتلا کر جسے اس کا عمامہ بھی [illegible]

---

[1] الارشاد: ج ۱، ص ۲۳۷؛ جامع الاخبار: ص ۳۵؛ امالی طوسی: مجلس ۸، ح ۲۷؛ ص ۲۱۶؛ مجموعہ [illegible] ص ۲۵؛ صفات الشیعہ: ص ۱۷؛ اعلام الدین: ص ۱۲۳؛ مشکاۃ الانوار: ص ۵۸.

کے![1]

رشاد: ج۱، ص۳۵۱؛ ارشاد القلوب: ج۲، ص۲۲۸؛ شرح نہج البلاغۃ: ج۴، ص۷۴ وج۱۹، ص۲۱۷؛ انساب اشراف: ج۲، ص۱۵۶؛ نہج البلاغۃ: کلمات قصار: ۳۱۱؛ کشف الیقین: ص۱۱۰.

عرض کرتا ہے: سید رضی رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس داغ سے مراد برص ہے. امام کی بد دعا کے بعد انس مرضِ میں مبتلا ہو گیا اور آخری دم تک مبروص رہا جس کی وجہ سے وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتا تھا.